مرام الکلام کے برصغیر (اردو) میں پہلی اشاعت

بنام

دفاعِ صحابہ و اہلِ بیت

مع عربی متن



مصنف:
عمدۃ المتکلمین علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ و تحقیق
ابو محمد عبد الواحد کبیری مدنی

فرید بک سٹال ۳۸- اردو بازار لاہور

مرام الکلام کی جزِ مفقود کی پہلی اشاعت

بنام

دفاعِ صحابہ و اہلِ بیت

مع عربی متن

مصنف:

عمدۃ المتکلمین علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تحقیق

ابو محمد عبدالواحد کبیری مدنی

فرید بک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور



دفاعِ صحابہ واہلِ بیت

نام کتاب : دفاعِ صحابہ واہلِ بیت

مصنف : عمدۃ المتکلمین ملا عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتحقیق : ابو محمد عبدالواحد کبیری مدنی

مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور

تاریخ اشاعت : رجب المرجب ۱۴۴۵ھ جنوری 2025ء

قیمت : روپے

Farid Book Stall
Phone No: 092-42-37312173-37123435
Fax No. 092-42-37224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۹۲_۴۲_۳۷۳۱۲۱۷۳_۳۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۹۲_۴۲_۳۷۲۲۴۸۹۹
ای میل info@faridbookstall.com
ویب سائٹ www.faridbookstall.com

فہرست

عنوانات	صفحہ
اجتہادی امور میں اختلاف کی امثلہ	33
علم عقائد اور اصول فقہ کے تدوین کی وجہ	35
انسان کے دو کمال	35
دوسری فصل: گمراہ فرقوں کی تعداد	35
مذکورہ حدیث کے چند جوابات	35
فرقوں کی تقسیم میں چھ مقامات	36
پہلا مقام رافضیوں کا بیان	36
دوسرا مقام خارجیوں کا بیان	37
معتزلہ کی ابتداء	38
تیسرا مقام جبریہ کا بیان	38
چوتھا مقام قدریہ کا بیان	39
پانچواں مقام جہمیہ کا بیان	39
چھٹا مقام مرجیہ کا بیان	40
اہل سنت کے ذکر کو موخر کرنے کی وجہ	41
اعتراض:	41
تیسری فصل: اہل سنت کا بیان	41
اشاعرہ کون؟	42
چوتھی فصل: اہل سنت کے اجمالی عقائد	42
پانچویں فصل: ایک مشکل سوال کا جواب	42
فصل: بدعتیوں سے مناظرہ کی کیفیت	44
مانعین مناظرہ کے دلائل	45
مانعین کے دلائل کا جواب	45
مجوزین مناظرہ کے دلائل	45
قسم اول کا دوسرا باب	48

عنوانات	صفحہ

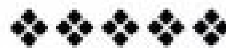
عنوانات	صفحہ

عنوانات | صفحہ

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ
5-ماغسطن:	144
6-النبطاسیہ فی علوم المختلفہ:	144
7-التمیز فی التنقیح:	145
8-الیاقوت:	145
9-الناھیہ عن ذم معاویہ	145
10-کوثر النبی:	145
11-السر المکتوم مما اخفاہ المتقدمون:	146
12-زمرد اخضر:	146
13-مشک عنبر:	147
14-التریاق:	147
15-ایمان کامل:	147
16-النبراس شرح شرح العقائد:	147
17-الصمصام فی اصول تفسیر:	147
18-نعم الوجیز فی اعجاز القرآن العزیز:	148
19-گلزار جمالیہ:	148
20-عالم المثال:	148
21-الالھامیۃ:	148
22-الاکسیر:	148
23-مجموعہ رسائل:	148
علامہ پرہاروی کا مسلک ومذہب:	149
علامہ پرہاروی اور عقیدۂ توحید وصفات:	150
علامہ پرہاروی اور مسئلہ امکان کذب:	150
علامہ پرہاروی اور مسئلہ علم غیب:	151
علامہ پرہاروی اور عصمت انبیا:	152

عنوانات	صفحہ



پیش لفظ

الحمدُ لِلّٰہِ علی احسانہ ! علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ کی ایک اور اہم کتاب اصل متن کی تحقیق اور اس کے ترجمہ کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ علامہ پرہاروی نے اس کتاب کا نام "مرام الکلام فی عقائد الاسلام" رکھا ہے۔ اس کو چار اقسام اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا۔ مگر افسوس اس 81 صفحات کے مخطوط میں صرف پہلی قسم ملتی ہے۔ بقیہ تین اقسام غائب ہیں۔ نیز پہلی قسم کی تقسیم کچھ یوں ہے کہ یہ چند مقدمات اور ابواب پر مشتمل ہے۔ ان مقدمات اور ابواب میں سے صرف گنتی کے تین یا چار ابواب ملتے ہیں۔ نیز ان ابواب کی فصول میں بھی شدید اختلاف ہے۔ جیسا کہ عربی متن کے مطالعہ سے واضح ہوگا۔ اس کتاب کے سببِ تالیف اور موضوع کی طرف علامہ نے اس کے خطبہ میں یوں ذکر کیا کہ" وطولت الکلام فی رد الشیعة لما مر ولانه قد فشی مذهبهم بین الناس و ظهر فی حق الصحابة قلوب الانام وساوس الخناس "۔ یعنی میں نے اس کتاب میں شیعہ کے رد میں طویل کلام کیا اس کی ایک وجہ تو ابھی گزری (یعنی وہ خواب جو انہوں نے ذکر کیا) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رافضیوں کا مذہب لوگوں کے درمیان پھیل گیا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں خناس کے وسوسے ظاہر ہو گئے ہیں۔

اس اقتباس سے جہاں ہمیں کتاب کے موضوع کا علم ہوتا ہے وہیں پر آج کے پرفتن دور میں اس کی اہمیت و افادیت بھی ہمارے سامنے واضح ہوتی ہے۔ ہر دور میں رفض وخروج کے فتنوں نے سنیت اور سنی مسلمانوں کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ علامہ پرہاروی نے اپنے دور کا جو حال بیان فرمایا، آج اس سے کہیں بدتر دَور ہے۔ رفض کے جراثیم اہل سنت کی صفوں میں گھس چکے ہیں اور سنیت کے نام نہاد دعوے دار رفض کی تقویت میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ ہماری محافل پر رفض زدہ افراد کا قبضہ ہو چکا ہے۔ کل تک جو رافضی بند کمروں میں اپنی اندر کی خباثت کا مظاہرہ کرتے تھے، آج سرِ عام اس کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، ان کی خلافت، مسئلہ فدک، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان اور عموماً تمام صحابہ کرام کی عدالت وثقاہت وغیرہا مسائل میں اب سوشل میڈیا اور چینلز پر کھل کر بات کی جانے لگی ہے۔ نہ صرف بات بلکہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر ان سے امت کا اعتماد اٹھا کر دین کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی ہیں۔ محبتِ اہل بیت کی آڑ میں مسلّمات پر ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے۔ ایک سازش کے تحت ہماری خانقاہوں اور گدی نشینوں میں رافضیت کو اتار دیا گیا ہے۔ کہیں اولادِ علی ہونے کی دُہائی، تو کہیں نسب کی برتری، تو کہیں در والے اور گھر والے کی باطل تقسیم کر کے صحابہ کرام اور اہل بیت کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا گیا ہے حالانکہ حقیقت

میں ان کے مابین کوئی نفرت نہ تھی، دونوں کے باطن پاک و صاف اور ایک دوسرے کی دینی محبت سے لبریز تھے۔ کہیں فضائلِ علی المرتضیٰ کو دلیل افضلیت قرار دیا جارہا ہے تو کہیں جزو رسولِ ہاشمی کی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضلیتِ جزوی کو ان کی افضلیت کی دلیل بنایا جارہا ہے۔ کہیں نام نہاد سنی حضرات "عید غدیر" کے نام پر روافض کے دم چھلے بنے ہوئے ہیں۔ کوئی سر اٹھاتا ہے تو صلحِ امام حسن رضی اللہ عنہ کی بنا پر ان کی سیادت کا منکر ہو جاتا ہے تو کوئی ان کی صلح کو اجباری ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ کسی کو اپنے اساتذہ کی لسٹ میں علامہ تفتازانی نظر آتے ہیں تو حق شاگردی کی ادائیگی میں ان کے دفاع میں "تفتازانیہ" لکھ ڈالتا ہے مگر اپنے استاد کا تو دفاع کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی پر رکیک حملے کر کے ان معلم الکائنات کی استادی پر سوالیہ نشان لگا دیتا ہے۔ پھر مزید جوش آتا ہے تو ان کی صحابیت کا ہی انکار کر دیتا ہے۔ اسی کے نقشِ قدم پر چل کر ایک جہول ایرانی چندے نے "الاحادیث الموضوعۃ فی مدح معاویہ" لکھ کر ان کے ایمان کا منکر ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک، اگر کوئی خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت امیر معاویہ اور عموماً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کرنے کی کوشش کرے تو اسے دشمنِ اہل بیت اور ناصبی کے القابات سے نوازا جاتا ہے۔

بہر حال اہل سنت کو آج جس طرح فتنہ رفض کے شدید حملوں کا سامنا ہے تو ہم پر ان کے خلاف جہاد کرنا اور اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے ہر طرح کے وسائل بروئے کار لانا لازم ہے۔ علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ خطرات کی پرواہ کیے بغیر ان اعتقادی فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں ورنہ اگر کسی قسم کی غفلت یا سستی کی گئی تو اس کی سزا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ارشاد فرما دی ہے کہ:

اذا ظهرت الفتن او قال البدع و سُبّ اصحابي فليظهر العالم علمه فمن لم يفعل ذلك فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعين و لا يقبل الله له صرفا و لا عدلا۔[1]

(ترجمہ:) "یعنی جب فتنے، یا فرمایا بدعتیں ظاہر ہوں اور میرے صحابی کی گستاخی کی جائے تو عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے پس جس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ عزوجل نہ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل"۔

ایک روایت میں ہے:

اذا ظهرت امتي البدع و شتم اصحابي فليظهر العالم علمه فان كاتم العلم يومئذ ككاتم ما انزل الله على محمد صلى الله عليه و سلم۔[2]

---

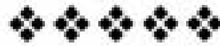
[1] الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب، ص 118، ج 02

[2] الشریعۃ للآجری، ص 2497، ج 05

(ترجمہ:)''یعنی جب میری امت بدعتوں کو ظاہر کرے اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو عالم کو چاہیے کہ اپنا علم ظاہر کرے کیونکہ اس زمانے میں اپنے علم کو چھپانے والا اس کی طرح ہے جو اللہ عزوجل کے محمد ﷺ پر نازل کردہ کو چھپائے''۔

اسی فریضہ کی ادائیگی کے لیے علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کو فضائل و دفاع صحابہ نیز ردشیعہ میں تحریر فرمایا۔ اس کتاب پر کام کرنے کی راقم نے بھی ایک نیت یہی کی تاکہ مذکورہ احادیث پر عمل ہو سکے اور ان وعیدوں سے بچا جا سکے۔ اللہ کریم کی مدد اور نبی کریم ﷺ کی عنایتوں سے دفاع وفضائلِ صحابہ پر بہترین دستاویز اس کتاب کی شکل میں پیش خدمت ہے۔

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے،ہم نے اپنی طرف سے مکمل کوشش کی ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہ ہو،لیکن پھر بھی کسی غلطی پر اطلاع پائیں تو ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں۔ جزاك الله خيرًا۔



کچھ اس کتاب کے بارے میں

علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ کی علم الکلام کے موضوع پر ''مرام الکلام فی عقائد الاسلام'' مایہ ناز کتاب ہے جو اہل علم حلقوں میں معروف ہے۔ اس کتاب کی طباعت مختلف ادوار میں ہوتی رہی۔ ہماری معلومات کے مطابق اجمیری کتب خانہ پیر پٹھان روڈ ملتان نے اس کو شائع کیا، پھر مکتبہ سلفیہ قدیر آباد ملتان نے، پھر مکتبہ حقانیہ ملتان، پھر زم زم پبلیشر کراچی نے اسے شائع کیا۔ اس کے علاوہ اس کا ایک نامکمل نسخہ سندھ آرکائیو کلفٹن کراچی سے بھی ملا۔ پھر فقیر نے اس کے عربی مخطوط اور اردو ترجمہ پر کام کیا جسے فرید بک سٹال لاہور نے شائع کیا۔

جب اس پر کام تکمیل کے مراحل میں تھا تو اسی دوران تونسہ شریف میں ایک بھائی سے رابطہ ہوا جن کا نام نور محمد عرف خلیفہ مدنی ہے۔ جنہوں نے علامہ پرہاروی کے کچھ مخطوطات کی پی ڈی ایف فائلیں بنا کر نیٹ پر اپ لوڈ کی تھیں، جن سے ہمیں ''مرام الکلام قلمی'' کے نام سے ایک مخطوط ملا، جو کم وبیش 81 صفحات پر مشتمل تھا۔ اس مخطوط کو پڑھنا ذرا مشکل تھا کہ اس کے الفاظ مدہم اور جگہ جگہ سے مٹے ہوئے تھے۔ غور سے دیکھا تو فقیر ششدر رہ گیا کہ اس کے مضامین موجودہ معروف مرام الکلام سے سوائے کچھ مقامات کے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں اور بھی ایسے امور تھے جن کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔ چونکہ کام تکمیل کے مراحل میں تھا اور اس پر جلد کام مکمل کرنے کا احباب کی طرف سے تقاضا بھی تھا تو اس معاملے کو مؤخر کر کے مکمل توجہ معروف مرام الکلام پر مرکوز رکھی اور الحمد للہ اس کی اشاعت بھی ہوگئی جس کو احباب نے سراہا۔ البتہ میں نے اس اشاعت کے شروع میں اس امر کی طرف اشارہ کر دیا تھا جیسا کہ صفحہ نمبر 18 پر لکھا ''راقم کے نزدیک مرام الکلام دراصل دو ہیں۔ ایک اصل مرام الکلام اور ایک معروف مرام الکلام اور راقم نے جس کا ترجمہ وتخریج کی ہے وہ معروف مرام الکلام ہے۔ اصل مرام الکلام اس کے علاوہ ہے جس کی کمپوزنگ الحمد للہ مکمل ہوگئی ہے اور ان شاء اللہ جلد وہ مخطوط بھی اس کے بعد منظر عام پر ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل اور دونوں نسخوں پر کلام ان شاء اللہ اصل مرام الکلام کے شروع میں راقم تفصیلی طور پر ذکر کرے گا''۔

اب ہم اس وعدہ کو وفا کرنے لگے ہیں کہ ''مرام الکلام فی عقائد الاسلام'' کے نام سے دو نسخے ہیں اور ان میں سے ایک معروف مرام الکلام ہے اور دوسری اصل مرام الکلام ہے۔ آئندہ سطور میں ہم یہی اصطلاح استعمال کریں گے کہ جو پہلے سے مرام الکلام کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے، جس کی کچھ تفصیل ہم نے اوپر ذکر کی ہے وہ ''معروف مرام الکلام'' اور جو 81 صفحات پر مشتمل نسخہ ہمیں ملا، اس کو ''اصل مرام الکلام'' کہیں گے۔

معروف مرام الکلام جسے آج تک سب مرام الکلام سمجھتے رہے اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

مرام الكلام تحميدك و سنام الاسلام تمجيدك ، نحمدك على نبيك المبرهن الفصيح و على دينه الحق الصدق الصحيح۔

اور اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

فلم يقل النبي صلى الله عليه و سلم انقطع انتفاعه بل قال انقطع عمله فالمنقطع شيئ و الواصل اليه شيئ آخر و كذا اجاب عن كل ما اورده نقضا على اعداء الثواب۔

جب کہ اصل مرام الکلام کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

حمدا لمن ارشدنا الى مذاهب الشرعة السوية و اساليبها و شكرا لمن ابعدنا عن عياب بدعة سيئة و غرابيبها ، عظمت نعماه فلا يحصها امد و عمت آلاه فلا يدريها عدد۔

اور اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

و انما اكتفى النبي صلى الله عليه و سلم بجلد قاذفها لان القرآن ما نزلت ببرائتها فلم يكذب القرآن و بعد نزول الكتاب المجيد بطهارتها قتل قاذفها ردة۔

یہاں پر یہ بات قارئین کے ذہن نشین رہے کہ دونوں کتب علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ کی ہی ہیں ۔ ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے ایک کتاب علامہ کی ہو اور ایک کسی اور کی جو علامہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہو ۔ لہذا اس وہم کے دفعیہ کے لیے اوّلاً ہم ان کی علامہ کی طرف نسبت کو ثابت کرتے ہیں ۔

معروف مرام الکلام کا انتساب

معروف مرام الکلام علامہ پرہاروی کی ہی کتاب ہے اس پر کچھ شواہد درج ذیل ہیں :

01: سب سے بڑا شاہد اس کی نسبت کا حدِ شہرت کو پہنچنا ہے بلکہ تواتر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ یہاں تک کہ کسی سے اس کا انکار منقول نہیں ۔

02: علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ پر کام کرنے والے تمام محققین نے اس کو علامہ کی کتاب قرار دیا ہے ۔

03: علامہ کا اسلوبِ نگارش اس کی تائید کرتا ہے ۔ علامہ کی کتب کا مطالعہ کرنے والے کا گمان غالب ہو جاتا ہے کہ یہ علامہ کی ہی کتاب ہے ۔

اصل مرام الکلام کا انتساب

یہ مخطوط بھی علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ ہی کا ہے ۔ اس پر چند شواہد ہیں ۔

01: اس کتاب کا اسلوب اور منہج علامہ کے منہج سے موافق ہے ۔

02: علامہ نے شروع میں جو خطبہ کتاب ذکر کیا وہ علامہ کے اسلوب مطابق ہے۔

03: علامہ پرہاروی پر کام کرنے والوں نے اسے علامہ کی کتاب قرار دیا ہے۔

04: اس مخطوط کو پڑھنے سے ایسے بہت سے شواہد ملتے ہیں جو گواہی دیتے ہیں کہ یہ علامہ کی ہی کتاب ہے۔

اب ہم چلتے ہیں اصل موضوع کی طرف کہ دونوں میں سے مرام الکلام کون سی ہے؟ اس کے لیے اولا دونوں مخطوط میں ما بہ الاشتراک اور ما بہ الافتراق امور کا جائزہ لیا جانا چاہیے تا کہ صحیح صورت حال سامنے آسکے۔ پس جب فقیر نے دونوں کا تفصیلی جائزہ لیا تو یہ صورت حال سامنے آئی۔

ما بہ الاشتراک امور

01: دونوں کتابوں کی ابتدا میں حدیث افتراق امت اور اس کی شرح ہے مگر اجمال وتفصیل میں شدید اختلاف ہے۔

02: دونوں میں گمراہ فرقوں کا بیان ہے مگر یہاں بھی اجمال وتفصیل میں شدید اختلاف ہے۔

03: "غنیۃ الطالبین" کی ایک عبارت کا جواب دونوں میں موجود ہے۔ یہاں بھی اختلاف موجود ہے۔

04: فرقہ ناجیہ کا بیان دونوں میں موجود ہے جو کہ اجمال وتفصیل میں مختلف ہے۔

05: اصل میں فضائل خلفا راشدین، فضائل صحابہ، امامت کا بیان، افضلیت کا بیان وغیرہ تفصیلی ہیں بلکہ کتاب کا اکثر حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ یہی امور معروف مرام الکلام میں انتہائی اجمال کے ساتھ ہیں۔

06: اہل باطل سے مناظرے کا حکم دونوں میں ہے اور مجوزین و مانعین کے دلائل بھی ہیں مگر اختلاف یسیر کے ساتھ۔

07: دونوں مخطوط ناقص الآخر ہیں۔

ما بہ الافتراق امور

دونوں مخطوطات میں درج ذیل امور کا فرق ہے:

01: معروف مرام الکلام کے عربی کے صفحات کم وبیش 77 ہیں اور اصل مرام الکلام کے 81 صفحات ہیں۔

02: دونوں کے خطبۃ الکتاب مختلف ہیں۔

03: اصل مرام الکلام میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں قصیدہ مدحیہ ہے جب کہ معروف میں نہیں۔

04: اصل میں مصنف نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کا ذکر کیا اور ان کے رموز بھی مقرر کیے جب کہ معروف میں ایسا کچھ نہیں۔

05: اصل میں وجہ تالیف ذکر کی اور اس میں ایک خواب بیان کیا جب کہ معروف میں ایسا کچھ نہیں۔

06: اصل میں مصنف نے اپنے اسلوب کی طرف اشارہ کیا اور کتاب میں روافض کے تفصیلی رد کا عزم کیا جب کہ معروف میں ایسا کچھ نہیں۔

07: دونوں مخطوطات کے مضامین 80 فی صد مختلف ہیں اور ان کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے؛ سوائے چند ایک مضامین کے جن کا ذکر مابہ الاشتراک امور میں گزرا۔

08: اصل میں کتاب کا مکمل نام صراحت کے ساتھ موجود ہے جب کہ معروف میں اشارۃً ہے۔

09: اصل میں مصنف نے بتایا ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے وقت ان کی عمر کتنی ہے جب کہ معروف میں ایسا کچھ نہیں ہے۔

10: کتاب کی ابواب و فصول میں تقسیم دونوں کی مختلف ہے۔ تلك عشرة كاملة

محققین کی آرا

اب ان امور کو سامنے رکھا جائے تو حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر بطور ظن غالب کے کچھ آرا جو سامنے آئیں فقیر ان کا ذکر کر کے اپنی رائے پیش کرے گا۔

پہلی رائے: علامہ نے اصل مرام الکلام لکھی اور بعد میں اس کا خلاصہ کیا۔ اس پر دلیل معروف مرام الکلام کے مقدمے کا لفظ "لخصت مرام الكلام" دال ہے۔ بعض مباحث کا مشترک ہونا بھی اسی طرف مشیر ہے۔ یہ رائے زم زم پبلشر سے مطبوع ہونے والی معروف مرام الکلام کے محقق سلمان حسن نے قائم کی ہے مگر انہوں نے اسے حتمی رائے نہیں کہا۔

دوسری رائے: ممکن ہے کہ علامہ نے اصل مرام الکلام ہی لکھی ہو جو مکمل نہ مل سکی اور بعد میں کسی اور عالم نے اس کا خلاصہ لکھ دیا اور علامہ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ یہ رائے شدید ضعیف ہے کیونکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ معروف مرام الکلام علامہ ہی کی ہے اور اس کا انتساب علامہ کی طرف درست ہے۔

تیسری رائے: علامہ عبد العزیز پرہاروی نے اصل "مرام الكلام فی عقائد الاسلام" لکھی اور اس کا یہی نام رکھا پھر "مرام الکلام" کے نام سے علیحدہ کتاب لکھی، یوں علامہ کی ملتے جلتے نام سے دو کتابیں ہوگئیں۔ مگر یہ رائے کچھ وجہ وجیہ نہیں رکھتی۔ کیا علامہ کے پاس کوئی اور نام نہ تھا کہ وہ پہلی کتاب کے نام سے استفادہ کر کے دوسری کتاب کا یہی نام رکھیں؟ نیز کتاب کے مضامین میں اشتراک بھی اس کی نفی کرتا ہے۔

چوتھی رائے: یہ رائے فقیر کی ہے جو میں نے دونوں کتابوں کے مضامین اور خارجی عوامل کی بنا پر قائم کی ہے۔ فقیر کی رائے میں اصل مرام الکلام کے "مرام الكلام فی عقائد الاسلام" ہونے میں تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ علامہ نے وضاحت کے ساتھ اس میں فرما دیا کہ "سميته بمرام الكلام فی عقائد الاسلام"۔ اب رہی بات معروف مرام الکلام کی تو اس پر جزم کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا بلکہ ظن غالب بھی مشکل ہوتا ہے۔ سوائے تردد اور تشقیق کے کچھ سجھ نہیں آتا۔ علی سبیل الظن عرض ہے کہ یہ اسی اصل مرام الکلام کا ہی حصہ ہے جو اصل سے نامعلوم وجوہات کی بنا پر الگ کر دیا گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال؛ کاتبین کے لیے کیا محرک و باعث بنا کہ انہوں نے ایک کتاب کے بعض مضامین کو جدا کر دیا؟ اس پر کلام ہم آگے چل کر کریں گے، فی الحال اپنے اس موقف (یعنی معروف مرام الکلام، اصل مرام الکلام کا حصہ ہے) پر کچھ شواہد پیش کرتے ہیں

تاکہ محققین کے لیے تحقیق کی مزید راہ کھل سکے۔

پہلا شاہد: اوپر مذکورہ ما بہ الاشتراک امور اس پر سب سے قوی شاہد ہیں کہ معروف مرام الکلام اسی اصل کا حصہ ہے۔

دوسرا شاہد: دونوں مخطوطوں کا نام ایک جیسا ہونا بھی اس پر دال ہے کہ دونوں ایک ہی کتاب ہیں۔

تیسرا شاہد: یہ قوی شاہد ہے اور وہ یہ ہے کہ علامہ پرہاروی نے اپنی زندگی کی آخری کتاب النبراس میں رویت باری تعالی کی بحث میں فرمایا: "قد فصلنا هذا في مرام الكلام فراجع والله اعلم"۔[1] اور یہ بحث اصل مرام الکلام میں نہیں ہے بلکہ معروف مرام الکلام میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معروف مرام الکلام بھی اصل مرام الکلام کا حصہ ہے۔

چوتھا شاہد: علامہ پرہاروی نے اصل مرام الکلام کی آخری بحث؛ جس میں روافض کے بہت سے اعتراضات وشبہات کے جوابات ذکر فرمائے ان میں سے ایک شبہ یہ بھی ذکر کیا کہ "روافض کہتے ہیں کہ فرقہ ناجیہ وہی ہیں اور حدیث پاک میں جو فرمایا: كلهم في النار الا واحدة تو اس میں الا واحدة سے وہی مراد ہیں"۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: "الجواب انه قد سبق الدليل على ان الفرقة الناجية هي الاشاعرة"۔ اس میں علامہ کا یہ فرمانا کہ اشاعرہ کے فرقہ ناجیہ ہونے پر دلیل گزر چکی تو اصل مرام الکلام میں اس پر دلیل نہیں بلکہ وہ دلیل معروف مرام الکلام میں ہے۔ تو پتا چلا کہ یہ معروف مرام الکلام اسی اصل کا حصہ ہے۔

پانچواں شاہد: معروف مرام الکلام کے خطبہ کتاب میں علامہ پرہاروی نے لکھا: "ولخصت مرام الكلام" تو یہ عبارت اشارہ کرتی ہے کہ یہ اصل مرام الکلام کا ہی ایک حصہ ہے۔

بہر حال مذکورہ شواہد کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ معروف مرام الکلام بھی اصل مرام الکلام کا ہی حصہ ہے مگر اس پر جزم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے خلاف بھی قوی شواہد ہیں جو ان دونوں کے الگ الگ کتاب ہونے پر دال ہیں۔ البتہ اگر یہی احتمال صحیح ہو کہ معروف مرام الکلام اسی اصل کا حصہ ہو تو اس بات میں شک نہیں کہ ان دونوں مخطوطوں میں شدید ترین تحریفِ لفظی ومعنوی کی گئی ہے۔

تحریف کے اسباب ومحرکات

رہا اس کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟ حقیقتِ حال تو اللہ عزوجل ہی جانتا ہے، ہم جزمی طور پر کسی فردِ معین کی تعیین تو نہیں کر سکتے مگر قرائن کی روشنی میں مخصوص سوچ یا نظریہ کے حامل افراد کی کارستانی قرار دی جا سکتی ہے؛ چونکہ علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ کی اکثر کتب وہابی سوچ کے حامل افراد کے قبضہ میں چلی گئیں اور ان کی طرف سے تحریف کرنے کے شواہد اسی کتاب میں علامہ کے تعارف کے تحت بھی فقیر نے پیش کیے ہیں؛ تو ممکن ہے کہ جب اصل مرام الکلام کے خطبہ کتاب میں علامہ پرہاروی نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ عالی میں اپنا فصیح وبلیغ قصیدہ جو استغاثہ واستعانت پر مشتمل تھا، ذکر کیا تو اس وہابیت کش

[1] النبراس، بحث رویۃ اللہ تعالی، ص 276، مکتبۃ البشری

قصیدہ اس میں تحریف کا محرک بنا اور شروع سے کتاب کے ایک حصے کو اڑا دیا گیا، اور معروف مرام الکلام میں اس اصل مرام الکلام کی ابحاث کا خلاصہ ڈال دیا گیا جیسا کہ قارئین دونوں کے جب مضامین کو دیکھیں گے تو واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آئے گی۔ باقی ابحاث کو جوں کا توں باقی رکھا گیا۔ یوں اب دو نسخے ہو گئے اور بعد میں آنے والے کاتبین نے جب دیکھا کہ اصل مرام الکلام اور معروف مرام الکلام میں بعض ابحاث مشترک ہیں اور بعض میں فرق ہے تو انہوں نے اصل مرام الکلام سے معروف والی ابحاث نکال دیں اور صرف وہ حصہ برقرار رکھا جو روافض کے رد پر مشتمل تھا۔ یوں اصل مرام الکلام کے 81 صفحات الگ سے معرضِ وجود میں آ گئے۔ بہر حال قارئین اور خصوصاً محققین سے گزارش ہے کہ دونوں کتب کو سامنے رکھ کر اپنی آرا سے نوازیں شاید کوئی اور عمدہ اور بہتر رائے سامنے آ جائے۔ ''لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا'' فقیر کی یہ بحث اور آرا حتمی نہیں ہیں بلکہ آئندہ تحقیق کرنے والوں کے لیے فقیر نے کچھ زادِ راہ تیار کیا ہے۔ نیز جو فقیر سے علمی انداز میں اختلاف کرے اور ہماری راہنمائی کرنا چاہے تو شکریہ کے ساتھ اسے قبول کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ عز وجل!

ابواب وفصول میں اختلاف

یہ مخطوط جس طرح ناقص الآخر ہے تو اسی طرح ناقص الاوسط بھی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کاتب نے مختلف مقامات سے عبارات نقل کر دی ہیں، درمیان میں پوری پوری ابحاث غائب ہیں۔ بہر حال راقم اس کتاب کے ابواب وفصول میں شدید اختلاف اور تحریف کو واضح کرنے کے لیے آپ کے سامنے کچھ تفصیل بیان کرتا ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب کو چار اقسام اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔ اس کی پہلی قسم چند ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلے باب کی پانچ فصلیں ہیں اس کے بعد بغیر نمبر کے ''الفصل فی کیفیة المناظرة الخ'' ہے۔ قیاس یہی ہے کہ یہ اسی باب کی چھٹی فصل ہے۔ پھر دوسرا باب شروع ہوتا ہے جس کے بارے میں فرماتے ہیں: ''باب الثانی من القسم الاول فیما ورد بفضلھم من الکتاب و السنة و فیه فصول'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کلام محذوف ہے کیونکہ بظاہر ''بفضلھم'' ضمیر کا مرجع ماقبل میں مذکور نہیں ہے۔ اب اس باب میں مصنف نے کہا: ''و فیه فصول'' پھر فرمایا: ''الفصل ما ورد فی حق ابی بکر فقط من الآیات'' ممکن ہے یہ دوسرے باب کی پہلی فصل ہو۔ اس کے بعد ''الفصل الثالث'' کا عنوان آتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل پر مشتمل ہے۔ درمیان میں دوسری فصل نہیں۔ پھر ''الفصل التاسع فی فضائل الشیخین علی الاشتراك'' سے نویں فصل شروع ہو جاتی ہے یوں درمیان کی فصول نہیں، اس کے بعد دسویں، گیارہویں پھر تیرہویں فصل ہے بارہویں غائب ہے۔ اس سے زیادہ حیران کن بات یہ کہ اس تیرہویں کے بعد پھر ''الفصل الرابع'' آ جاتی ہے پھر اس کے بعد ''الفصل الخامس عشر'' آتی ہے۔ اس کے بعد چھٹی فصل پھر سترہویں، اٹھارویں اور پھر انیسویں پھر بیسویں فصل ہے۔ یوں قسم اول کا دوسرا باب مکمل ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد غور کریں تو قیاس کے مطابق تیسرا باب آنا چاہیے تھا مگر پھر ''الباب الثانی'' شروع ہو جاتا ہے اور جس میں بقول مصنف کے پانچ فصلیں ہیں مگر آگے چلیں تو چھٹی فصل بھی شامل ہے۔ چھٹی فصل کے بعد مصنف

نے کہا ''الباب الثالث من القسم '' اب یہ معلوم نہیں کہ یہ تیسرا باب کون سی قسم کا ہے؟ قیاس یہی ہے کہ پہلی قسم کا ہی ہو کیونکہ ابھی پہلی قسم ہی چل رہی ہے اس باب میں چار قسمیں ہیں پھر آپ حیرت میں مبتلا ہو جائیں گے اور سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ علامہ پرہاروی کی ان علمی کتب کے ساتھ کتنا کھلواڑ کیا گیا ہے! اب تیسری بار پھر دوسرا باب آرہا ہے۔ فرماتے ہیں: ''الباب الثانی فی ذکر صحابة رسول ، یشتمل علی ثلثة ابواب ، الباب الاول فی فضائل الصحابة و فیه فصل عشر'' اللہ اکبر! اس باب میں تین ابواب ہیں، ان میں سے پہلے باب میں دس فصلیں ہیں حالانکہ اس دوسرا باب کے تین ابواب میں سے صرف پہلا باب ہے اور اس کی دس فصلوں میں سے آٹھ فصلیں موجود ہیں۔ باقی دو فصلیں اور دو باب موجود نہیں ہیں۔ طرفہ یہ کہ ان دس میں سے دوسری فصل نہیں، پہلی کے بعد تیسری ہے پھر ترتیب کے ساتھ نویں فصل تک ہیں پھر دسویں بھی نہیں۔ اب اس کے بعد مصنف نے کہا: ''الفصل الثالث فی رد اباطیل الشیعة الشنیعة'' واللہ اعلم اب یہ تیسری فصل کس باب اور کس قسم کی ہے؟ قرینہ یہی ہے کہ یہ کتاب کی تیسری قسم کی ایک اکلوتی فصل ہے۔ اس فصل میں مصنف نے شیعہ کے تیس شبہات بیان کیے ہیں اور انہی پر مخطوط کا اختتام ہو جاتا ہے۔ آخر میں اختتامی کلمات بھی نہیں ہیں۔ اس مذکورہ جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کتاب کا شاید دو تہائی سے بھی زائد حصہ غائب ہے۔ کتاب چار اقسام اور ایک خاتمہ پر مشتمل تھی۔ اس میں صرف پہلی قسم ہی ملی جس کے ابواب و فصول مکمل نہیں پھر صرف تیسری قسم کی ایک فصل ہم تک پہنچی ہے۔

مخطوطات کی تفصیل

اصل مرام الکلام کے فقیر کو دو نسخے ملے ایک نسخہ تونسہ شریف کے ایک بھائی نور محمد عرف خلیفہ مدنی سے پی ڈی ایف فائل میں ملا جو 18 صفحات پر مشتمل تھا اور دوسرا نسخہ ڈاکٹر مفتی اعجاز بشیر صاحب سے علامہ پرہاروی کی ان تمام کتب کے ساتھ ملا جو انہوں نے سالہا سال کی محنت سے جمع کیے تھے اور پہلی ملاقات میں ہی یہ تمام اٹھا کر فقیر کے حوالے کر دیے تاکہ فقیر ان پر کام کر سکے۔ اللہ عزوجل ان کو اس کی بہترین جزا دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ موصوف کراچی میں ہوتے ہیں اور ایک کالج میں پروفیسر ہیں۔ بہر حال ان میں مرام الکلام کا یہ نسخہ بھی تھا جو اجمیری کتب خانہ ملتان سے مطبوع ہوا تھا۔ ان دونوں نسخوں کے ہر صفحہ پر انیس لائنیں ہیں۔ اور ان دونوں کا خط لاہوری نستعلیق ہے؛ کیونکہ اس میں خم ار جسم رکھنے والے حروف مثلاً ق، ی، ل وغیرہ کا فراغ ہے جو کہ لاہوری نستعلیق کا امتیازی وصف ہوتا ہے برخلاف دہلوی نستعلیق کہ اس میں تمام حروف کو سیدھا سیدھا لکھتے ہیں اور جھکاؤ بالکل نہیں ہوتا۔ دونوں نسخے ایک ڈیڑھ صدی پرانے لگتے ہیں ان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ دوسرے نسخے میں ایک صفحہ اضافی ہے جس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر روافض کی تہمت کے حوالے سے نامکمل بات مکمل ہوگئی۔ نیز ایک دو اور باتیں جو پہلے میں صفحہ غائب ہونے کی وجہ سے نامکمل تھیں وہ بھی مکمل ہوگئیں۔ دونوں مخطوطات کی عبارت انتہائی گنجلک اور پیچیدہ تھی جگہ جگہ سے الفاظ مٹے ہوئے تھے جن کو سمجھنا انتہائی دشوار امر

تھا۔ قارئین اس کا اندازہ کتاب کے آخر میں موجود عکس مخطوط سے لگا سکتے ہیں مگر الحمدُ للہ علی احسانہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت، غوث اعظم کی برکتوں، پیر و مرشد کی عنایت اور علامہ پرہاروی کے فیضان نے مشکل کام کو آسان بنا دیا اور سوائے چند مقامات کے مکمل کتاب کو حل کرنے میں کامیابی ملی۔ یوں یہ کام آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے جس تک کوشش کے باوجود ابھی تک میری رسائی نہ ہو سکی اور اس میں ایک رکاوٹ مسلکی تعصب بھی ہے کیونکہ جس کے پاس یہ مخطوط ہے، وہ سنی نہیں ہے۔ یہ مخطوط صاف اور اس کی عبارت واضح ہے۔ اگر یہ مخطوط مل جاتا تو شاید وہ چند مقامات بھی حل ہو جاتے۔ اس کا پتا کچھ یوں چلا کہ محترم متین کاشمیری صاحب نے علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ کے علم الحروف، علم الرمل وغیرہ سے متعلقہ کچھ رسائل فقیر کو ارسال کیے جن میں اس مخطوط کے صرف پہلے تین صفحات کی فوٹو کاپی بھی تھی اور اس کی عبارت صاف ستھری تھی۔ فقیر کے رابطہ کرنے پر انہوں نے بتایا کہ جب وہ اپنی کتاب "احوال و آثار علامہ پرہاروی" پر کام کر رہے تھے تو یہ تصاویر لاہور کی ایک ذاتی لائبریری میں موجود مخطوط سے لی تھیں۔ یہ بہت پرانی بات ہو گئی۔ اس لائبریری کا مالک عطا اللہ حنیف بھوجیانی ہے اور لائبریری کا نام "سلفیہ لائبریری شیش محل روڈ" ہے۔ فقیر نے وہاں کچھ طلبا کو بھیجا تو اب عطا اللہ بھوجیانی کا پوتا موجود تھا مگر اس نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کیا۔ اس کی روداد اسی طالب علم کی زبانی یہاں درج کرتا ہوں جس سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ علامہ پرہاروی کے علمی کام پر لوگ کس طرح اپنی وراثت سمجھ کر بیٹھے ہیں۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! استاد محترم آج ہم لائبریری گئے تھے، پہلے تو انہوں نے ہمیں اندر جانے دیا، ہم نے اندر جا کر کتابیں بھی دیکھیں۔ وہاں جس کو کتابوں کے حوالے سے سب سے زیادہ معلومات تھی اس بندے نے فہارس وغیرہ سے اور الماریوں سے کافی تلاش کیا لیکن اس کو نہیں ملی پھر ہمیں کہا کہ مخطوطات کی الماری یہ ہے آپ اس میں تلاش کریں۔ ہم نے کافی دیر تک دیکھا لیکن مخطوطہ نہیں ملا۔ واپسی پر پھر ہمیں وہ آدمی ملا جس سے ہم جمعرات کو ملے تھے، اس نے حماد شاکر؛ جو بھوجیانی کا پوتا تھا، سے بات کی کہ ان کو مخطوطہ چاہیے۔ اس نے ہم سے ساری معلومات لی کون منگوا رہا ہے؟ کیا کرنا ہے؟ آپ کو کس نے کہا یہاں مخطوطہ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ پھر وہ ہم سے اکھڑنے لگا کہ جس نے آپ کو بھیجا ہے میری اس سے بات کراؤ، ہمیں وہیں بٹھا دیا، صورت حال اس طرح کی بن گئی کہ مجبوراً آپ کو کال کرنی پڑی۔ آخر میں انہوں نے یہ کہا کہ آپ کو جس نے یہاں کا ایڈریس دیا ہے اور بتایا ہے کہ مخطوطہ ہمارے پاس ہے اور اس نے یہاں سے استفادہ بھی کیا ہے۔ اس سے فون پر بات کروا دیں اگر ہمارے پاس ہوا تو ضرور دیں گے۔ ویسے تو صاف منع کر رہا تھا، بات بھی نہیں سن رہا تھا کہ ہم اس سے کچھ منت سماجت کرتے کہ صرف دکھا دو یا تصاویر لینے دو۔ بہرحال لائبریرین (Librarian) نے کافی دیر محنت سے تلاش بھی کیا اور ہمیں بھی اختیار دیا کہ دیکھ لو اس نے اچھا تعاون کیا لیکن یہ حماد شاکر بندہ صحیح نہیں تھا"۔ بہرحال اگر وہ مخطوط بعد میں کسی محقق کو ملے اور فقیر نے جن مقامات کی علامہ پرہاروی کی ہی ماخذ کتب سے جو تصحیح کی ہے یا اندازے اور سیاق و

سباق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے الفاظ کو شامل کیا ہے، اس کے خلاف ملے تو فقیر کو ضرور آگاہ فرمائیں۔

گزشتہ کام کی نوعیت

یہ کتاب فقیر کی معلومات کے مطابق پہلی بار مطبوع ہو کر منظر عام پر آئی ہے اس سے پہلے اس پر سوائے ایک شخصیت کے کسی نے کام کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس شخصیت کا کچھ تعارف اور کام کی نوعیت عرض کرتا ہوں۔ ان کا نام ڈاکٹر ریاض احمد علیمی ہے جنہوں نے جامعہ علیمیہ اسلامیہ المعروف اسلامک سینٹر نارتھ ناظم آباد کراچی سے درس نظامی مکمل کیا۔ دورہ حدیث کے مقالہ کے لیے، اپنے استاد محترم مفتی محمد عبداللہ نورانی الرفاعی صاحب اور ڈاکٹر حامد علیمی صاحب کے حکم پر، ''مرام الکلام کی تبییض'' کا شرف پایا۔ اس کتاب پر کام کی نوعیت کے حوالے سے جو انہوں نے فقیر کو بتایا انہیں کے الفاظ یہاں درج کرتا ہوں۔ ''اس مخطوط پر کام 2015 میں زمانہ طالب علمی میں اپنے کلاس فیلو علامہ محمد افتخار کے ساتھ کیا تھا۔ اس دوران کوشش رہی کہ تحقیق وتخریج بھی کی جائے۔ مگر مخطوط چونکہ کافی مقامات سے مٹا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کتاب کے دوسرے مخطوط کی ضرورت پیش آئی۔ دوران تبییض معلوم ہوا کہ یہ تو کسی مکتبہ سے شائع بھی ہو چکا ہے تو یہ معلوم ہونے پر جب مخطوط اور کتاب کا تقابل کیا تو دونوں میں واضح فرق نظر آیا۔ فوری طور پر یہ گمان ہوا کہ مکتبہ والوں نے تحریف کی ہوگی۔ مگر جب آگے مزید مضامین پر غور کیا تو رائے بدلی اور ذہن اس طرف مائل ہوا کہ یقیناً علامہ نے اس موضوع پر ایک کتاب اور لکھی ہوگی کیونکہ دونوں کے اسلوب تحریر میں کافی فرق ہے۔ اس نہج پر پہنچنے کے بعد دونوں مخطوط کی ضرورت انتہائی بڑھ گئی۔ تاکہ یہ کام مزید اچھے انداز میں ہو سکے۔ مگر وسائل اور وقت کی قلت کے پیش نظر اسی پر اکتفا کیا گیا۔ بہر حال اپنی بساط کے مطابق اس مخطوط کی کمپوزنگ کی گئی، آیات مبارکہ کے حوالے دیے گئے، جو احادیث مبارکہ مل سکیں۔ ان کی تخریج کی گئی، جہاں الفاظ میں کاتب کی غلطی محسوس ہوئی اس کی نشان دہی کی گئی۔ الغرض بنیادی طور پر مقصد یہ تھا کہ یہ مخطوط کمپوز ہو جائے۔ درس نظامی کا تعلیمی سلسلہ مکمل ہونے کے بعد اس طرف توجہ نہ رہی۔

اس کتاب پر ہمارے کام کی نوعیت

01: اس کتاب کے دونوں نسخوں میں عبارت کا پڑھنا مشکل تھا تو سب سے پہلے دونوں نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے صحت کے قریب ترین کتاب کے اصل متن کو کمپوز کیا گیا۔

02: جو الفاظ سمجھ نہ آئے تو سیاق وسباق کی روشنی میں اور خطبہ کتاب میں علامہ نے اپنی کتاب کے جو ماخذ بیان کیے تو ان اصل کی طرف رجوع کر کے احتیاط کے ساتھ الفاظ کا انتخاب کیا گیا اور اس کی وضاحت بھی حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

03: کچھ مقام ایسے تھے جہاں بات ادھوری تھی یا واقعہ نامکمل تھا تو اس کو معتبر کتاب سے اخذ کرتے ہوئے مکمل کیا گیا اور اس کی نشان دہی بھی کر دی گئی کہ یہ علامہ کی عبارت نہیں۔

04: متن کی کمپوزنگ اور تحقیق کے بعد اس کا سلیس اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

05: اصل متن اور ترجمہ میں آیات قرآنیہ کے حوالے اور احادیث کی مکمل تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔ نیز دوسری کتب عقائد و کلام کے حوالہ جات کی بھی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

06: کتاب میں موجود عربی اشعار کے اوزان کی ماہرین سے رجوع کر کے تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

07: حسب ضرورت چیدہ چیدہ مقامات پر مفید وضاحتی نوٹ بھی لکھے گئے ہیں۔

08: جیسا کہ اوپر کتاب کے ابواب و فصول میں شدید اختلاف تھا تو قارئین کی سہولت کے پیش نظر اردو ترجمہ میں ان کی ترتیب اور نمبرز اپنی طرف سے لگائے گئے ہیں تاکہ ذہنی انتشار سے حفاظت ہو۔ رہے محققین تو ان کے لیے اصل عربی متن کو جوں کا توں رکھا گیا ہے۔

09: ہر پیراگراف پر موضوع کی مناسبت سے عنوانات قائم کیے گئے ہیں اور شروع میں فہرستِ عنوانات قائم کی ہے۔

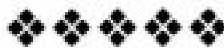
10: کتاب کے شروع میں مولانا حامد دین بزدار کا علامہ پرہاروی کے بارے لکھا گیا عربی قصیدہ بھی شامل کیا ہے۔

11: ترجمہ کے آخر میں مصنف علیہ الرحمہ کے "حالات و افکار" کچھ نئے اضافے کے ساتھ شامل کیے ہیں۔

12: آخر میں ماخذ و مراجع کو شامل کیا گیا ہے۔

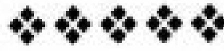
جو بھی اس کتاب کو پڑھے تو وہ فقیر کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس کاوش کو قبولیت عطا فرمائے اور فقیر کے لیے ذریعہ نجات بنائے اور اس کتاب کا نفع عام ہو آمین!

ابو محمد عبد الواحد کبیری مدنی
مدرس: جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ ملتان
یکم رجب المرجب 1446ھ



اظہارِ تشکر

اس کتاب کی کمپوزنگ و پروف ریڈنگ میں خصوصی تعاون جناب مولانا نبیل احمد شاکر مدنی، مولانا فراز سلیم مدنی، مولانا شعیب عطاری نے کیا۔ اسی طرح پروفیسر اعجاز جنجوعہ صاحب نے کچھ اہم اور نازک مقامات کے ترجمے کے حوالے سے راہنمائی فرمائی نیز عربی حواشی کی تعریب کے لیے مولانا توقیر رضا ماتریدی صاحب اور مولانا عکاش مدنی صاحب نے خصوصی تعاون فرمایا۔ یوں ہی جناب محترم حامد دین بزدار صاحب نے اس کتاب میں موجود اشعار کے ترجمہ میں خصوصی معاونت فرمائی۔ فقیر ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہے اور اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا گو ہے کہ ان کو اس تعاون کی بہترین جزا دے۔



انتساب

فقیر اپنی اس کاوش کو ان تمام حضرات سے منسوب کرتا ہے جنہوں نے رفض و خروج کی ظلمتوں میں نورِ سنیت کے چراغ کو جلا رکھا ہے اور ہر میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کیا خصوصا پاک و ہند میں آج کے پر فتن دور میں اس سیلاب کے آگے سیسہ پلائی دیوار بنے ہوئے ہیں۔



علامہ عبدالعزیز پرہاروی کی مدح میں منظوم کلام

(شاعر: علامہ حامد دین بزدار چشتی)

لا ذکرن مرا ذا صحائف مِعْطِرَه   کما انّها وضوحۃ ویسیرہ

(ترجمہ:) میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو"معطر تصانیف" والا ہے اسی طرح وہ تالیفات بڑی واضح اور آسان ترین ہیں۔

أرغّبکم فی وصف عبد العزیز   لقد کان ذا مؤلفاتٍ کثیرہ

(ترجمہ:) میں جناب علامہ عبدالعزیز پرہاروی کی تعریف وتوصیف کی طرف تمہیں رغبت دلانا چاہتا ہوں، آپ بہت زیادہ تصانیف والی شخصیت تھے۔

صحائفہ علی مِاتٍ لقد زادتْ   قد انغمستْ بموضوعاتٍ عطیرہ

(ترجمہ:) آپ کی تصانیف کا دائرہ سینکڑوں سے متجاوز ہو گیا، یہ ساری کتب معطر موضوعات میں ڈبوئے ہوئے ہیں۔

الا کلما درستها علی بصیرہ   الیک لعادت البصارۃ بالقریرہ

(ترجمہ:) خبردار!! جس وقت بھی آپ ان کا ول کی آنکھ سے مطالعہ کریں تو آپ کی نظر پس مطالعہ ضرور بالضرور ٹھنڈی ہو کر لوٹے گی۔

حصلتَ ولو علی دِراسۃ کتابہ   لانت کانما احتلبت النهیرہ

(ترجمہ:) اگر بغرض مطالعہ آپ کو ایک کتاب بھی ہاتھ لگ گئی تو (گویا) آپ نے بکثرت دودھ دینے والی ناقہ کا دودھ دوہ لیا ہے۔

بقرأتها فلو سَرّت کثیرۃ   لِمنها اطّلعت هکذا علی سریرہ

(ترجمہ:) ان کتب کے مطالعہ سے جہاں آپ کو دلی مسرت پہنچے گی وہاں آپ کو ان کے مطالعہ سے رازہائے سربستہ سے بھی آگہی وشناسائی ہوگی۔

فغابت مصنفاته من دنیانا   فمنها کبیرۃ ومنها صغیرہ

(ترجمہ:) آپ کی بیشتر کتابیں دنیا سے عنقا ہو گئیں جو باقی بچ گئیں کچھ کتابیں بڑی ہیں کچھ چھوٹی ہیں۔

لَمَالَ اِلَیْہِ النَّاسُ مَیْلًا شَدِیْدًا قَدِ اشْتَھَرَ مِنْ اُسْرَۃٍ غَیْرِ شَھِیْرَہ

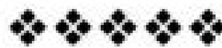
(ترجمہ:) بڑی محبت سے لوگ آپ کی طرف مائل ہو کر آپ کے گرویدہ ہو گئے، ایک غیر معروف خاندان میں سے آپ بڑی ''ہر دلعزیز شہرت'' کے مالک بن گئے۔

قَبِیْلَتُہٗ لَوْ غَیْرُ مَعْرُوْفَۃٍ لَنَا لَاَمست لِکَوْنِہٖ اَشْھَرَ الْعَشِیْرَہ

(ترجمہ:) آپ کا قبیلہ اگرچہ ہماری دانست میں ایک غیر معروف قبیلہ تھا مگر آپ ہی کی بدولت ''مشہور خانوادہ'' والا قبیلہ بن گیا۔

لَفِی ''کُوتِ اَدُوْ'' قَدْ یُزَارُ ضَرِیْحُہٗ فَذُوْ نَظْرَۃٍ یَزُوْرُہٗ بِالْبَصِیْرَہ

(ترجمہ:) کوٹ ادو میں آپ کے مزار کی زیارت کی جاتی ہے، صاحب نظر ہی بصیرت کے ساتھ آپ کے مزار کی زیارت کیا کرتے ہیں۔[1]



---

[1] یہ قصیدہ علامہ حامد دین بزدار صاحب کے دیوان بنام ''دیوان النظام فی ذکر الاخیار'' ص 269 سے لیا گیا ہے اور اس کا ترجمہ بھی خود موصوف نے کیا ہے جس کا نام طیب الازھار فی ذکر الاخیار ہے۔ یہ دیوان پاکستان کے اولیا، مشائخ اور علما کی تعریف میں مرتب کیا گیا ہے جو ہنوز طباعت کا منتظر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم اس ذات کی تعریف کرتے ہیں جس نے ہمیں سیدھی شریعت اور اس کے طریقوں کی راہنمائی فرمائی۔اور اس ذات کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے بدعتِ سیئہ اور اس کے گمراہ کن راستوں سے ہمیں دور کر دیا۔اس ذات کی نعمتیں عظیم ہیں جنہیں کبھی شمار نہیں کیا جا سکتا اور اس کی نعمتیں عام ہیں کوئی عدد جن کو پا نہیں سکتا،اس کے فضل کے سمندر کثیر ہیں؛ اس کے لطفِ عام کے سبب اس سمندر کے میزابوں اور نالیوں سے ہم سیراب ہوتے ہیں۔ اس کے انوار جلال ظاہر ہوئے تو ان انوار کی بجلیاں اس کے قہرِ عظیم کے ساتھ جلاتی ہیں۔مومن اس کے فضل و رحمت کا امیدوار ہے اور وہ اپنے عدل اور غلبہ سے جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔وہ علیم ہے، کہ غیوب و مخفی باتوں کو جاننے والا ہے۔حلیم ہے، جو گناہوں اور غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے۔اس کے وجود کی ابتداء نہیں اور اس کے جود و کرم کی انتہاء نہیں۔اس کی عجیب و غریب تخلیقات کی گوناگوں شکلیں اور اس کی حیران کُن کاریگریوں کی نظیریں ہیں۔جس نے اس کی صفات کا وصف بیان کرنا چاہا وہ حیران ہو گیا اور جس نے ذات باری کی حقیقت جاننے کی کوشش کی وہ بہک گیا،اس کی ماہیت کی طلب میں عقلاء نے عقلوں کی سواری کے جگروں کو پگھلا دیا؛سو وہ اس تک پہنچے بغیر ہی گمنامی کے گوشوں میں چلے گئے۔

وہ بلند و کمال والی صفات سے موصوف ہے۔نقص و زوال کی نشانیوں جاہل و ناسی ہونے فعل قبیح کرنے یا افتراء باندھنے سے منزہ و پاک ہے۔وہی ہے جس نے ہمارے لیے پاکیزہ دین کو چن لیا؛ورنہ ہم گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے رہتے۔ اپنے فضلِ عام سے ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دی اور ہمارے لیے روشن ملت اور رضا والے کام کو چن لیا۔ ہماری طرف چراغ، بلند نور، اپنے حبیب محمد مصطفی ﷺ کو رسول، نبی، گناہ گاروں کا سفارشی، شفیق، مہربان، انتہائی واضح اور موکد شدہ نشانیوں سے تائید یافتہ بنا کر بھیجا؛ جن کی بلند ترین اور عظیم صفات سے تعریف کی گئی، وہ ہدایت و کمال کے انوار کی رفعت سے بلند ہو گئے اور ان کے اثر و رسوخ سے گمراہی و بے راہ روی کے آثار مٹ گئے گویا کہ وہ ایسے تارے تھے جو ان کے نور کی عظیم چمک سے غائب ہو گئے یا ایسے برف کے ٹکڑے تھے جو ان کے ظہور کے سورج کی رفعت سے پگھل گئے۔

یہ وہی ہیں جنہوں نے بغیر کسی شک یا کجی کے حق کو ثابت کیا اور اپنے معجزات و دلائل سے تمام مخلوقات میں فائق ہو گئے اور اپنے نور کی چمک سے بستیوں اور شہروں کو منور کر دیا اور ان کے نور نے ہدایت و راہنمائی کو بڑھا دیا۔ان کا دین دنوں اور مہینوں کے گزرنے سے پرانا نہیں ہوتا اور نئے زمانوں کے ظہور سے فنا نہیں ہوتا۔ان پر ہمیشہ ہمیشہ، تا قیامِ قیامت راتوں کے جانے اور دنوں کے آنے کے ساتھ پاکیزہ ترین تحیت و سلامتی جاری رہے، ان پر پوشیدگی سے بری، انتہا و اختتام سے پاک درود اور اللہ کی اتنی رحمت ہو جس کی تعداد کا شمار اللہ علام کا علم ہی کر سکتا ہے اور ان کی عظیم، بلند درجہ والی آل عظام پر درود ہو جو تمام مخلوق سے برگزیدہ اور تعظیم و اکرام کے لائق ہے اور ان کے عظمت والے صحابہ پر درود ہو، جنہوں نے اسلام کی

تائید کی حتی کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اسلام بلند و بالا شعائر والا اور عوام وخواص میں مقبول ہوگیا۔اللہ عزوجل ان تمام سے راضی ہو اور ان کی برکت سے ہمیں صالحین میں سے بنادے۔آمین یا رب العالمین!

وجہ تالیف اور موضوع کتاب

حمد وصلوۃ کے بعد! بے شک مجھے سب سے افضل الہام اور مجھ پر سب سے بڑا انعام وہ علم ہے جس سے دنیا میں اعمال کی اصلاح اور آخرت میں وبال سے کامیابی کی امید ہے۔اسی علم سے دنیا وآخرت کی سعادتوں کو پانے میں کامیابی ہے اور وہی تمام قابل فخر اوصاف کا سردار ہے۔علومِ منقولہ کی تحصیل میں اسی کو مضبوطی سے تھاما جاتا ہے اور مروجہ علومِ معقولہ کی تکمیل میں اسی کے حصول کی خوب کوشش کی جاتی ہے؛حتی کہ میں اوراقِ زیست میں سوائے کتاب کے کچھ نہ پاتا تھا اور میری نگاہ بس اسی پر پڑتی کہ اسے حاصل کرلوں۔تو میں نے کلامِ فصیح معجز(قرآن) کو یاد کرکے،شرح مواقف اور تلویح کو حاصل کیا۔میں نے کتب تاریخ،عملیات،دیوان واشعار میں گہرا غور وخوض کیا؛جب مَیں فکر کے سمندر سے ان علوم کے موتی نکالنے پر قادر ہوگیا تو میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ میں ابواب وفصول میں مرتب ایک کتاب لکھوں کہ میں اس میں وہ وارد کردوں جو میرے قاصر دل پر آشکار ہو اور اس میں وہ شامل کردوں جو میرے قاصر ذہن پر ظاہر ہو؛کیونکہ میں ایک دن فاضل جامی قدس سرہ العزیز السامی کی کتاب ''نفحات الانس''میں حضرت امامِ ہمام بلند پایہ عالم حجت الاسلام والدین امام غزالی (اللہ عزوجل انہیں جنت میں سکونت عطا کرے) کے ذکر پر مطلع ہوا تو وہاں میں نے دیکھا کہ انہوں نے کہا:میں نے خواب میں اشرف الخلق علیہ افضل التحیۃ و السلام کی زیارت کی اور آپ کے اردگرد آپ کی امت کے علما تھے (اللہ عزوجل اسلام میں انہیں بقا نصیب کرے) ان کے ہاتھوں میں مجلد کتب تھیں جن میں ان کے عقائد تحریر تھے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے عقائد کی تصحیح کروائیں؛ اچانک ایک رافضی آیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ ایسے اوراق تھے جو ان کے گھڑے ہوئے عقائد سے پُر تھے تو وہاں موجود بزرگوں نے اس سے وہ اوراق لیے اور اس کی برائی بیان کرتے ہوئے انہیں پھینک کر جلادیا۔پس میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تاکہ میرے پاس جو دینی عقائد ہیں ان کی تصحیح اور یقینی مقاصد کی تحقیق کرواسکوں،میرے ہاتھ میں علم عقائد پر لکھی گئی ایک کتاب تھی نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی اے خیر الخلائق! یہ کتاب ہے جس کو غزالی نے لکھا ہے۔فرمایا:کون غزالی؟ میں نے عرض کی وہ بلند مرتبے والے امام ہیں۔فرمایا:اسے پڑھو تو میں آپ کے سامنے کھڑے ہوکر پڑھنا اور اس کو املا کروانا شروع کردیا۔جب میں نبی کریم ﷺ کی مدح پر پہنچا تو آپ نے خوب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے خیر کی دعادی اور اس تصنیف کو بہترین قرار دیا۔آپ کے چہرہ مبارکہ پر خوشی خوب ظاہر ہوئی۔[1] انتہی[2]۔

---

[1] نفحات الانس،مترجم،ص402

[2] علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے یہ واقعہ اپنی یادداشت کی بنا پر روایت بالمعنی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اصل نفحات الانس میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے جس میں کافی مفید معلومات ہیں۔یہ خواب کس نے دیکھا؟ اس حوالے سے علامہ عبدالعزیز کی اس عبارت میں اضطراب ہے کہ کبھی ایسا لگتا ہے کہ یہ خواب امام غزالی نے خود دیکھا اور کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور نے دیکھا جبکہ نفحات میں صراحت ہے کہ یہ خواب امام غزالی کے علاوہ کسی اور عالم نے دیکھا تھا۔

تو میں نے سید الانس والجان رسول اللہ ﷺ کی رضا چاہتے ہوئے، اس وقت ایمان کے عقائد میں ایک کتاب لکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا بلہذا میں نے علما کی مصنفات سے اس کو تالیف کیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے فضلا کی مولفات سے اسے جمع کیا۔اس کا نام ''مرام الکلام فی عقائد الاسلام'' رکھا۔میں نے جن کتب سے استفادہ کیا ان کے ناموں کو، کلام کو مختصر کرنے کے لیے حذف کر دیا پس علامہ کرمانی کا ''کر'' نور الحق کا ''نو'' زرکشی شرح بخاری کا ''کشی'' قسطلانی کی شرح کا ''قسط'' امام سیوطی کی شرح کا ''طی'' عبدالحق کی شرح مشکوۃ کا ''حق'' تفسیر کشاف کا ''کش'' تفسیر بیضاوی کا ''ب'' تفسیر مدارک کا ''م'' ''تفسیر معالم کا ''مع'' تفسیر جلالین کا'' جل'' تفسیر قران القرآن کا ''قر'' توضیح کا ''تض'' تلویح کا ''تل'' شرح مواقف کا ''شمو'' طوالع کا ''طو'' اہل سنت کی شرح التجرید کا ''شج'' شیخ عبدالحق دہلوی کی تکمیل الایمان کا '' تک'' نور الدین فاروقی کی شرح عقائد نسفیہ اور عضدیہ کا'' شر'' بحر المذاہب کا ''بح'' تہذیب الکلام کا ''تہ'' صواعق المحرقۃ کا ''صو'' الرکفۃ فی ظھر الرفضۃ کا ''ضو'' رسائل دوانی فی اثبات الواجب وصفاتہ کا ''نی'' دوانی کی شرح عقائد کا'' ح'' بستان الفقیہ کا ''بس'' تمہید ابو شکور سالمی کا ''تم'' رسالہ احمد جند کا '' سا'' سیدنا ومولانا شیخ محی الدین جیلانی قدس سرہ العزیز کی غنیۃ الطالبین کا ''غن'' علی القاری عفی عنہ کی تذکرۃ الموضوعات اور ان کے دوسرے رسائل کا ''عل'' شیخ کمال الدین کی العروۃ الوثقیٰ کا ''عر'' رد روافض میں فاضل سندھی کے رسائل کا ''فا'' مطالب الفقہاء کا ''مطا'' شرح قصیدہ آمالیہ کا'' قا'' ابوالمنتھیٰ قدس سرہ کی شرح فقہ اکبر کا ''بل'' اور صاحب قران القرآن (سیدنا ومولانا افضل المتاخرین کلیم اللہ جہان آبادی قدس سرہ ہیں)، سواء السبیل اور العشرۃ الکاملۃ کا'' کل'' اور تھذیب العقائد کے حواشی کا'' ذب'' رمز مقرر کیا۔

میں نے شیعہ کے رد میں دو وجہوں سے طویل کلام کیا، اس کی ایک وجہ تو وہی جو ابھی گزری (مذکورہ خواب) اور دوسری وجہ یہ کہ لوگوں میں ان کا مذہب پھیل رہا ہے جس سے لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام کے بارے میں خناس کے وسوسے ظاہر ہو گئے۔

میں نے اس میں بے حد کوشش کی کہ اعتقادی مسائل کی تحقیق میں کوئی کمی نہ رہے۔ میرا قطعا تصنیف میں شہرت پانے اور لوگوں سے صاحب تصانیف کہلانے کا ارادہ نہیں ؛ بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی رضا پانے کا ارادہ کیا اور اس اکرم، اعلیٰ اور اعظم رب کی بارگاہ میں انہیں وسیلہ بنایا ہے۔ میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ یوم جزا رحمٰن کی بارگاہ میں میری سفارش کریں اور مصائب دنیا وحوادث زمانہ میں میری مدد کریں۔ کیونکہ وہی میرے ملجا و ماویٰ اور عاصیوں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر صلوۃ وسلام ہوں۔

مصنف کا نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پر مشتمل قصیدہ

نبینا کسراج لاح فی الظلم　　　وشام فانتقلت طرا الی العدم

ہمارے نبی اس چراغ کی طرح ہیں جو اندھیروں میں روشن اور ان سے نبرد آزما ہے تو سارے اندھیرے مٹ گئے۔

تبارک اللہ قد فاقت سناہ | الی ان اطفی کل نار بالفھم
تبارک اللہ! آپ کی ضوفشانی غالب آئی | حتی کہ فہم وفکر کی ہر آگ بجھ گئی

وامرہ باھل النھی اجمعھم | کامر لیث بہ جوم مع الغنم
ان کا تمام اہل دانش کے ساتھ وہی معاملہ ہے | جو بھوکے شیر کا بکریوں کے ساتھ ہوتا ہے

قد اصطفاہ الباری من بریۃ | بالقرب و الفضل و الادراک بالحکم
باری عزوجل نے انہیں تمام مخلوق سے | اپنے قرب، فضل اور حکمت کے ادراک کے لیے چن لیا

قد عزّ شان رسول اللہ ذی شرف | عن وصف کل لبیب حاذق فھم
شرف والے رسول اللہ ﷺ کی شان | ہر ذہین و ماہر اور فہم والے کے وصف سے بلند ہے

اتیتہ برجاء لا انتھاء لہ | قد اعتصمت بحبل غیر منفصم
میں ان کی بارگاہ میں بے حد امید لایا | میں نے ایسی رسی کو تھام لیا جو ٹوٹنے والی نہیں

فھل ترون حزینا یستغیث بہ | من سوا غم ولا ینجو من النقم
کیا تم پاتے ہو ایسے غمزدہ کو جس نے ان سے استغاثہ کیا ہو؟ | اور اس نے اس ناپسندیدہ سے نجات نہ پائی ہو[1]

فیا رسول اللہ الخلق مرحمۃ | انت الطبیب و انی مبتلی السقم
یا رسول اللہ ﷺ مخلوق پر رحمت فرمائیں | آپ طبیب ہیں اور میں بیماریوں میں مبتلیٰ ہوں

حرفت فلکی وبالاوزار قد ثقلت | والبحر ذو عمق و الریح ذو عقم
میری کشتی پھیر دی گئی[2] اور بوجھ سے بھاری پڑ گئی | اور دریا گہرا اور ہوا ناموافق ہے

یکاد یغرقنی موج یھلکنی | فیا لافضل خلق اللہ کلھم
قریب ہے کہ موجیں مجھے غرق کر کے ہلاک کر دیں | پس اے اللہ کی تمام مخلوق میں افضل! المدد

وما وصلت بخیر قط من عمل | فانت مسندی یا شافع الامم
میں عمل سے ہرگز کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکتا | اے شافعِ امم! آپ ہی میرا سہارا ہیں

یرجوک سیدنا عبد العزیز فیا | انظر بعین اللطف و الکرم

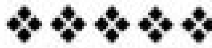
۱۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ آقائے کریم علیہ السلام سے کسی غم کے مارے نے استغاثہ کیا ہو مگر آپ نے اس کی مدد نہ کی ہو۔ اس شعر کا دوسرا مصرعہ فقیر کی فہم ناقص میں نہ آیا اہل علم سے مشاورت کی مگر حل نہ ہوا اس پر علامہ حامد دین بزدار تونسوی صاحب نے دوسرا مصرعہ یوں نظم کیا "بلی قد غاثہ فی الغم والنقم" یعنی جی ہاں آقا کریم علیہ السلام نے ہر غم والم اور ہر سزا سے بچانے کے لیے اس کی (ہر موقع) پر دادرسی کی ہے۔]

۲۔ یعنی بادِ مخالف کی وجہ سے میری ناؤ، سمت مخالف کو پھیر دی گئی۔

اے ہمارے سردار! عبدالعزیز آپ کا امیدوار ہے   پس آپ لطف وکرم کی اس پر نظر ڈال دیں

جب میں نے اس کتاب کو شروع کیا تو میری عمر کے پورے سترہ سال گزر چکے تھے۔ میں اللہ عزوجل سے حفاظت اور اپنی باقی زندگی کے ہر حال میں مدد کا سوالی ہوں۔ اس پر بھروسہ اور اعتماد ہے اور اسی کو تھاما اور اسی پر اعتقاد ہے۔

میں نے اس کو چار اقسام اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا:



پہلی قسم:

پہلی قسم مقدمات کے بارے میں ہے جو کچھ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب

اہل سنت اور اہل بدعت کے مابین فرقوں اور اس سے متعلق ابحاث کے بارے میں ہے اور یہ کچھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل: امت میں فرقہ بندی کی ابتداء کب سے ہوئی؟

نبی کریم ﷺ کی امت کا اہل سنت اور اہل بدعت میں بٹ جانے کے بارے میں شرح مواقف اور مقاصد میں ہے کہ اہل سنت کے سردار اور بدعت کو مٹانے والے سیف الدین آمدی قدس سرہ العزیز نے کہا: کہ نبی کریم ﷺ کے دنیا سے آخرت کی طرف انتقال کے وقت سوائے منافقین کے لوگ ایک عقیدہ وطریقہ پر تھے جبکہ منافقین اتفاق کو دیکھتے ہوئے ہر طرح کی نااتفاقی کی تاک میں تھے؛ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اجتہادی امور میں اختلافات ظاہر ہوئے؛ لیکن ان کا مقصد سوائے شرع کے جھنڈوں کو بلند کرنے کے کچھ نہ تھا۔

اجتہادی امور میں اختلاف کی امثلہ

پہلی مثال: نبی کریم ﷺ کے مرضِ وفات میں اس فرمان کہ "میرے پاس کاغذ لے آؤ تاکہ میں تمہیں کچھ تحریر لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ" کے بارے میں صحابہ کرام کا اختلاف کرنا، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ پر تکلیف غالب ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ہمیں کافی ہے۔ پس آوازیں بلند ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

دوسری مثال: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لشکر روانہ کرنے سے رکے اس میں صحابہ کرام کا اختلاف ہونا؛ اس کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کفار کی طرف حضرت اسامہ کی سرکردی میں لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے فرمایا: "اسامہ کے لشکر کی تیاری کرو جو اس سے پیچھے رہ جائے اس پر اللہ کی لعنت ہو"۔

بعض صحابہ نے کہا کہ اس لشکر کی تیاری واجب ہے اور بعض نے کہا ہاں واجب تو ہے مگر فی الحال توقف کر لیا جائے جب تک نبی کریم ﷺ کے مرض کی کیفیت واضح نہ ہو جائے کہ آپ صحت یاب ہوتے ہیں یا نہیں؟ ان دونوں اختلافات میں رافضی کو شبہات ہیں۔ اگر وھاب عزوجل کی توفیق نے ساتھ دیا تو اس کتاب کی تیسری قسم میں ان پر کلام آئے گا۔

تیسری مثال: نبی کریم ﷺ کی وفات میں صحابہ کرام کا اختلاف کرنا؛ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ جس نے

کہا نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے تو میں اسے اپنی تلوار سے قتل کر دوں گا؛ مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی اسی طرح آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا تھا۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا تو وہ اپنے قول سے باز آ گئے۔

چوتھی مثال: صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کے دفن میں اختلاف کرنا؛ کہ پس بعض نے کہا آپ کو آپ کی مسجد میں رکھا جائے اور بعض نے کہا بقیع میں دفن کیا جائے جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آپ کو ان کے گھر ہی میں دفنایا جائے گا اور نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث اس بارے میں روایت کی۔

پانچویں مثال: صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کی وراثت میں اختلاف کرنا؛ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے میراث طلب کی جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا اور نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ "ہم گروہ انبیا کا کوئی وارث نہیں بنتا اور جو ہم چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے"۔

چھٹی مثال: صحابہ کا امامت میں اختلاف کرنا؛ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ارادہ کیا اور انصار نے سعد بن عبادہ سے بیعت کا ارادہ کیا جب کہ مہاجرین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر اتفاق کیا۔ پس بات بڑھ گئی حتی کہ تمام کی رائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق ہو گئی۔

ساتویں مثال: مانعینِ زکوۃ سے جنگ میں صحابہ کا اختلاف کرنا؛ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفاتِ ظاہری ہوئی تو عرب کے کچھ قبیلوں نے حکمِ اسلام ماننے سے انکار کرتے ہوئے زکوۃ روک لی؛ سو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے عرض کی اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ٹھہریں، صبر سے کام لیں، آپ ان سے کیسے جنگ کریں گے؟ حالانکہ اللہ عزوجل کے حبیب ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے جنگ کروں حتی کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، جب وہ کہہ دیں گے تو وہ مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیں گے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا: "مگر کلمہ کے حق کے ساتھ اور اس کا حق نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا ہے"۔[1]

آٹھویں مثال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرت ابوبکر رضی اللہ کے نص کرنے کے بعد ان کا اختلاف کرنا کہ بعض نے کہا آپ ان کو خلیفہ مقرر نہ کریں کیونکہ وہ سخت مزاج اور سختی برتنے والے شخص ہیں جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی پر راضی نہ ہوں گے۔

نویں مثال: ان کا شوریٰ کے معاملے میں اختلاف کرنا حتی کہ ان سب کی آراء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر متفق ہو گئیں۔

دسویں مثال: ان کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (اللہ ہمیں ان دونوں کی محبت سے نفع

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان، ج 01، ص 14

دے) کی خلافت میں اختلاف کرنا ہے۔اسی طرح اختلاف بڑھتا رہا حتی کہ صحابہ کرام کے آخری ایام میں بہت بڑھ گیا اور ایسا اختلاف ظاہر ہوا جو گمراہی تک لے جانے والا اور اسلام کے جھنڈوں کے سرنگوں کرنے والا تھا؛ یعنی کچھ بدعتیوں نے تقدیر میں اختلاف کیا اور تمام اشیا کو حق سبحانہ وتعالی کے سپرد کرنے لگے حتی کہ مسلمان تہتر فرقوں میں بٹ گئے جو سوائے ایک کے ؛سب ہلاک ہونے والے ہیں۔یوں نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق ظاہر ہوا ''میری امت تہتر (73) فرقوں میں بٹ جائے گی ،سوائے ایک کے وہ سب جہنم میں ہوں گے''۔[1]اس ایک کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ''وہ انہیں عقیدوں پر ہوں گے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔[2]

علم عقائد اور اصول فقہ کے تدوین کی وجہ

صحابہ کرام کے زمانے میں واقعات کی قلت ،(ثقات کی طرف) کثرتِ رجوع اور اسلام کے طاقت ور ہونے کی وجہ سے وہ علوم اسلامیہ کی تدوین ، ابواب وفصول اور ان کی تہذیب میں مشغول نہ ہوئے۔ جب اس کی حاجت پیش آئی تب علما نظر ،استدلال ، اجتہاد ، مسائل کے استخراج اور دلائل کے وارد کرنے میں مشغول ہوئے۔

انسان کے دو کمال

جب انسان کا کمال دو قسموں کمال نظری اور کمال عملی میں منحصر ہے۔

کمال نظری: یعنی واجب تعالی کی وحدانیت پر اختصار ،اس کی زوال ونقصان سے تنزیہ، صفات کمالیہ سے اتصاف ، نبوت کی حقیقت اور تمام ارکان اسلام پر اجمالی ایمان لانا۔

کمال عملی: یعنی نماز ، روزہ ، زکوۃ اور حج کو بجالانا ،سنن ونوافل کی رعایت اور دیگر نیک اعمال کرنا۔

تو علما نے پہلے کے لیے ''علم کلام وعقائد'' اور دوسرے کے لیے ''علم اصول فقہ وفروع فقہ'' کو مدون کیا اور مسائل کی تحقیق اور دلائل کی تدقیق کے ساتھ ساتھ مخالفین کے رد میں طویل کلام کیا۔

دوسری فصل: گمراہ فرقوں کی تعداد

جان لیں کہ اہل تصنیف علما کا گمراہ فرقوں کی تعداد، ان کے اصول کی تعیین ،فروع کے ضبط اور ان کے ناموں کے بیان میں اختلاف ہے۔ان میں سے بعض کی گنتی تہتر (73) کو پہنچی اور بعض کی اس عدد سے زائد کہ انہوں نے مزید اور فرقے بیان کیے جیسا کہ صاحب مواقف نے کیا۔

مذکورہ حدیث کے چند جوابات

1) کسی بھی زمانے میں ان فرقوں کی تعداد اس عدد کو پہنچ جائے تو صدقِ حدیث کے لیے یہی کافی ہے۔

---

[1] مسند احمد ،مسند الشامیین ،حدیث معاویہ بن ابی سفیان ،ج28 ،ص134

[2] مستدرک علی الصحیحین ،کتاب العلم ،ج01 ،ص218

2) اگر یہ عدد حدیث کے مذکورہ عدد سے بڑھ جائے تو وہ ان اصل فرقوں کی فروع سے ہوں گے۔
3) کبھی عدد مخصوص مذکور ہوتا ہے مگر مراد اس سے کثرت لی جاتی ہے جس طرح عدد مخصوص ذکر کر کے قلت مراد لی جاتی ہے۔

اگر ہم تمام علما کی آراء کے مطابق تمام کی تفصیل بیان کریں تو کتاب طویل ہو جائے گی لہذا میں نے اس کو اختیار کیا جس کو محقق نورالدین الفاروقی نے "عقائد نسفیہ" پر اپنی شرح میں اور ابن سراج نے "تذکرۃ المذاہب" میں بیان کیا۔

پس ہم کہتے ہیں کہ جو بہتر (72) باطل مذاہب ہیں ان کی اصل یہ چھ (6) ہیں۔ رافضیہ، خارجیہ، جبریہ، قدریہ، جہمیہ اور مرجیہ پھر ان میں سے ہر ایک بارہ (12) فرقوں میں بٹ گیا اور یوں چھ (6) کو بارہ (12) میں ضرب دینے سے بہتر (72) حاصل ہوئے۔

فرقوں کی تقسیم میں چھ مقامات

پہلا مقام رافضیوں کا بیان

علما کے پیشوا اور فضلا کے مقتدیٰ عبدالکریم شہرستانی قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں کہا: "یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ العادل نے جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدائن کو چھوڑا اور خراسان کے شہروں کی طرف چلا گیا تو مجوس کے علما اور حکما اس کے پاس چلے گئے پھر جب یزدجرد بن شہریار قتل ہوا اور انہوں نے جزیہ قبول کیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں رسوا ہوئے تو آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہنے لگے ہم ان کے اسلام میں خلل ڈالنے کی بھرپور کوشش کریں گے؛ لہذا انہوں نے خوب غور و خوض کیا مگر شریعت کے امور میں کوئی کمی نہ پائی تو کہنے لگے ہمارے لیے کوئی راہ نہیں سوائے اس کے کہ ہم کہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنھما پر ظلم کیا؛ تو اس سے تفرقہ پڑ گیا"۔

رافضی اس امت کے مجوس ہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ "قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں"۔[1] اور رافضی تقدیر کے منکر ہیں۔ ان کے بارہ (12) فرقے ہیں۔

1) علویہ: ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی ہیں۔
2) ابدیہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نبوت میں شریک ہیں۔
3) شیعہ: یہ کہتے ہیں جو تمام صحابہ سے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہ کرے وہ کافر ہے۔
4) اسحاقیہ: یہ ختمِ نبوت کا منکر ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ زمین کبھی نبی سے خالی نہیں ہوتی۔
5) زیدیہ: یہ کہتے ہیں کہ اولادِ علی کرم اللہ وجھہ کے علاوہ کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔
6) عباسیہ: یہ کہتے ہیں کہ امامت صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کے لیے جائز ہے۔

---

[1] سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ج 04، ص 222

7) امامیہ: یہ کہتے ہیں زمین کبھی ایسے امام سے خالی نہ ہوگی جو غیبی باتوں کو جاننے والا ہو، امامت صرف ہاشمی کے لیے جائز ہے اور فاجر کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

8) نادسیہ: یہ کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو غیر پر فضیلت دی اس نے کفر کیا۔

9) تناسخیہ: یہ روح بدن سے نکلتی ہی دوسرے میں داخل ہو جانے کے قائل ہیں۔

10) لاغیہ: یہ حضرت معاویہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو باطل قرار دیتے ہیں۔

11) سبائیہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی آسمان میں پوشیدہ ہیں قیامت سے قبل لوٹیں گے، بادلوں کی گرج ان کے گھوڑے کا دوڑنا ہے اور آسمانی بجلی ایسی آگ ہے جو ان کی انگوٹھی سے نکلتی ہے۔ یہ لوگ جب بھی کوئی بادل دیکھتے ہیں تو اسے سلام کرتے ہیں۔

12) متر ابصہ: یہ مسلم بادشاہ پر خروج اور بغاوت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اللہ ان کو مارے۔ یہ تمام فرقے جماعت کو چھوڑنے، مسح علی الخفین کو ناجائز سمجھنے، شیخین، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے، سوائے حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ سے تبرّا کرنے، حضرت فاطمہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینے اور نماز میں الٹے ہاتھ کو سیدھے ہاتھ پر رکھنے میں متفق ہیں۔

دوسرا مقام خارجیوں کا بیان

ان کے بھی بارہ (12) فرقے ہیں:

1) ارقیہ: یہ اچھے خوابوں کا منکر ہے۔ کہتا ہے کہ یہ وحی کا جزء ہیں اور وحی منقطع ہوگئی۔

2) اباحیہ: یہ کہتے ہیں کہ قول، عمل، فعل اور نیت مباح ہیں۔

3) تعلیلیہ: یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور تقدیر سے ہیں۔

4) جازمیہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان فرضِ مجہول ہے اور اس کی فرضیت کا علم نہیں۔

5) خلقیہ: یہ کفار کے ساتھ جہاد کے تارک کو کافر قرار دیتے ہیں۔

6) کوفیہ: یہ اعضاء کو دھونے میں خوب کوشش کرتے ہیں اور بہت زیادہ ملتے ہیں۔

7) کنزیہ: یہ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہیں۔

8) معتزلیہ: یہ کہتے ہیں کہ شر اللہ عزوجل کے فیصلے سے نہیں ہے، فاجر کی نماز جنازہ نہیں، قرآن مخلوق، بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، میت کو دعا اور صدقہ نفع نہیں دیتے اور نہ ہی شفاعت نفع دے گی، معراج فقط بیت المقدس تک ہوئی اور فرشتے مومنین سے افضل ہیں۔ یہ رویتِ باری تعالیٰ، میزان، حساب، صراط، صفاتِ باری تعالیٰ، کراماتِ اولیاء اور علاماتِ قیامت وغیرہ کے منکر ہیں۔ اہل سنت کا اکثر جھگڑا انہیں معتزلہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (ان شاء اللہ!)

معتزلہ کی ابتداء

معتزلہ کی ابتدا کچھ یوں ہوئی کہ واصل بن عطا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی مجلس سے جب جدا ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ''اعتزل عنا'' یعنی ہم سے جدا ہو جا؛ تو ان کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

9) فرقہ میمونہ: یہ کہتے ہیں کہ تقدیر پر ایمان کچھ نہیں۔

10) محکمہ: یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مخلوقات پر کوئی حکم نا ہونے کے (معاذ اللہ) کے قائل ہیں۔

11) اخنطیہ: یہ کہتے ہیں موت کے بعد کسی بندے کو بھلائی اور برائی کا بدلہ نہیں ملے گا۔

12) شمراخیہ: یہ زنا کو مباح گمان کرتے ہیں۔

خوارج کے یہ تمام فرقے مرتکب کبیرہ کی تکفیر، ظالم سلطان پر خروج کے وجوب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر خروج کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں۔

تیسرا مقام جبریہ کا بیان

ان کے بھی بارہ (12) فرقے ہیں:

1) مضطریہ: یہ کہتے ہیں کہ خیر وشر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بندے کا کوئی اختیار نہیں۔

2) افعالیہ: یہ کہتے ہیں کہ انسان کا فعل تو ہے مگر اس پر قدرت نہیں ہے۔

3) منعیہ: یہ انسان کے لیے تعقل اور قدرت تو مانتے ہیں مگر ان دونوں امور میں انسان کے لیے کارگیری نہیں مانتے۔

4) مفروعیہ: یہ کہتے ہیں جو ہونا تھا اس پر قلم خشک ہو چکا لہذا اب کسی سے کچھ نہیں پایا جا سکتا۔

5) نجاریہ: ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل انسان کو اس کے افعال پر عذاب نہ دے گا بلکہ اپنے افعال پر عذاب دے گا۔

6) مطمعنہ: یہ کہتے ہیں کہ خیر وہی ہے جس پر دل پُر سکون اور مطمئن ہو جائے۔

7) کسبیہ: یہ کہتے ہیں خیر وشر سے ثواب میں اضافہ نہیں ہوتا۔

8) سابقیہ: یہ کہتے ہیں کہ خیر وشر ازل میں گزر چکے لہذا نیکی نافع نہیں اور بدی مضر نہیں۔

9) حبیبیہ: ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور محب اپنے محبوب کو عذاب نہیں دے گا۔

10) خوفیہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہمارا حبیب ہے اور حبیب محبوب کو خوف زدہ نہیں کرتا۔

11) فکریہ: یہ کہتے ہیں غور وفکر عبادت ہے جس کا علم بڑھ جاتا ہے اسکا عمل ساقط ہو جاتا ہے۔

12) فرقہ جسمیہ: یہ میراث کے ضروری ہونے کے منکر ہیں۔

جبریہ کے ان بارہ (12) فرقوں میں کسی مسئلہ میں اتفاق نہیں ہے۔

چوتھا مقام قدریہ کا بیان

ان کے بھی بارہ (12) فرقے ہیں:

1) احدیہ: یہ روحانی معراج اور دنیا میں رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ یہ عالم کو قدیم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی۔

2) ثنویہ: یہ کہتے ہیں کہ خیر اللہ عزوجل سے اور شر شیطان کی طرف سے ہے۔

3) کیسانیہ: یہ کہتے ہیں ہمیں علم نہیں کہ ہمارے افعال مخلوق ہیں یا نہیں۔

4) شیطانیہ: یہ کہتے ہیں شیطان مخلوق نہیں یعنی موجود نہیں۔

5) شرکیہ: یہ کہتے ہیں ایمان مخلوق نہیں۔

6) وہمیہ: یہ کہتے ہیں ہمارے افعال وہم ہیں جن پر ثواب وعقاب مرتب نہیں ہوتا۔

7) رویدیہ: یہ دنیا کے فنا ہونے کے منکر ہیں۔

8) ناکسیہ: یہ امامت میں توقف کو جائز قرار دیتے ہیں۔

9) متبریہ: یہ گناہ گار کی توبہ کی قبولیت کے منکر ہیں۔

10) قاسطیہ: یہ زہد کی مذمت کرتے ہیں اور کسب کو واجب کرتے ہیں۔

11) نظامیہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کچھ نہیں ہے۔

12) منزلہ: یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے شر تقدیر ہے یا نہیں۔

قدریہ کے تمام فرقے ان عقائد میں متفق ہیں کہ جائز ہے کوئی شے عند اللہ کفر ہو اور مخلوق کے نزدیک ایمان ہو، جنازہ کو فرض نہیں سمجھتے اور یہ اپنے ایمان میں شک کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں کہ ہم مومن ہیں یا کافر؟ ان کے حق میں یہ حدیث وارد ہوئی کہ "قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اور ان کا ایمان میں کچھ حصہ نہیں"۔[1]

پانچواں مقام جہمیہ کا بیان

یہ بارہ (12) گروہوں میں بٹ گئے:

1) معطلیہ: یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات مخلوق ہیں۔

2) مزابقیہ: یہ کہتے ہیں صفتِ علم، قدرت اور مشیت مخلوق ہیں۔

3) مزاقیہ: یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ مکان میں ہے۔

4) واردیہ: یہ کہتے ہیں کہ جو آگ میں داخل ہو گا وہ کبھی نہیں نکلے گا اور مومن کبھی داخل نہیں ہو گا۔

1۔ السنۃ لابن ابی العاصم، ج01، ص147

5) حرقیہ: یہ کہتے ہیں جہنمی جلے گا حتی کہ اس پر کچھ اثر باقی نہ رہے گا۔
6) مخلوقیہ: یہ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں۔
7) غیریہ: یہ نبی کریم ﷺ کو رسول نہیں مانتے حکیم مانتے ہیں۔
8) فانیہ: یہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائیں گے۔
9) زنادقہ: یہ کہتے ہیں کہ معراج روح کے ساتھ ہوئی اور عالم قدیم ہے جو فنا نہیں ہوگا۔
10) لفظیہ: یہ کہتے ہیں لفظ، ملفوظ اور لافظ ایک ہیں پس قرآن قاری کا لفظ ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام۔
11) قبریہ: یہ عذاب قبر کا منکر ہے۔
12) واقفیہ: یہ قرآن کے مخلوق ہونے یا نہ ہونے میں توقف کرتے ہیں۔

جہمیہ کے تمام فرقے ان عقائد میں متفق ہیں کہ ایمان زبان سے ہے نہ کہ دل سے، عذاب قبر، منکر نکیر، حوض اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے رب سے ہم کلام ہونے کے منکر ہیں۔

چھٹا مقام مرجیہ کا بیان

ان کے بھی بارہ (12) فرقے ہیں:

1) تارکیہ: ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے بعد کوئی فرض نہیں۔
2) انشائیہ: یہ کہتے ہیں جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا تو اب چاہے نیک کام کرے یا برے کام کرے۔
3) رجیہ: یہ کہتے ہیں نیک کو نیکوکار اور بد کو بدکار نہ کہا جائے کیونکہ اس کے خلاف کا احتمال ہے۔
4) شکیہ: یہ ایمان میں شک کرتے ہیں۔
5) منقصیہ: یہ کہتے ہیں ایمان کم یا زیادہ ہوتا ہے۔
6) مستثنیہ: یہ کہتے ہیں ہم مومن ہیں ان شاء اللہ۔
7) استریہ: یہ کہتے ہیں قیاس باطل ہے جو کہ دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔
8) بدعیہ: یہ بغیر اکراہ کے سلطان کی اطاعت لازم ہونے کے قائل ہیں اگرچہ معصیت کا حکم دے۔
9) مستویہ: ان کا عقیدہ ہے کہ واجب، سنت اور مستحب میں کوئی فرق نہیں کیونکہ امر متحد ہے۔
10) مشبہہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صورت ہے اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ پیدا کیا۔
11) ہیمیہ: یہ کہتے ہیں ایمان کی بنیاد علم پر ہے تو جو تمام اوامر ونواہی کو نہ جانے وہ کافر ہے۔
12) عملیہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل بالارکان کا نام ہے۔

مرجیہ کے ان بارہ فرقوں کا کسی مسئلہ میں اتفاق نہیں ہے۔

اہل سنت کے ذکر کو مؤخر کرنے کی وجہ

اعتراض:

اگر آپ کہیں کہ اہل بدعت کے بیان کو اہل سنت کے بیان پر مقدم کیوں کیا؟ حالانکہ اسکا عکس بہتر تھا۔

جواب: میں کہوں گا اس کی کچھ وجوہات ہیں:

1) اطبا جب کسی کا علاج کرتے ہیں تو مریض کو نقصان دہ کھانے پینے والی اشیا سے پرہیز میں خوب مبالغہ کرتے ہیں پھر دوا سے علاج کرتے ہیں تاکہ فاسد مواد بدن میں جمع نہ ہو؛ کہ اس کا زوال مشکل ہو جائے۔تو پہلے بدعتیوں کا بیان کرنا ضروری تھا تاکہ ان سے بچا جائے پھر اہل سنت کا مذہب بیان ہوتا کہ دل کے صحائف پر نقش ہو جائے۔

2) اشیا اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ باطل حق کی ضد ہے لہذا باطل پر اطلاع ضروری ہے تاکہ ان کے بیان سے مقصود واضح ہو جائے۔مثلا کہا جاتا ہے کہ سفیدی سیاہی کی ضد ہے تو جب تک سیاہی واضح نہ ہو تو سفیدی واضح نہیں ہو سکتی۔

3) کلام اللہ کی پیروی میں ایسا کیا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ'' (التغابن:02) (ترجمہ:) ''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو تم میں کوئی کافر اور تم میں کوئی مسلمان''۔ نیز کتب فقہ میں ہے ''ہر کچی کھال جس کی دباغت کر لی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے سوائے خنزیر اور آدمی کی کھال کے''۔[1]

تیسری فصل: اہل سنت کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے رضی اللہ عنہم، تبع تابعین مثلا ابوسعید خدری، ابوسعید بصری، سفیان ثوری، اوزاعی، علقمہ بن الاسود، ابراہیم نخعی، شعبی، مالک، حماد، ابن ابی لیلیٰ، امام ابوحنیفہ نعمان اور انکے متاخرین تابعین و تلامذہ مثلا ابو یوسف قاضی، محمد بن حسن شیبانی، زفر، حسن بن زیاد، داؤد طائی، محمد بن ادریس شافعی، ابو عبداللہ مدنی، خراسان کے فقہاء مثلا ابو مطیع بلخی، ابوسلیمان طبرانی، ابوحفص کبیر بخاری، شقیق، ابراہیم بن ادہم، جو امام جعفر صادق اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، اسلامی شہروں ہرات، ماوراءالنہر، فارس، شیراز، بدخشان وغیرہ کے فقہاء (یہ سب) اہل سنت ہیں کہ انہوں نے با اعتماد افراد سے دین کو لیا اور بغیر انکار اور تعصب کے صحابہ سے نقل کیا اور طلب حق کے لیے مسائل میں اجتہاد کیا اور جس طریقہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہے اسی پر یہ ثابت رہے۔

اہلسنت دو گروہوں میں منقسم ہوئے۔ 1) اشعریہ جو کہ امام رئیس ابوالحسن اشعری کے اصحاب ہیں؛ یہ اہل شام، عرب، عراق، خراسان اور اکثر علاقوں کے لوگ ہیں۔ 2) ماتریدیہ جو ابو منصور ماتریدی کے اصحاب ہیں اور حنفی المذہب ہیں۔ یہ ماوراءالنہر اور بدخشاں وغیرہ کے لوگ ہیں۔

---

[1] الھدایہ، کتاب الطہارات، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ، ج01، ص38

اشاعرہ کون؟

اشعر یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ کہا گیا کہ یہ اپنے دادا ابوموسیٰ اشعری کی طرف منسوب ہیں۔ ماتریدی سمرقند کا ایک دیہات ہے۔ دونوں فریقوں کا کچھ مسائل میں اختلاف ہے۔ اہل سنت کے ان دونوں گروہوں کو "اشاعرہ" کہتے ہیں۔

چوتھی فصل: اہل سنت کے اجمالی عقائد

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس نے ان دس چیزوں کا اعتقاد رکھا وہ اہل سنت سے ہے۔ پہلی شیخین کی فضیلت، دوسری ختنین کی محبت، تیسری قبلتین کا احترام یعنی بیت المقدس اور خانہ کعبہ، چوتھی مسح علی الخفین کے جواز کا عقیدہ رکھنا، پانچویں کسی بھی شخص کے لیے قطعی جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہ لگانا سوائے ان افراد کے جنہیں نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی، چھٹی ہر نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز جاننا، ساتویں یہ عقیدہ رکھنا کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ آٹھویں ہر نیک و بد کی نماز جنازہ کو جائز ماننا، نویں پانچ فرائض: کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کو ادا کرنا اسی طرح واجبات وسنن موکدہ کو ادا کرنا، دسویں حاکمِ وقت کی اطاعت کرنا خواہ وہ عادل ہو یا ظالم، جب کہ اس کا حکم شریعت کے موافق ہو کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔[1]

پانچویں فصل: ایک مشکل سوال کا جواب

جان لیں کہ سید الاولیا، سلطان النقبا، شیخ، بازی اشہب محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب کتاب "غنیۃ الطالبین" میں یہ عبارت واقع ہے کہ "مرجیہ کے بارہ فرقے ہیں اور ان میں ایک حنفیہ ہے" اس کی وضاحت یہ کی "کہ یہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کے اصحاب ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ اللہ، اس کے رسول اور جو وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے اس کا اجمالی اقرار اور معرفت ایمان ہے"۔ انتہیٰ!

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میری امت کے دو گروہ ہیں جن کا ایمان میں کوئی حصہ نہیں؛ مرجیہ اور قدریہ"۔[2] اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ یہ معاملہ کثیر لوگوں پر مشتبہ ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے شیخ کے شیخ سید السادات کی شان میں بے ادبی کی مثلاً ملا علی قاری (اللہ انہیں معاف کرے)۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اولیاء اللہ کی بے ادبی پر کس نے ان کو ابھارا؟ اور بعض نے ہمارے امام رئیس المجتہدین کی شان میں بے ادبی کی؛ لہٰذا ان کے حوالے سے یہاں کچھ بیان ضروری ہے۔ میں نے اس اشکال کے حل میں ایک رسالہ دیکھا تو میں نے اس کا خلاصہ اور اپنا عندیہ پیش کرنے کا ارادہ کیا؛ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے بہت سے جوابات ہیں۔

پہلا جواب: یہاں حنفیہ سے مراد وہ شخص ہے جن کو امام اعظم ابوحنیفہ کے بعض اصحاب میں گمان کیا گیا حالانکہ وہ ان میں

1۔ تذکرۃ المذاہب لابن السراج، نسخہ خطی، ص03

2۔ الابانۃ الکبریٰ لابن بطہ، الکتاب الاول الایمان، باب القول فی المرجئۃ الخ، ج02، ص905

شامل نہیں اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ حضور سیدنا غوث اعظم نے غنیۃ میں صراحت کی ہے کہ انہیں مرجیہ اس بات کے قائل ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں کہ مومن گناہوں کے سبب کبھی آگ میں داخل نہیں ہوسکتا جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ اس کے قائل نہیں بلکہ فقہ اکبر میں اس موقف سے برات کا اعلان کرتے ہوئے صراحت کی کہ ''ہم ایسا ایسا نہیں کہتے جیسا مرجیہ کہتے ہیں''۔ پس اس سے مراد آپ کے کچھ اصحاب ہیں، جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں: ''بنو فلان قتلوا'' فلاں قبیلے نے قتل کیا۔

اعتراض: فرقے اپنے سردار اور اپنے مذہب کے مقتدیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

جواب: تمہاری کیا رائے ہے؟ کہ تمام گمراہ فرقے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کی طرف اور رافضی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اعتراض: اہل لسان کے استعمال کے مطابق لفظ ''صاحب'' کا اطلاق اپنے صاحب کے پاس موجود پر شائع ہے جب کہ منتسب تو منتسب الیہ کے طریقہ سے گمراہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے پاس موجود نہیں ہوتا۔ رہا صاحب تو اس کا اپنے مصاحب کے طریقہ سے گمراہ ہونا بعید ہے۔

جواب: صاحب کا اطلاق منتسب پر بھی شائع ہے۔ معترض کا مذکورہ ابعاد تو صحبت سے بعید ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ انبیا کرام کے کثیر اصحاب جو ان کے ہم مجلس تھے (اللہ کی پناہ) وہ مرتد ہو گئے۔

اعتراض: آپ نے کہا کہ امام اعظم ان میں کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس قول میں نظر ہے کیونکہ یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ مرجیہ کا کسی بھی بات میں اتفاق نہیں ہے۔ لہذا قولِ مذکور میں امام کی مرجیہ کی مخالفت سے اس بات پر استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ مرجیہ نہیں تھے؟ نیز غنیۃ میں ہے ''انہیں مرجیہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا گمان ہے کہ مکلفین میں سے جو بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے وہ کبھی بھی آگ میں داخل نہ ہوگا، ایمان بغیر عمل کے فقط قول کا نام ہے اور لوگوں کی ایمان میں برتری نہیں، فرشتے، انبیا اور عام مومنین برابر ہیں، ایمان ایک ہے نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور اس میں استثنا نہیں ہوسکتا پس جس نے زبان سے اقرار کیا اور عمل نہ کیا وہ بھی مومن ہے'' غنیۃ کا کلام پورا ہوا۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ بھی عدمِ استثنا اور ایمان کی مساوات کے قائل ہیں۔

جواب: امام اعظم ابوحنیفہ اس بات کے ہرگز قائل نہیں کہ ایمان فقط اقرار کا نام ہے بلکہ اقرار مع تصدیق کے قائل ہیں جیسا کہ فقہ اکبر میں مذکور ہے۔ نجات دینے والے کامل ایمان سے مرجیہ کی مراد فقط بغیر عمل کے اقرار ہے اور ایمان کامل میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ فقط ایمان میں استثناء کو منع کرنے سے ان کا مرجیہ ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ اکثر اوقات بدعتی؛ اہل سنت کی موافقت کرتے ہیں۔ کیا آپ نے نہ دیکھا کہ کچھ مرجیہ ایمان میں استثنا کرتے ہیں لہذا اگر مرجیہ کی بعض اقوال میں موافقت ارجاء ہو تو آپ جس کی کھوج لگائیں گے وہ مرجیہ سے ملے گا۔

دوسرا جواب: امام اعظم ابوحنیفہ ہر اس بات کے قائل نہیں جو حنفیہ کی طرف منسوب ہو کیوں کہ مرجیہ کی اپنے قول

"جملۃ" سے مراد یہ ہے کہ جس نے "امنت بمحمد" کہہ دیا وہ کامل مومن ہو گیا، اب برابر ہے کہ اسے محمد کے بارے میں یہ علم ہو کہ یہ وہی محمد ہیں جو عرب میں تھے اور مکہ سے نکل کر مدینہ گئے یا کوئی دوسرے محمد تھے۔ اسی طرح جس نے "امنت بقرآن" کہہ دیا اور اسے علم نہیں کہ یہ وہی ہے جو ہمارے نبی ﷺ پر نازل ہوا ہے یا کوئی اور قرآن ہے۔ اللہ کی پناہ امام اعظم اس کے ہرگز قائل نہیں نیز معرفت اور اقرار تو کافروں اور منافقوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ معرفت فقط علم ہے نہ کہ تصدیق کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (البقرۃ:146) (ترجمہ:) "وہ ان کو ایسے ہی جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں"۔ جب کہ ہمارے امام اعظم نے صراحت کی ہے کہ مومن وہی ہے جو تصدیق اور اقرار کرنے والا ہو نہ کہ معرفت رکھنے اور زبانی اقرار کرنے والا۔

تیسرا جواب: غنیۃ کی عبارت میں لفظ حنفیہ کا اندراج کسی شیطان فطرت کا کام ہے۔ بہتر اس کی جگہ لفظ "غسانیہ" ہے۔ اس کی تائید شرح مواقف کی عبارت سے ہوتی ہے کہ "غسانیہ یہ غسان کوفی کے پیروکار ہیں اور غسان اپنا مذہب ابوحنیفہ سے حکایت کرتا تھا"۔[1] پس یہ لوگوں کی تحریف ہے اور تحریف اللہ عزوجل کی کتب میں واقع ہو چکی تو اولیاء کی کتب میں تحریف تو اس سے آسان ہے۔

چوتھا جواب: غنیۃ الطالبین حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تالیفات سے نہیں ہے بلکہ آپ کے ہم نام معاصر نے اسے تصنیف کیا۔ مگر یہ بات خلاف مشہور ہے۔

پانچواں جواب: سید غوث اعظم قدس سرہ العزیز نے وہی درج کیا جو راویوں نے روایت کیا پس جب آپ نے کچھ لوگوں سے سنا کہ ابوحنیفہ مرجیہ میں سے ہیں تو آپ نے اسے اپنی کتاب میں لکھ دیا۔ یہاں یہ شبہ کرنا "وہ تو اولیاء اور اصحاب کشف سے ہیں تو کیسے خطا کر سکتے ہیں؟" مذکورہ جواب کے منافی نہیں کیونکہ ولی پر تمام اشیاء کا کشف نہیں ہوتا اور الہام اہل حق کے نزدیک اسبابِ علم سے نہیں ہے۔ بقیہ کلام ان شاء اللہ آئے گا۔ مخفی نہ رہے کہ کشف کے بارے میں بحث سے رکنا ہی احتیاط کے قریب ہے کیوں کہ یہ ایسا پیچیدہ راز ہے جسے ہم نہیں جانتے، اسی وجہ سے یہ جواب بھی دیا گیا کہ سید الاولیاء غوث اعظم نے جب غنیۃ کو تصنیف کیا تب وہ کشف کے مرتبہ کو نہ پہنچے تھے۔ اس جواب کو بعض فضلا نے یہ کہتے ہوئے رد کر دیا کہ یہ باطل ہے۔

فصل: بدعتیوں سے مناظرہ کی کیفیت

علما کا اس میں اختلاف ہے؛ کچھ نے کہا مناظرہ جائز نہیں اور اکثر کے نزدیک جب بدعت سے رجوع کی امید ہو؛ جائز بلکہ واجب ہے اور یہی قول مختار ہے۔

---

[1] شرح مواقف، ج08، ص428

مانعین مناظرہ کے دلائل

پہلی دلیل: اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا '' (الزخرف:58) (ترجمہ:) ''انہوں نے تم سے یہ نہ کہی مگر ناحق جھگڑے کو''، ''وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا'' (الکھف:54) (ترجمہ:) ''اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے'' اللہ عزوجل نے انہیں مجادلہ پر ملامت کی۔

دوسری دلیل: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل کو لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند سخت جھگڑالو شخص ہے'' اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا۔[1]

تیسری دلیل: نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ'' کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ جھگڑنے لگے تو وہ گمراہ ہو گئے''۔ اس کو ابوامامہ باہلی نے روایت کیا۔[2]

چوتھی دلیل: نبی کریم ﷺ کی حدیث پاک ہے کہ'' تو جھگڑے کو چھوڑ دے اگرچہ تو حق پر ہو''۔[3]

اور دوسری روایت میں ہے کہ'' تم میں سے کوئی بھی ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک وہ حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا نہ چھوڑ دے''۔[4]

پانچویں دلیل: یہ ہے کہ مناظرہ عموماً دشمنی کی طرف لے جاتا ہے اور مسلمانوں کے مابین دشمنی حرام ہے۔

مانعین کے دلائل کا جواب

ان تمام دلائل کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس مناظرے کے بارے میں ہیں جو اظہار حق کے لیے نہ ہو بلکہ وہ مکابرہ و عناد ہو۔

مجوزین مناظرہ کے دلائل

ہمارے مطلوب پر ہمارے چند دلائل ہیں:

پہلی دلیل: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مناظرہ کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ''،'' کیا آپ نے نہ دیکھا اس کی طرف'' یہ نمرود مطرود مردود کے اللہ کے بارے میں مجادلہ کرنے پر تعجب کا اظہار ہے ''حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ''،'' جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں'' (البقرۃ:258) اللہ عزوجل کا فرمان: ''اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ '' حاجّ سے متعلق ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں، پہلی یہ کہ اس نے جھگڑا کیا کیوں کہ اس میں بادشاہت کی وجہ سے

---

[1] مختصر صحیح مسلم للمنذری، کتاب القضاء والشھادات، ج02، ص280

[2] سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الایمان الخ، باب اجتناب البدع والجدل، ج01، ص19، بلفظ: مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ

[3] بستان العارفین، باب المناظرۃ فی العلم، ص11

[4] بستان العارفین، باب المناظرۃ فی العلم، ص11

تکبر اور سرکشی پیدا ہوگئی تھی یا یہ اہل عرب کے قول: "عادانی فلان لانی احسنت الیہ" کے قبیل سے ہے مطلب یہ کہ جو جواب اسے دینا چاہیے تھا اس نے اس کا الٹ کیا۔ دوسری وجہ یہ کہ جب اللہ نے اسے بادشاہت دی اس وقت اس نے جھگڑا کیا۔ [۱] "اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ" "جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے"۔ "قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ" "تو نمرود مطرود نے کہا میں جلاتا اور مارتا ہوں" یعنی میں قتل معاف بھی کرتا ہوں اور قتل کرتا بھی ہوں۔ اگر تم کہو کہ اس کا یہ جواب محض لغو تھا کیوں کہ اللہ تعالی تو اشیا عدم سے وجود میں لاتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں کہا: "فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" (ترجمہ:) "اللہ سورج کو لاتا ہے پورب (مشرق) سے تو اس کو پچھم (مغرب) سے لے آ" اور اس کے جواب میں بحث کیوں نہ کی؟ میں کہوں گا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جب اس کی جواب میں حماقت ملاحظہ کر لی تو آپ کی رائے یہ بنی کہ اس کے ساتھ اس جواب میں مناظرہ مفید نہیں لہذا آپ اس کو عاجز کرنے والے جواب کی طرف منتقل ہو گئے۔ [۲] "فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ" (البقرۃ:285) "تو ہوش اُڑ گئے کافر کے"۔

دوسری دلیل: اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: "وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" (النحل:125) (ترجمہ:) "اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو" یعنی اسلام کے طریقہ سے اور جو ان کو زیادہ ذہن نشین کرنے والا ہو۔

تیسری دلیل: اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: "فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا" (الکہف:22) (ترجمہ:) "تو ان کے بارے میں بحث نہ کرو مگر اتنی بحث جتنی ظاہر ہو چکی" یعنی اصحاب کہف کے بارے میں واضح دلیل سے مجادلہ کرو۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

چوتھی دلیل: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تقدیر کے ایک مسئلہ میں بحث کی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کے مابین فیصلہ کیا اور کسی پر انکار نہ کیا۔

اعتراض: اگر آپ کہیں کیا نبی کریم ﷺ سے یہ مروی نہیں؟ کہ آپ نے اپنے کچھ صحابہ کو تقدیر میں بحث کرتے سنا تو انہیں اس سے منع کر دیا۔

جواب: میں کہوں گا آپ نے مطلقا بحث ومباحثہ سے منع نہ کیا بلکہ اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے منع کیا؛ کیوں کہ یہ انتہائی پیچیدہ ہے جیسا کہ عن قریب ان شاء اللہ آئے گا۔ کیا آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو نہ جانا کہ صحابہ نے محرم کے حق میں شکار کے گوشت کے بارے میں بحث کی حتی کہ آوازیں بلند ہوگئیں تو نبی کریم ﷺ آرام فرماتے آپ بیدار ہوئے اور ان کو حکم شرعی بیان کر دیا۔ [۳] اگر یہ ممنوع ہوتا تو آپ ضرور انہیں منع کرتے۔

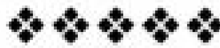
۱۔ تفسیر کشاف، بقرہ، آیت 258، ج01، ص304

۲۔ المرجع السابق، ص306

۳۔ بستان العارفین، باب المناظرۃ فی العلم، ص11

پانچویں دلیل: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم تقدیر کے منکرین سے ملو تو سوال میں ابتدا کرو۔[1]

چھٹی دلیل: ابن زبعری نے رسول اللہ ﷺ کو جو کہا۔ اس کا قصہ کچھ یوں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ '' (الانبیاء:98) (ترجمہ:) ''بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو'' تو زبعری نے رسول ﷺ سے کہا فرشتوں اور مسیح علیہ السلام کی بھی عبادت کی گئی تو کیا آپ کی رائے میں ان کو بھی عذاب دیا جائے گا؟ تو آپ نے جواباً کہا: ''یہ شخص اپنی قوم کی زبان سے کتنا جاہل ہے! کیا تو نہیں جانتا کہ ''ما یعبدون من دون اللہ'' سے مراد غیر عاقل ہیں''۔[2] اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی شخص نے کہا میں اپنی حرکات و سکنات اور اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا مالک ہوں تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ یا اس کے بغیر؟ اول صورت میں تو ملکیت میں اللہ کا شریک ثابت کر رہا ہے اور ثانی میں اس کی بادشاہت و ملکیت کے سوا کسی کا اختیار نہیں۔[3]



---

[1] لم اجد هذه الرواية بلفظها ولكن وجدت في "الكامل في ضعفاء الرجال" هاشم بن البريد الكوفي، ج08، ص420، بمعناها مرفوعا ونصها "لم تهلك الامة قط الا كان بدء هلاكها الكلام في القدر فان لقيتم من اولئك احدا فلا تدعوهم يسئلونكم و كونوا انتم السائلين"۔

[2] لمعات التنقیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثانی، ج01، ص502

[3] روح البیان، سورۃ العنکبوت، ج6، ص478

قسم اول کا دوسرا باب

یہ باب صحابہ کے قرآن وسنت میں وارد فضائل کے بیان پر مشتمل ہے۔اس میں کچھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: قرآن وسنت میں فضائل صحابہ

قرآن وسنت سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل

پہلی فصل فقط ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد ہونے والی آیات اور احادیث کے بارے میں ہے۔

فضائل ابوبکر رضی اللہ عنہ میں آیات قرآنی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد آیات قرآنیہ درج ذیل ہیں:

01: فرمان باری تعالی ہے: ''فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی '' (الیل:5،6،7) (ترجمہ:)'' تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے''۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا جو انہیں تکالیف دیتا اور اسلام سے مرتد ہونے کا کہتا تھا؛ تو یہ آیات ان کی شان میں نازل ہوئی۔[1]

02: اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۙ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۚ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۚ'' (الیل:17،18،19،20) (ترجمہ:)''اور بہت جلد اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار، جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، صرف اپنے رب کی رضا چاہتا جو سب سے بلند ہے''۔اس آیت کا بیان ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔

03: فرمان باری ہے: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ'' (سورۃ الرحمن:46) (ترجمہ:)''اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں''۔امام حاکم نے روایت کیا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

04: ارشادِ باری ہے: ''وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ'' (الزمر:33) (ترجمہ:)''اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں''۔ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے روایت کی کہ یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔[2]

---

[1] تفسیر ابن ابی حاتم، ج10، ص3440، تحت قولہ ''ان سعیکم''

[2] عمدۃ القاری، ج19، ص142

05: اللہ عزوجل نے فرمایا: ''وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا'' (ترجمہ:) ''اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے اس کی ماں نے اُسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے'' کرھا سے مراد مشقت ہے۔ ''حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ'' (ترجمہ:) ''یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ''۔ اوزعنی یہاں وفقنی اور الھمنی کے معنی میں ہے۔ ''اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ'' (ترجمہ:) ''میں تیری نعمت کا شکر کروں'' اسلام کی صورت میں ''وَ عَلٰى وَالِدَيَّ'' اور میرے ماں باپ پر کی'' یعنی زندگی کی نعمت یا دین اسلام کی؛ کیونکہ مہاجرین میں سے سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے، کسی کے والد مسلمان نہ ہوئے۔ یہ بالکل صحیح دلیل ہے کہ یہ انہیں کی شان میں اتری۔ ''وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ'' (ترجمہ:) ''اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح (نیکی) رکھ'' یعنی جو اولاد ثابت ہے۔ ''اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' (الاحقاف:15) (ترجمہ:) ''میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں'' یعنی مجھے مسلمانوں میں ملا دے۔

''اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ'' (الاحقاف 15،16) (ترجمہ:) ''یہ ہیں وہ جن کی نیکیاں ہم قبول فرمائیں گے اور ان کی تقصیروں سے درگزر فرمائیں گے جنت والوں میں سچا وعدہ جو اُنہیں دیا جاتا تھا''۔ ابن عساکر نے روایت کیا کہ یہ مکمل آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اور ہم نے جو ذکر کیا وہ اسی کی تائید کرتا ہے۔

06: فرمانِ باری ہے: ''وَ لَا يَاْتَلِ'' الخ۔ (ترجمہ:) ''اور قسم نہ کھائیں'' اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ کو دیکھا اور آپ رضی اللہ عنہا کی طہارت پر قرآن کے نزول کو دیکھا تو قسم کھائی کہ وہ مسطح رضی اللہ عنہ و تجاوز اللہ عنہ پر خرچ نہ کریں گے کہ آپ ان سے رشتہ داری اور ان کی حالت فقر کی وجہ سے ان پر اپنا مال خرچ کیا کرتے تھے۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ (قسم نہ کھائیں) یہ نہی ہے اور لا یاتل لا یقسم کے معنی میں ہے۔ ''اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ'' جو تم میں فضیلت والے'' یعنی تم میں جو دین میں فضیلت والے ہیں''۔ ''وَ السَّعَةِ'' اور گنجائش والے ہیں'' یعنی مال میں ''اَنْ يُّؤْتُوْۤا'' نہ دیں گے'' یعنی ''اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' (ترجمہ:) ''رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو''۔ ''وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا ؕ'' ''اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں'' و لیصفحوا'' یہاں ''یتجاوزوا'' کے معنی میں ہے ''اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (ترجمہ:) ''کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ (النور:22) اس آیت سے بعض علما نے آپ

کی فضیلت پر استدلال کیا ہے۔

07: فرمان باری تعالیٰ ہے: ''اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ'' (التوبہ:40) (ترجمہ:) ''اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی'' ابن عساکر نے روایت کیا کہ اللہ عزوجل نے اس فرمان سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام مسلمانوں کو عتاب فرمایا۔[1]

فضائل ابوبکر رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں

01: ان احادیث میں سے وہ ہے جس کو شیخین نے روایت کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنھا، سائل نے عرض کی مردوں میں؟ فرمایا: ان کے والد۔[2]

02: عبداللہ بن حمید اور ابونعیم وغیرھما نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر سے افضل کسی شخص پر نہ سورج طلوع ہوا اور نہ ہی غروب ہوا مگر یہ کہ وہ نبی ہو اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انبیا اور مرسلین کے بعد ابوبکر سے افضل کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا''۔[3]

03: طبرانی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔[4]

04: طبرانی نے روایت کیا: کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں مگر یہ کہ کوئی نبی ہو۔[5]

05: دیلمی نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں اس سے ہوں اور ابوبکر دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔[6]

06: وہ حدیث جس کو ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: کہ اے ابوبکر! تم میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ہو۔[7]

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف العین، ص93، ج30

[2] صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب فضائل اصحاب النبی، ج5، ص5

[3] حلیۃ الاولیا، فمن طبقۃ الاولی من التابعین، ج03، ص325

[4] المعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، ج06، ص292

[5] المعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، ج06، ص292

[6] الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، ج01، ص437

[7] سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی الخلفا، ج04، ص213

07: ترمذی نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم پر کسی کا احسان نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ ان کا جو احسان ہے اس کا بدلہ انہیں اللہ عزوجل بروز قیامت دے گا۔[1] یہ حدیث اور اللہ عزوجل کے ان دو فرامین "وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى " "(الیل:17) (ترجمہ:) " اور بہت جلد اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار" اور "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ " "(الحجرات:13) (ترجمہ:) " بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے" کے ساتھ آپ کی تمام صحابہ پر افضلیت کی واضح دلیل ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا۔

08: طبرانی نے روایت کیا کہ اللہ عزوجل نے مجھے خلیل بنایا اور میرا خلیل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔[2] یہ حدیث اس روایت کہ "اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا"[3] کے معارض نہیں ہے کیونکہ اس میں خلتِ کاملہ مراد ہے اور آپ کے فرمان "میرا خلیل ابوبکر ہے" میں خلت کی ایک نوع ہے نہ کہ کامل خلت کیونکہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ مختص ہے۔

09: مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں، میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں"۔[4]

10: ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" (النساء:66) (ترجمہ:) " اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو" تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ مجھے حکم دیتے تو میں اپنے آپ کو قتل کر لیتا" تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔[5]

11: ابن عساکر نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے"۔[6] نیز انہوں نے ہی روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے حساب لیا جائے گا"۔[7] یہی ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بھلائی کی تین سو ساٹھ اقسام ہیں اور اے ابوبکر تمہیں مبارک ہو تم میں وہ سب ہیں۔[8]

1۔ سنن ترمذی شاکر، ابواب المناقب، ج05، ص609

2۔ المعجم الکبیر، باب الصاد، ج08، ص201

3۔ سنن ترمذی شاکر، ابواب المناقب، ج05، ص609

4۔ سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابۃ والعلم، فضائل زید بن ثابت، ج01، ص55

5۔ تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ نساء، ج03، ص995

6۔ فضائل الخلفاء الراشدین لابی نعیم، ذکر فضیلۃ اخری للصدیق، ص89

7۔ تاریخ دمشق، حرف العین، ج30، ص152

8۔ تاریخ دمشق، حرف العین، ج30، ص104

12: ابن عساکر سے ہی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اسلام کے حوالے سے کسی سے کچھ کلام نہ کیا مگر اس نے میرا انکار کیا اور گفتگو میں میری جانچ کی؛ سوائے ابو قحافہ کے بیٹے کے، کہ میں نے ان سے جو بات کہی انہوں نے اسے قبول کیا اور اس پر قائم رہے''۔[1]

حافظ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت میری امت پر واجب ہے''۔[2]

صدیق کہنے کی وجہ

اور ان کا نام صدیق اسی وجہ سے رکھا گیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت اور معراج کے معاملہ میں بغیر کسی تردد وانکار کے تصدیق کی۔ اس مضمون پر دلالت کرنے والی حدیث ابھی گزری بھی ہے یعنی ''ما کلمت الخ''۔ کہا گیا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دعوتِ اسلام سے پہلے ہی آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل کو جانتے تھے۔

سب سے پہلا مسلمان کون؟

بعض (میمون بن مہران) سے سوال کیا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ؟ تو انہوں نے جواباً کہا اللہ کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے نبی کریم ﷺ پر بحیرہ راہب کے واقعہ کے وقت ہی ایمان لے آئے تھے اور یہ واقعہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے کا ہے۔[3]

ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کا حق دار نہیں؟! کیا میں سب سے پہلے ایمان نہیں لایا؟!''۔[4]

طبرانی نے روایت کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا؟ تو فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ۔[5] اکثر صحابہ اور تابعین کا یہی موقف ہے حتی کہ بعض نے اجماع کا دعویٰ کیا۔ البتہ تمام روایات کو بعض نے یوں جمع کیا کہ سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسلام میں پہلے داخل ہوئے۔[6]

---

[1] تاریخ دمشق، حرف العین، ج30، ص44

[2] فضائل الخلفاء الراشدین، ذکر فضیلہ اخری للصدیق، ص89

[3] الابانۃ الکبری لابن بطہ، الکتاب ازواج فضائل الصحابۃ، باب ذکر تصدیق ابی بکر، ج09، ص481

[4] سنن الترمذی، باب مناقب ابی بکر الصدیق، ج05، ص611، صحیح ابن حبان، باب ذکر البیان بان ابا بکر الصدیق اول من اسلم---ج15، ص279

[5] لم اجدہ للطبرانی بھذا اللفظ ولکن وجدت بمعناہ عن ابن عمرو وھو ھذا ''اول من اسلم ابوبکر'' (المعجم الاوسط، باب المیم، ج08، ص190

[6] سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، ج06، ص91

عتیق کہنے کی وجہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عتیق کہا گیا اور اس بارے میں کثیر احادیث ہیں۔

ان میں سے کچھ یہ ہیں:

01: ترمذی نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم آگ سے آزاد ہو"۔[1]

02: حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جسے آگ سے آزاد شخص کو دیکھ کر خوشی ہو تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھے"۔[2]

03: روایت کیا گیا کہ جب آپ اسلام لائے تو ہاتف غیبی سے آواز آئی "اے صدیق! ہم نے تمہیں آگ سے آزاد کر دیا"۔[3]

04: کہا گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور بتایا کہ "اللہ عزوجل نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگ سے آزاد کر دیا"۔[4]

آپ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبداللہ، لقب عتیق اللہ اور کنیت ابوبکر ہے۔

دوسری فصل: قرآن وسنت سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل

موافقات عمر رضی اللہ عنہ

قرآن کریم کی بہت سی آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق اتریں۔ ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

01: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حبیب اور مختار محمد مصطفیٰ ﷺ سے عرض کی کہ اگر ہم مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں تو یہ بہت بہتر ہوگا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى" (البقرۃ:125) (ترجمہ:) "اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ"۔

02: آپ رضی اللہ عنہ کی رائے عورتوں کے پردہ کرنے کی تھی تو اس پر آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

03: امہات المومنین رضی اللہ عنہن نبی کریم ﷺ کے بارے میں غیرت وحمیت کرتے ہوئے جمع ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر آپ انہیں طلاق دے دیں تو اللہ عزوجل آپ کو ان سے بہتر بدل دے گا تب یہ آیت نازل ہوئی: "عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ" (التحریم:05) (ترجمہ:) "ان کا رب قریب ہے اگر وہ

[1] سنن ترمذی، باب مناقب ابی بکر الصدیق، ج05، ص616

[2] مستدرک للحاکم، باب من فضائل خلیفۃ الرسول ابی بکر بن ابی قحافہ، ج03 ص64

[3] تلاش بسیار کے باوجود یہ روایت نہ مل سکی۔

[4] تلاش بسیار کے باوجود یہ روایت نہ مل سکی۔

تمہیں طلاق دے دیں کہ انہیں تم سے بہتر بیبیاں بدل دے"۔[۱]

04: عبداللہ بن ابی منافق جب مرا جب انہوں نے آپ ﷺ کو جنازے کے لیے بلایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے دشمن کی نماز جنازہ ادا کریں گے؟ تب یہ آیت اتری: "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ" (التوبۃ:84) ترجمہ: "اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا"۔

05: جب آپ ﷺ نے منافقین کے لیے استغفار کی کثرت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ان کے لیے استغفار کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ تب یہ آیت اتری: "سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ" (المنفقون:06) (ترجمہ:) "ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو"۔[۲]

06: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ وہ اس سے پاک ہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کا نکاح آپ سے کیا اگر وہ اس طرح کی بات سے موصوف ہوتیں تو اللہ کبھی ان کو آپ کے نکاح میں نہ آنے دیتا، تب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں اللہ عزوجل نے قرآن اتارا۔[۳]

07: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا جبریل ہمارا دشمن ہے تو آپ نے فرمایا: جو اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ کافروں کا دشمن ہے تو قرآن اسی طرح نازل ہوا۔[۴]

08: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کے حکم کی فرمائش کی کیونکہ ایک بار آپ سو رہے تھے تو ایک غلام بغیر اجازت اندر داخل ہو گیا، تب آپ کی فرمائش کے مطابق آیت استیذان اتری۔[۵]

09: اسی طرح شراب کی حرمت پر آیت؛ آپ کی فرمائش کے مطابق اتری۔[۶]

فضائل عمر رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں

01: ابن عساکر نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عمر جنتیوں کا چراغ ہیں"۔[۷] کہا گیا کہ یہ حدیث

[۱] صحیح بخاری، باب ماجاء فی القبلۃ ومن لم یر الاعادۃ، ج1، ص89، مسند احمد، باب مسند عمر بن الخطاب، ج1، ص317

[۲] سنن الترمذی، باب من سورۃ التوبۃ، ج05، ص130

[۳] عمدۃ القاری، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القبلۃ، ج4، ص144

[۴] فتح الباری، قولہ باب من کان عدوا لجبریل، ج08، ص166

[۵] ارشاد الساری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ الاحزاب، ج07، ص301

[۶] سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، باب فی تحریم الخمر، ج03، ص325

[۷] سنن الترمذی، باب من سورۃ التوبۃ، ج05، ص130

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1]

02: ابن عساکر نے ہی روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان عمر سے ڈرتا ہے''۔[2]

03: طبرانی نے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل عرفہ کی رات عموماً اہل عرفہ پر اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مباہات فرماتا ہے''۔[3]

04: طبرانی نے ہی روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''حق میرے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے وہ چاہے کہیں ہوں''۔[4] یہ حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت والے دن ان کی کامیابی میں بہت کوشش کی اور ان کے خلیفہ برحق ہونے پر خوب بحث کی۔

05: طبرانی نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر روئے گا''۔[5]

06: انہی سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''جس نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا کیونکہ اللہ عزوجل نے کسی نبی کو مبعوث نہ فرمایا مگر ان کی امت میں ایک محدَّث ہوتا تھا اور اگر میری امت میں کوئی محدَّث ہے تو وہ عمر ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! محدَّث کون ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس کی زبان سے فرشتے گفتگو کریں''۔[6]

07: طبرانی نے ہی روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عمر میرے ساتھ ہے اور میں عمر کے ساتھ ہوں، عمر جہاں کہیں بھی ہو''۔[7]

08: ابن سعد نے ایوب بن موسیٰ سے مرسلاً روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر جاری فرما دیا ہے اور وہ فاروق ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کے ذریعے حق و باطل میں تفریق کر دی''۔[8]

1۔ تاریخ دمشق، حرف العین، ج44، ص166

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب، ج06، ص356

3۔ معجم الاوسط، باب المیم من اسمہ محمد، ج07، ص18

4۔ معجم الاوسط، باب الالف من اسمہ ابراھیم، ج03، ص104

5۔ المعجم الکبیر العشرۃ نسبۃ عمر بن الخطاب، سن عمرہ ووفاتہ، ج01، ص67

6۔ معجم الاوسط، باب المیم من اسمہ محمد، ج07، ص18

7۔ معجم الاوسط، باب الالف من اسمہ ابراھیم، ج03، ص104

8۔ تاریخ المدینۃ لابن شبۃ تسمیۃ بالفاروق، ج02، ص662

09: بخاری نے روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے بعد سچائی عمر کے ساتھ ہوگی وہ جہاں کہیں بھی ہو''۔ [1]

10: ابن عدی نے روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے انسانوں اور جنات کے شیطانوں کو دیکھا کہ وہ عمر سے بھاگتے ہیں''۔ [2]

11: ابن ماجہ نے روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''عمر وہ پہلے شخص ہیں جس سے حق مصافحہ کرے گا اور انہیں سب سے پہلے سلام کرے گا (یہ انعام کی زیادتی اور ان پر لطف سے کنایہ ہے) اور سب سے پہلے ان کا ہاتھ تھام کر جنت میں داخل کرے گا''۔ [3] اس حدیث میں اولیت سے مراد اولیت اضافی ہے مطلب یہ ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے معارض نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں گزری کہ وہ آپ علیہ السلام کی امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

12: شیخین نے روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے سوتے ہوئے لوگوں کو دیکھا جن کو مجھ پر پیش کیا گیا اس طرح کہ ان پر قمیصیں تھی۔ تو کچھ کی قمیص سینے تک اور کچھ کی اس سے نیچے تک تھی جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مجھ پر پیش کیا گیا تو اپنی قمیص گھسیٹ رہے تھے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا: ''دین''۔ [4]

فاروق کہنے کی وجہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب اس لیے دیا گیا کہ آپ کے مسلمان ہونے سے پہلے اسلام ضعیف تھا سو جب آپ نے اسلام لانے کا ارادہ کیا تو سنا کہ رسول اللہ ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں پوشیدہ طور پر موجود ہیں تو وہ ان کے گھر گئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں؟ ہم کیوں اپنے دین کو چھپاتے ہیں؟ پس آپ نے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک میں وہ خود اور دوسرے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور یوں یہ سب مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب انہیں قریش نے دیکھا تو ان پر غم غالب آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام فاروق رکھا یوں اسلام کی قوت ظاہر ہوئی اور اسی دن یہ آیت اتری ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ'' (الانفال:64) (ترجمہ:) ''اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو

[1] التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الصاد، ج02، ص104

[2] سنن الترمذی (شاکر)، ابواب المناقب، ج05، ص621

[3] سنن ابن ماجہ، باب فضائل اصحاب رسول اللہ، فضل عمر، ج01، ص77

[4] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال، ج01، ص13، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عمر، ج04، ص1859

ہوئے''۔اس سے پہلے مسلمانوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ مسجد حرام میں نماز ادا کرسکیں پس جب آپ اسلام لائے تو اعلانیہ دعوت شروع ہوگئی۔

کہا گیا کہ جب تک آپ حیات رہے اسلام کی قوت بڑھتی رہی اور جب آپ کی وفات ہوگئی تو اسلام کی قوت گھٹنا شروع ہوئی۔آپ عظیم شان وشوکت کے مالک تھے؛ کیونکہ سوائے آپ رضی اللہ عنہ کے کسی نے مدینہ کی طرف اعلانیہ ہجرت نہ کی کہ آپ اپنی کمان اور کچھ تیر لے کر مسجد حرام میں آئے اور بیت اللہ کے سات چکر لگا کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا کیں اور قریش کے سرداروں کو کہا''جو اپنی اولاد کو یتیم ،اپنے گھر والوں کو بغیر اولاد کے اور زوجہ کو بیوہ چھوڑنا چاہے تو وہ مجھ سے مل لے'' تو کوئی بھی آپ کے پیچھے نہ گیا۔[1]

تیسری فصل: شیخین کے فضائل

یہ فصل شیخین کے مشترکہ فضائل کے بیان میں ہے۔اس بارے میں احادیث درج ذیل ہیں:

01: حاکم نے روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:''ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تمام اولین وآخرین اور تمام اہل سماوزمیں سے افضل ہیں سوائے انبیاو مرسلین کے''۔[2]

02: امام بخاری نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی فرمایا:''ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کیا ہی خوب شخصیت ہیں''۔[3]

03: ترمذی نے روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:''ہر نبی کے اہل آسمان سے اور اہل زمین سے دو دو وزیر ہوتے ہیں۔پس میرے اہل آسمان سے دو وزیر جبریل اور میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین والوں میں سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں''۔[4]

04: ابونعیم اور خطیب نے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:''ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا مجھ سے وہی مرتبہ ہے جو آنکھ اور کان کا سر سے ہے''۔[5]

05: ابن عساکر نے روایت کی آپ فرمایا:''ہر نبی کے دو وزیر ہوتے ہیں اور میرے دو وزیر اور دو صاحب ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں''۔[6]

۱؎ اسد الغابۃ (الفکر) باب العین والمیم ،عمر بن الخطاب ،ج03،ص650

۲؎ تاریخ دمشق ،حرف العین ،عمر بن خطاب بن نفیل ،ج44،ص195

۳؎ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب ،باب مناقب معاذ بن جبل الخ ،ج06،ص139

۴؎ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب ،باب مناقب صدیق اکبر ،ج06،ص57

۵؎ حلیۃ الاولیاء ،باب الطبقۃ الاولی من التابعین ،ج4،ص93

۶؎ تاریخ دمشق ،حرف العین عمر بن خطاب ،ج44،ص64

06: ابن عساکر نے روایت کی فرمایا: ''میرے بعد میری امت میں سب سے افضل ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں''۔[1]

07: خطیب نے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر و عمر کو میں نے مقدم نہیں کیا بلکہ انہیں اللہ عزوجل نے مقدم کیا ہے''۔[2]

08: ابن نافع نے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ''جس کو تم دیکھو کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا برائی سے ذکر کرے تو بے شک وہ اسلام کو ڈھانے کا ارادہ رکھتا ہے''۔[3]

09: ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ''میں سب سے پہلے زمین سے باہر آؤں گا پھر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما''۔[4]

10: ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ'' ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت ایمان اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے''۔[5]

چوتھی فصل: فضائل شیخین بزبان اہل بیت

اس کے لیے تقیہ کا ابطال ضروری ہے اور یہ عن قریب اباطیل شیعہ کی فصل میں آئے گا۔

01: دارقطنی نے زید بن علی سے اس شخص کے بارے میں روایت کیا جو شیخین سے تبرا کرے تو فرمایا: ''جان لو اللہ کی قسم شیخین سے تبرا کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تبرا کرنا ہے۔ چاہے وہ ان کو مقدم کرے یا موخر''۔[6]

02: انہوں نے ہی جعفر بن محمد سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے مرض وفات میں فرمایا: ''اے اللہ! میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا اور انہیں دوست رکھتا ہوں، اے اللہ! اگر میرے دل میں اس کے علاوہ کچھ ہو تو مجھے محمد ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو''۔[7]

03: یہی دارقطنی امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں'' کیا کوئی اپنے جد امجد کو بھی برا بھلا کہتا ہے؟ ابو بکر میرے جد ہیں، مجھے محمد ﷺ کی شفاعت نہ ملے اگر میں ان سے دوستی اور ان کے دشمن سے برأت نہ کروں''۔[8]

---

[1] تاریخ دمشق: حرف الواو، ج62، ص427

[2] الجامع الصغیر وزیادتہ: ح، 11905

[3] معجم الصحابۃ لابن قانع، ص195، ج1

[4] سنن ترمذی (شاکر) باب مناقب ابی حفص عمر بن خطاب، ج05، ص622

[5] تاریخ دمشق، حرف العین عمر بن خطاب، ج30، ص144

[6] فضائل صحابہ للدارقطنی، ص75

[7] المرجع السابق، ص56

[8] المرجع السابق، ص56

04: دارقطنی ابراہیم بن حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا ہم پر روافض نے اسی طرح خروج کیا جس طرح حروریہ یعنی خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا۔[1]

05: حسن بن محمد بن حنفیہ سے دارقطنی نے روایت کیا؛ فرماتے ہیں "اے کوفیوں! اللہ سے ڈرو اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کی شان کے خلاف کچھ نہ کہو، بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار ثور میں رہے اور ثانی اثنین تھے اور عمر رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل نے دین کو قوت عطا فرمائی"۔[2]

06: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "اللہ عزوجل اس شخص کی توبہ قبول نہیں فرماتا جو شیخین سے تبرا کرے"۔[3]

07: دارقطنی نے جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا؛ فرماتے ہیں "اکثر عراقی گمان کرتے ہیں کہ ہم شیخین کے معاملہ میں تنقید کرتے ہیں حالانکہ وہ میرے باپ ہیں"۔[4]

08: انہی سے روایت ہے "جو ابوبکر کی فضیلت کو نہیں جانتا وہ سنت سے جاہل ہے"۔[5]

09: ان میں کے بعض سے روایت ہے "حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کی گئی" آپ اپنے خطبہ میں کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے معاملات کو اسی سے درست فرما دے جس سے تو نے خلفاء راشدین مہدیین کے معاملات کو درست کیا۔ وہ خلفاء کون ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا "میرے محبوب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں جو امام الھدیٰ، شیخ الاسلام، قریش کے مرد اور رسول اللہ ﷺ کے بعد مقتدیٰ ہیں، جس نے ان کی اقتدا کی وہ محفوظ ہو گیا اور جس نے ان کے آثار کی پیروی کی اس نے صراط مستقیم کو پا لیا اور جس نے ان کو تھام لیا تو وہ اللہ کے گروہ سے ہو گیا"۔[6] یہ حدیث صواعق محرقہ میں ہے جو انہوں نے "الطیوریات" سے نقل کی اور انہوں نے بعض اہل بیت سے روایت کی۔

آپ ان روافض کے عناد کو دیکھیں کہ کیسے یہ ان سلیم القلب حضرات کی طرف اس عناد کو منسوب کرتے ہیں؟ اللہ ان کو رسوا کرے۔

۱۔ المرجع السابق، ص58

۲۔ المرجع السابق، ص77

۳۔ المرجع السابق، ص82

۴۔ المرجع السابق، ص95

۵۔ المرجع السابق، ص59

۶۔ الصواعق المحرقہ، ج01، ص165

پانچویں فصل: فضائل عثمان غنی رضی اللہ عنہ احادیث کی روشنی میں

01: ترمذی اور ابن ماجہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ''ہر نبی کا جنت میں رفیق ہے اور میرا رفیق عثمان رضی اللہ عنہ ہیں''۔[1]

02: ابن عساکر نے روایت کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شفاعت سے بہتر ہزار (72000) ایسے لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے جن پر جہنم واجب ہو چکا ہوگا''۔

03: ترمذی نے روایت کیا آپ ﷺ نے جیش العسرہ کی تیاری کے وقت فرمایا: ''آج کے بعد عثمان جو کریں ان پر کوئی مواخذہ نہیں''۔[2]

04: ترمذی نے ہی روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''آج کے بعد عثمان جو عمل کرے وہ اسے نقصان نہ دے گا''[3] اکم نے اس کو صحیح قرار دیا۔

05: ابن عساکر نے روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھ سے اخلاق میں، میرے صحابہ میں سب سے زیادہ مشابہ عثمان ہیں''۔[4]

06: ترمذی اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا جس کا خلاصہ ہے نبی کریم ﷺ نے فتنہ کا ذکر کیا اور فرمایا: ''وہ عن قریب واقع ہوگا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس دن ہدایت پر ہوگا''۔[5]

07: ابونعیم نے روایت کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں زیادہ حیا والے اور عزت دار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں''۔[6]

08: ابونعیم نے ہی روایت کیا آپ ﷺ نے اپنے کپڑے سمیٹے اور فرمایا: ''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں''۔[7]

09: ابن عساکر نے روایت کی آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''عثمان میرے پاس سے گزرے اور میرے پاس ایک فرشتہ تھا تو

[1] سنن ترمذی، باب مناقب عثمان، ج06، ص65، سنن ابن ماجہ، فضل عثمان، ج01، ص40

[2] سنن ترمذی، ج06، ص66

[3] سنن ترمذی، ج06، ص67

[4] تاریخ دمشق حرف العین، عثمان بن عفان الخ، ج39، ص97

[5] سنن ترمذی (بشار)، باب مناقب عثمان، ج06، ص69، مستدرک للحاکم، ذکر مقتل امیر المؤمنین عثمان بن عفان، ج03، ص109

[6] حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، عثمان بن عفان وثالث القوم القانت الخ، ج01، ص56

[7] فضائل الخلفاء الراشدین لابی نعیم، فضیلۃ اخری لامیر المؤمنین عثمان، ص43

اس نے مجھے کہا یہ شہید ہیں، ان کی قوم اسے شہید کرے گی، میں اس سے حیا کرتا ہوں''۔[1]

ذوالنورین کہنے کی وجہیں

1) جب آپ علیہ السلام نے اپنی بیٹی رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا یکے بعد دیگرے آپ سے نکاح کیا تو آپ کو ذوالنورین کا لقب دیا گیا۔ بعض علما نے کہا کہ ''سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایسا کوئی شخص نہیں جس نے کسی نبی کی دو بیٹیوں سے نکاح کیا ہو''۔

2) آپ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو قیام فرماتے تھے۔

طبرانی نے روایت کی آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آسمانی وحی سے کیا''۔[2]

خطیب اور ابن عساکر نے یوں روایت کی کہ ''اللہ عزوجل نے مجھے وحی کی کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح عثمان سے کر دوں''۔[3]

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں باری باری تمہارے نکاح میں دے دیتا حتی کہ ایک بھی نہ بچتی''۔[4]

واللہ اعلم!

چھٹی فصل: فضائل مولا علی رضی اللہ عنہ

01: ترمذی نے روایت کیا کہ آپ نے جب عقد مواخات قائم کیا تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو''۔[5]

02: طبرانی نے روایت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ عزوجل سے محبت کی اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ عزوجل سے بغض رکھا''۔[6]

---

[1] تاریخ دمشق، حرف العین، عثمان بن عفان الخ، ج39، ص94

[2] المعجم الکبیر بنات رسول اللہ ام کلثوم بنت رسول، ج22، ص436

[3] تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف العین، عثمان بن عفان الخ، ج39، ص41

[4] تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف العین، عثمان بن عفان الخ، ج39، ص42

[5] سنن ترمذی (بشار) مناقب علی بن ابی طالب، ج06، ص80

[6] المعجم الکبیر ابوطفیل عن ام سلمۃ، ج23، ص380

03: وہی آپ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ''علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے''۔[۱] کہا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جب لوگوں میں تشریف لاتے اور لوگ آپ کو دیکھتے تو آپ کے شرف، علم، حسن، زہد، تقویٰ اور شجاعت پر تعجب کرتے اور تہلیل اور ذکر اللہ کرتے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذکر اللہ کا باعث ہوتے۔ پس حدیث حق ہے کہ جس نے انہیں دیکھا اس نے ذکر اللہ کیا۔

04: حاکم نے روایت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''جس نے علی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا''۔[۲]

05: طبرانی نے روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے، یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے حتی کہ دونوں حوض پر آئیں گے''۔[۳]

06: دارقطنی نے ایک حدیث روایت کی جس میں یہ ہے آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم بروز قیامت آگ تقسیم کرنے والے ہو''۔[۴] اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دشمن آپ کی دشمنی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ واللہ اعلم و رسولہ اعلم بمرادہ۔

07: ترمذی نے روایت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''جنت تین افراد کی مشتاق ہے، علی، عمار اور سلمان رضی اللہ عنہم''۔[۵]

08: جو طبرانی نے روایت کیا اس میں ہے نبی کریم ﷺ فرمایا: ''اللہ عزوجل نے مجھے حکم دیا کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے کردوں''۔[۶]

09: '' آپ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی فضیلت کے متعلق ''فصل الخطاب'' میں بھی واقعہ مذکور ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملے تو آپ مسکرا دیے؛ حضرت علی نے ان سے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ ''پل صراط سے گزرنے والے کسی کے لیے بھی گزرنا جائز نہ ہوگا مگر

۱۔ اس حدیث کو امام سیوطی علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں صحیح قرار دیا اور ابن جوزی نے موضوع قرار دیا۔ تو امام سیوطی علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ یہ دس سے گیارہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے۔ طبرانی کی سند کو تو علامہ دمشقی رحمہ اللہ نے بھی حسن قرار دیا اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے تاریخ الخلفاء میں اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ (المعجم الکبیر باب العین، باب من روی عن ابن مسعود، ج10، ص76)

۲۔ مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، اما قصۃ اعتزال محمد بن مسلمۃ، ج03، ص130

۳۔ معجم صغیر، ج02، ص28

۴۔ دارقطنی میں یہ روایت نہ ملی لیکن البدایۃ والنھایۃ حضرت علی کا یہ فرمان ملا ہے ''میں قیامت کے دن جہنم تقسیم کروں گا'' البدایۃ والنھایۃ سنۃ اربعین من الھجرۃ النبویۃ، باب ذکر شیئ من فضائل علی، ج07، ص355

۵۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب سلمان فارسی، ج06، ص141

۶۔ المعجم الکبیر باب العین، ج10، ص156

جس کو علی کرم اللہ وجہہ الکریم پروانۂ راہ داری لکھ دیں" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے ابوبکر! میں پروانہ راہ داری صرف اسی کو لکھ کر دوں گا جو آپ سے محبت کرتا ہوگا"۔[1]

10: کہا گیا کہ دو شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنا ایک جھگڑا لے کر آئے؛ ان میں سے ایک نے کہا اس شخص کی گائے نے میرے گدھے کو مار ڈالا، آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ ان کے مابین فیصلہ کریں، آپ نے مکمل قصہ معلوم کیا؛ تب انہوں نے بتایا گدھا بندھا ہوا تھا اور گائے کھلی ہوئی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے گائے کے مالک سے فرمایا: تم ضامن ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "علی تم میں سب سے بڑے قاضی ہیں"۔[2]

آپ کے فضائل میں کثیر احادیث ثابت ہیں جن کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے۔ کہا گیا جتنی احادیث آپ کے فضائل میں ہیں اتنی کسی کی فضیلت میں وارد نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تعلیم الٰہی سے جانتے تھے جو آپ کی امت اس سے سمجھے گی اور جو خوارج نے آپ پر سب وشتم اور طعن وغیرہ کیا تو ان اسباب کے تقاضے کی بنا پر آپ کے فضائل کو ذکر کرکے امت کو نصیحت کی گئی۔

ساتویں فصل: چاروں خلفاء کے فضائل

01: ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ عزوجل ابوبکر پر رحم فرمائے کہ اس نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی، دار الہجرت تک مجھے اٹھایا اور بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے مال سے آزاد کیا، اسلام میں کسی کے مال نے مجھے وہ نفع نہ دیا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا۔ اللہ عزوجل عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کہ وہ حق بات کرتے ہیں اگرچہ وہ کڑوی ہو اور حق نے انہیں اس طرح کر دیا کہ ان کا کوئی دوست نہیں، اللہ عزوجل عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کہ جن سے فرشتے حیا کرتے ہیں اور انہوں نے جیشِ عسرت کی تیاری کی اور مسجد میں اضافہ کیا حتی کہ وہ ہمارے لیے وسیع ہوگئی، اللہ عزوجل علی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کہ حق ان کے ساتھ اسی طرف پھر جاتا ہے جہاں یہ پھرتے ہیں"۔[3]

نبی کریم ﷺ کے فرمان "لقد ترکہ الحق" کا معنی یہ ہے کہ ان کے کثرت سے حق بات کرنے کی وجہ سے ان کا کوئی دوست نہ رہا کیونکہ حق کڑوا ہوتا ہے۔

---

[1] الریاض النضرۃ، الفصل الثانی فی ذکر نبذ من فضائلہ، ج01، ص207

[2] الصواعق المحرقۃ، الفصل الثانی فی فضائلہ، ج02، ص358

[3] سنن ترمذی بشار، ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، ج06، ص75۔ مگر اس میں "جھزۃ العسرۃ وزاد فی المسجد حتی وسعنا" کے الفاظ نہیں ہیں۔

02: ابویعلیٰ نے اسی طرح کی ایک روایت ذکر کی" میری امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں، دین میں اصل عمر رضی اللہ عنہ ہیں، سب سے زیادہ سچی حیا والے عثمان ہیں اور سب سے بڑے قاضی علی ہیں رضی اللہ عنہم"۔ [1] یہ بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں یا ہم معنی ہیں۔

03: مروی ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا:"اللہ عزوجل نے تم پر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کی محبت کو ایسے ہی فرض کیا ہے جیسے نماز، زکوۃ اور حج کو فرض کیا؛ تو ان کی فضیلت کے منکر کی نماز، روزہ، حج اور زکوۃ قبول نہ ہوگی"۔ [2]

04: طبرانی نے یوں روایت کیا" میری امت میں سے یا میری امتی پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر، سب سے بلند عمر، سچی حیا والے عثمان اور قضاء کے علم میں اعلم علی ہیں رضی اللہ عنہم"۔ [3] یہ بھی بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں یا ہم معنی ہے۔

05: ابن عساکر نے روایت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا:"چار افراد ایسے ہیں جن کی محبت کسی منافق کے دل میں جمع نہیں ہو سکتی صرف مومن ہی ان سے محبت کرے گا اور وہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم ہیں"۔ [4]

06: طبرانی نے ایک حدیث روایت کی جس میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے حجۃ الوداع سے واپسی پر ایک خطبہ میں فرمایا: "اے لوگو! میں :ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین سے راضی ہوں"۔ [5]

07: صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے اپنے مال کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے اور اپنی جان پر مجھے ترجیح دینے والے کو خوش آمدید۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو فرمایا: میرے وزیر اور حق و باطل میں فرق کرنے والے کو خوش آمدید، انہیں کی وجہ سے تمہارا نام مومنین رکھا گیا اور اس کو مرحبا! جس کے ذریعہ اللہ نے دین کو مکمل کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری بیٹی کے زوج، دو نوروں کو جمع کرنے والے، سعادت مند اور شہید کو خوش آمدید، خرابی ہے اس کے لیے جو انہیں شہید کرے گا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرے بھائی، چچا زاد، میرے بچوں کے والد کو مرحبا، میں اور وہ ایک نور سے تخلیق

[1] سنن ابن ماجہ، فضائل زید بن ثابت، ج01، ص55

[2] الصواعق المحرقۃ، الفصل: ثالث فی ذکر فضائل ابی بکر، ج01، ص233

[3] معجم صغیر، باب العین من اسمہ علی، ج01، ص335

[4] تاریخ دمشق، حرف العین، ج39، ص128

[5] المعجم الکبیر باب السین، ج06، ص104

کیے گئے ۔ اے لوگوں کے گروہو! ان چاروں کی محبت صرف مؤمن کے علاوہ کسی کے دل میں جمع نہ ہوگی اور سوائے منافق کے کسی کے دل میں یہ جدا نہ ہوں گے۔ سو جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے بغض رکھا، یہ دنیا و آخرت میں مومنوں کے سردار ہیں، ان سے بغض صرف بد بخت ہی رکھے گا اور ان سے محبت صرف متقی مومن ہی رکھے گا۔ اے اللہ! میں نے تبلیغ کر دی تو دیواروں کے اطراف اور مسجد کے دروازے کی چوکھٹ پکارنے لگیں، اے اللہ! ان سے بغض رکھنے والے پر لعنت فرما اور دیواروں کی جڑ سے آواز آئی ''آمین'' پس اس دن تیس یہودی اور پچاس منافق ایمان لائے۔[1]

آٹھویں فصل: فضائل حسنین کریمین رضی اللہ عنہما

اس فصل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دونوں بیٹے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے فضائل کا بیان ہے۔

01: شیخین نے روایت کیا آپ علیہ السلام نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے لیے عرض کی: ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے محبت فرما''۔[2]

02: ترمذی نے روایت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں''۔[3]

03: بخاری نے روایت کیا فرمایا: ''حسن اور حسین دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں''۔[4]

04: ترمذی نے روایت کیا عرض کی گئی آپ کو اہل بیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو فرمایا: ''حسن اور حسین رضی اللہ عنہما''۔[5]

05: ابن سعد نے روایت کیا رسول اللہ ﷺ حضرت حسن کو بچپن میں اپنی زبان دکھاتے اور امام حسن نبی کریم ﷺ کی زبان کی سرخی کو دیکھتے اور خوش ہوتے۔[6]

06: شیخین سے روایت ہے آپ ﷺ نے امام حسن کے بارے میں عرض کی: ''اے اللہ! اس سے محبت فرما اور اس سے

ا۔ عجائب القصص، ص16

۲۔ صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب مناقب الحسن والحسین، ج05، ص26

۳۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب حسن بن علی، ج06، ص117

۴۔ صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب مناقب الحسن والحسین، ج05، ص27

۵۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب حسن بن علی، ج06، ص121

۶۔ یہ روایت بالمعنی ہے جبکہ حدیث کے الفاظ مختلف ہیں جو یہ ہیں 'کان النبی ﷺ لیدلع لسانہ للحسن بن علی فیری الصبی حمرۃ لسانہ فیھش الیہ''۔ (شرح السنۃ للبغوی، ح3603، ص180، ج13)

بھی جو اس سے محبت کرے''۔ ا

07: امام محمد نے روایت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا:''جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں بیٹوں، ان کے والد اور والدہ سے محبت کی تو وہ بروز قیامت میرے درجے میں میرے ساتھ ہوگا''۔2

08: امام حاکم نے روایت کیا''امام حسن رضی اللہ عنہ نے پیدل پچاس حج کیے''۔

09: ابونعیم نے روایت کیا''امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا''مجھے اللہ عزوجل سے حیا آتی ہے کہ میں اس سے اس حال میں ملوں کہ میں نے پیدل اس کے گھر کا حج نہ کیا ہو۔ ۳

نویں فصل: خلفائے راشدین کی عمر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تریسٹھ (63) سال حیات رہے اور شہادت کی موت پائی، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اصح قول کے مطابق تریسٹھ (63) سال عمر پائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیاسی (82) سال عمر پائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین کی مثل تریسٹھ (63) سال زندگی پائی۔ (آپ کی عمر میں اور بھی اقوال ہیں) کہا گیا چونسٹھ (64) سال، ایک قول میں پینسٹھ (65) سال، ایک میں سڑسٹھ (67) سال اور ایک قول اڑسٹھ (68) سال کا ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے سینتالیس (47) سال عمر پائی۔ اللہ عزوجل ان سے راضی ہو، ان کی برکات سے ہماری مغفرت کرے اور ان کی حرمت کے صدقے ہمیں تمام آفات و بلیات سے محفوظ فرمائے۔

دسویں فصل: چاروں خلفاء کے نسب کا بیان

خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ کا نسب

ابوبکر رضی اللہ عنہ بن ابوقحافہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی قرشی تیمی۔

خلیفہ دوم عمر رضی اللہ عنہ کا نسب

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بن خطاب بن نفیل عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن کعب بن لوی۔

خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کا نسب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن عفان بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

ا الادب المفرد، باب الاحتباء، ص404

۲ لم اجد هذه الرواية بعينه ولم افهم بعضه ولكن اجد في سنن ترمذي (بشار) بمعناه وهو هذا ان رسول الله ﷺ اخذ بيد الحسن والحسين فقال من احبني واحب هذين واباهما وامهما كان معي في درجتي يوم القيامة۔

(سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، مناقب علی، ج06، ص90)

۳ معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، باب الحاء، من اسمہ الحسن، ج02، ص659

خلیفہ چہارم علی رضی اللہ عنہ کا نسب

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔

گیارہویں فصل: خلفائے راشدین کا حلیہ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سفید رنگت، کمزور اعضاء اور کم گوشت رخسار والے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھاری بھر کم شان دار شخص تھے اور آپ کا سر مبارک کے اگلے حصے کے بال نہیں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کم گوشت والے کمزور، طویل المحاسن اور خوبصورت تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صحت مند، پیٹ قدرے بڑا اور موٹی آنکھوں والے تھے اور آپ کے سر مبارک کے اگلے حصے کے بال نہیں تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے حتی کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی دیکھتا .....[1] تو صحابہ آپ علیہ السلام سے عرض کرتے کہ آپ بالکل حسن کی صورت پر دکھائی دیتے ہیں۔

خلفاء کی شہادت کا بیان

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات اس زہر سے ہوئی جو آپ کو ہدیہ کیے گئے کھانے میں تھا؛ اس وقت آپ اور حارث بن کلدہ اس سے کھا رہے تھے تو حارث نے کہا اس سے نہ کھائیں یہ زہر آلود ہے، آپ کی اور میری وفات ایک ہی دن ہوگی تو اسی طرح ہوا۔ کہا گیا یہ حدیث صحیح ہے۔[2]

اعتراض: اگر کہا جائے کہ وہ شہید کیسے ہوئے؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے جس میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اُثبت احد'' اور یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ علیہ السلام، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان اور حضرت علی اس پر چڑھے اور احد ہلنے لگا تو آپ نے کہا اے احد! ساکن ہو جا کیونکہ تجھ پر ایک نبی، (مراد خود آپ کی ذات) اور صدیق (یعنی ابوبکر) اور دو شہید (یعنی عثمان اور علی) ہیں۔[3] لہٰذا اگر ابوبکر کی وفات؛ شہادت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے تو فقط ان دونوں کی شہادت کا ذکر کیا۔

جواب: صدیقیت اخص الخواص وصف ہے لہٰذا آپ کو اسی سے موصوف کیا گیا جس طرح نبوت نبی کریم کے اخص اوصاف میں سے ہے تو آپ نے اپنے آپ کو اسی سے موصوف کیا حالاں کہ آپ علیہ السلام کی وفات اسی کھانے میں ملے زہر سے ہوئی تھی جو خیبر میں آپ کو ہدیہ کیا گیا تھا؛ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے مرضِ موت میں اس کی صراحت فرمائی۔

---

[1] اصل مخطوطے کے اس مقام پر ایک یا دو کلمے پڑھے نا جاسکے۔

[2] الصواعق المحرقۃ، ج01، ص253

[3] فضائل الصحابۃ لاحمد، ھذہ الاحادیث من حدیث ابی بکر، ج01، ص217

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ مطہرہ میں ایک شخص آیا جس کا نام ابولؤلؤ تھا اور یہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا جب وہ کوفہ کے گورنر تھے انہوں نے اس کو مدینہ بھیجا تھا، کیونکہ یہ مختلف پیشوں میں مہارت رکھتا تھا مثلاً لوہار کا کام، نقاشی وغیرہ تاکہ اس سے مسلمان نفع اٹھائیں، اس کا خراج چار درہم تھا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''تیرا یہ خراج زیادہ بھاری نہیں کیونکہ تیرے پیشے کثیر ہیں'' تو یہ آپ رضی اللہ عنہ پر ناراض ہو کر چلا گیا حتی کہ ایک دن آپ کی مسجد نبوی میں صبح کے وقت، ایک کونے میں چھپ رہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز کا حکم دیتے ہوئے تشریف لائے اور آپ نے لوگوں کو صفیں سیدھی کرنے کا حکم دینا شروع کیا تو ابولؤلؤ آیا اور زہر سے بجھے ہوئے خنجر سے آپ رضی اللہ عنہ کو مارا تو تیرہ (13) آدمی زخمی ہوئے ان میں سے چھ نے شہادت پائی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے محبوب نبی کریم ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ وہ ظلماً شہید ہوں گے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتے اور ان کی خبر گیری کرتے اور صلہ رحمی کے حکم پر عمل کرتے ہوئے انہیں مال عطا کرتے۔ آپ نے اپنے چچازادوں کے علاوہ ہر ایک کو معزول کر دیا اور کچھ ایسے افراد کو امیر مقرر فرمایا جو صحابی نہ تھے۔ جب لوگوں نے آپ سے ان کی شکایت کی تو آپ نے انہیں معزول نہ کیا بلکہ ان امیروں کو تقویٰ اور ظلم سے بچنے کا حکم دیا حتی کہ آپ نے مصر پر عبداللہ بن ابی سراح کو امیر بنایا تو مصریوں نے ان کی شکایت کی تو آپ نے اسے ایک خط لکھا اور ظلم سے روکتے ہوئے زجر و توبیخ فرمائی۔ جب یہ خط اس کو ملا تو اس نے خط لانے والے کو قتل کروا دیا۔ مصریوں نے پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے شکایت کی تو کچھ صحابہ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے؛ نے کہا کہ قوم نے آپ سے شکایت کی ہے اور یہ اس امیر کو معزول کرنا چاہتے ہیں لہذا آپ اس کو معزول کر دیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا آپ اسی کو مقرر فرما دیں جسے یہ اختیار کریں تو انہوں نے محمد بن ابوبکر کو چنا (اللہ ان سے اور ان کے بھائی صحابہ سے راضی ہو) تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں امیر مقرر کر دیا اور وہ سب مصری محمد بن ابوبکر کے ساتھ مصر کی جانب روانہ ہو گئے اور کچھ انصار و مہاجرین بھی ان کے ساتھ تھے تاکہ ابوعبداللہ کے معاملہ کو دیکھیں۔ پس اچانک ان کے پیچھے سے اونٹنی پر سوار ایک غلام آیا جو تیزی سے جا رہا تھا انہوں نے اس کے حال کی تفتیش کی تو بعض نے اسے پہچان لیا اور کہا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام ہے۔ ان کو اس کے پاس مروان بن حکم کا لکھا ہوا ایک خط ملا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوعبداللہ کو لکھا گیا تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ مصری محمد بن ابوبکر کے ساتھ واپس آ رہے ہیں۔ تو تم انہیں قتل کرنے میں بھرپور کوشش کرنا۔ وہ سب مدینہ واپس لوٹ آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ لوگ آپ سے

ناراض تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بدری صحابہ کی ایک جماعت نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا اللہ کی قسم میں نے نہ یہ خط لکھا، نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا اور نہ ہی مجھے اس بارے میں کچھ علم ہے۔ محاصرین نے کہا اگر یہ خط حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے تو ہم انہیں معزول کریں گے اور اگر مروان نے لکھا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اسے ہمارے حوالے کر دیں ہم خود اس سے تفتیش کر لیں گے پس آپ رضی اللہ عنہ نے اس خوف سے کہ وہ اسے قتل نہ کر دیں، ان کے حوالے نہ کیا۔

اگر کوئی کہے کہ آپ نے قتل سے بچنے کے لیے خلافت کیوں نہ چھوڑی؟ تو (اس کے جواب میں) میں کہوں گا کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے؛ جس کو امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عثمان! اللہ عزوجل تمہیں ایک قمیص پہنائے گا؛ اگر منافقین آپ سے اس کو اتارنے کا ارادہ کریں تو نہ اتارنا حتی کہ مجھ سے ملاقات کر لو''۔[1] یا ہم کہتے ہیں کہ آپ کو یہ امید نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کو قتل کر دیں گے لیکن انہوں نے اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

اب ہم باقی واقعہ کی طرف لوٹ آتے ہیں؛ تو یہ سب صحابہ کرام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے شکوہ وشکایت کرتے ہوئے لوٹ آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی کہ لوگ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو[2] ((آپ رضی اللہ عنہ نے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو حکم ارشاد فرمایا کہ اپنی اپنی تلواریں لو اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور ان تک کسی کو نہ جانے دو۔ حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی اپنے اپنے بیٹوں کو بھیج دیا تا کہ لوگوں کو ان تک پہنچنے سے روکیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ صحابہ کرام مروان کو نکالنے کا کہتے رہے۔ جب محاصرہ کرنے والوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے ان کے گھر کے دروازے پر تیر برسانے شروع کر دیئے حتی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے خون میں نہا گئے۔ ایک تیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود مروان کو لگا؛ اسی طرح محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک تیر لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر کا سر زخمی ہو گیا۔

پھر ان محاصرین میں سے ایک شخص کو اندیشہ ہوا کہ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی وجہ سے بنو ہاشم ناراض نہ ہو جائیں اور یوں یہ کھیل بگڑ نہ جائے۔ سو اس نے دو افراد کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا ''اگر بنو ہاشم آ گئے اور انہوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے زخمی چہرے کو دیکھ لیا تو لوگوں کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور سارا کھیل بگڑ جائے گا لہٰذا تم میرے ساتھ چلو اور ہم دیوار پھلانگ کر داخل ہوں اور انہیں اس طرح شہید کر دیں کہ کسی کو

[1] مسند احمد (الرسالۃ)، مسند الصدیقۃ عائشۃ، ج41، ص13

[2] اصل مخطوط میں واقعہ ادھورا ہے لہٰذا بقیہ حصہ ''الریاض النضرۃ'' سے استفادہ کرتے ہوئے شامل کیا گیا ہے تا کہ بات مکمل ہو جائے۔

کانوں کان خبر نہ ہو۔ پس انہوں نے ایک انصاری کے گھر سے دیوار پھلانگی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس طرح پہنچے کہ گھر کے بقیہ افراد کو علم نہ ہو سکا کیونکہ گھر کے تمام افراد گھر کی اوپری منزل میں تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے ساتھ نیچے تھے، پس انہوں نے آپ کو شہید کیا اور جہاں سے آئے تھے وہیں سے فرار ہو گئے، آپ کی زوجہ نے شور مچایا مگر باہر ازدحام کی بنا پر ان کا واویلا کسی نے نہ سنا پس وہ باہر آئیں اور خبر دی کہ "امیر المومنین شہید کر دیئے گئے"! حضرت امام حسن، حسین اور ان کے ساتھی جب اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں، وہ روتے ہوئے ان پر جھک گئے پھر اور لوگ آئے جنہوں نے انہوں مقتول پایا۔ یہ خبر حضرت علی، طلحہ، زبیر، سعد رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل مدینہ کو ملی تو وہ اس طرح نکلے کہ انہیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا، وہاں پہنچے تو انہوں نے بھی دیکھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ سب نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں سے کہا "امیر المومنین کیسے شہید کر دیئے گئے حالانکہ تم دروازے پر تھے؟" پھر آپ نے حضرت امام حسن کو تھپڑ مارا اور امام حسین کے سینے پر ہاتھ مارا نیز محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو خوب ڈانٹا۔))[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت[2]

((زبیر بن بکار کہتے ہیں، خوارج کے جو افراد جنگ نہروان کے بعد بچ رہے، انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ پس تین افراد اس کام کے لیے نکلے، ان میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی ذمہ داری لی پس وہ اپنے اس ناپاک ارادے سے کوفہ میں داخل ہوا اور اس کام کے لیے ایک ہزار درہم کی تلوار خرید کر اسے زہر میں بجھایا۔ اسی دوران اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں معلومات لینا اور حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کرنا شروع کر دی۔ ایک دن اس کی نظر ایک "قطام" نامی خوب صورت عورت پر پڑی جو خوارج کے ہم عقیدہ تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں نہروان کی جنگ میں اس کا والد اور بھائی مارے گئے تھے۔ ابن ملجم نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا میں اس سے شادی کروں گی جو مجھے میری مرضی کا مہر دے۔ ابن ملجم نے اس کا مطلوبہ مہر پوچھا تو اس نے کہا تین ہزار دینار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل، تو ابن ملجم کہنے لگا اللہ عزوجل کی قسم میں انہی کو دھوکے سے شہید کرنے کے ارادے سے آیا ہوں، اس کے علاوہ مجھے یہاں کوئی کام نہیں مگر جب تمہیں دیکھا تو میں نے تجھ سے نکاح کو ترجیح دی۔ اس پر وہ بولی یہ تب ہی ممکن ہے جب میرا کہا پورا ہو۔ ابن ملجم نے کہا اس صورت میں تو ان کا قتل تجھے یا مجھے کچھ فائدہ نہ دے گا نیز میں جانتا ہوں کہ میں نے اگر ان کو قتل کر دیا تو

---

[1] الریاض النضرۃ، الباب الثالث فی مناقب عثمان بن عفان، الفصل الحادی العشر فی مقتلہ، ج03، ص66

[2] اصل مخطوط میں حضرت علی کی شہادت کا ذکر نہیں غالب گمان یہی ہے کہ مصنف نے اس کا ذکر کیا مگر بعد میں کسی ناقل سے رہ گیا اس پر قرینہ اس فصل کا عنوان اور سیاق کلام ہے لہذا "الریاض النضرۃ" سے یہ پیراگراف شامل کیا گیا ہے تاکہ بات مکمل ہو جائے۔

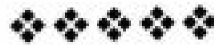
میں چھپ نہیں سکتا۔ اس عورت نے کہا اگر تم نے انہیں قتل کر دیا اور کامیابی سے نکل گئے تو تمہارا مقصد پورا ہو گیا اور پھر تمہارے دل کی شفاء تمہیں مل جائے گی یوں میرے ساتھ زندگی تمہیں مبارک ہوگی اور اگر تم مارے گئے تو اللہ کی بارگاہ کا اجر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ وہ بولا تجھے اختیار ہے جو تو شرط عائد کرے۔ وہ بولی میں تیرا مددگار تلاش کرتی ہوں پس اس نے اپنے چچا زاد، وردان بن مجالد کی طرف اسے بھیجا تو اس نے اس کی بات کو قبول کیا۔ راستے میں ابن ملجم کو شبیب بن نجرہ الاشجعی ملا تو ابن ملجم نے کہا اے شبیب! دنیا و آخرت میں تیرے لیے شرف کی بات کیا ہے؟ وہ بولا کیا؟ تو ابن ملجم بولا تم علی بن ابی طالب کے قتل پر میری مدد کرو۔ وہ بولا تجھے تیری ماں روئے تو کتنی بری چیز لایا! تو یہ کام کیسے کرے گا؟ وہ بولا علی کا کوئی محافظ نہیں، وہ اکیلے بغیر محافظ کے گھر سے مسجد آتے ہیں تو جب وہ مسجد کی طرف آ رہے ہوں گے تو ہم انہیں قتل کر کے ان سے نجات پا لیں گے اور اگر ہم نے انہیں قتل کر دیا تو دنیا و آخرت میں ہمارا چرچا ہوگا اور ہم سعادت مند ہو جائیں گے۔ شبیب نے کہا تیرا ناس ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ تو نبی کریم ﷺ پر اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں میں سے ہیں، اللہ کی قسم مجھے اس کام میں شرح صدر نہیں ہو رہا۔ ابن ملجم بولا تیرا ناس ہو انہوں نے اللہ کے دین میں غیر اللہ کو حکم بنایا اور ہمارے نیک و پارسا بھائیوں کو قتل کیا پس ہم انہیں اپنے بعض مقتولین کے بدلے میں قتل کریں گے لہذا تو اپنے دین میں ہرگز شک نہ لا۔ پس شبیب کو اس کی بات سمجھ آگئی اور اس نے حامی بھر لی حتی کہ وہ قطام نامی عورت کے پاس آئے جو کوفہ کی بڑی مسجد میں ایک خیمے میں معتکف تھی۔ یہ خیمہ اس نے خود اپنے لیے قائم کیا تھا۔ اس نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور انہوں نے اپنی اپنی تلواریں لیں اور جس گھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلتے تھے اس کے سامنے بیٹھ گئے پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے نکلے تو شبیب نے آگے بڑھ کر وار کیا مگر اس کا وار چوک گیا پھر ابن ملجم نے آپ کے سر مبارک پر وار کیا اور کہا اے علی! حکم اللہ عزوجل کا ہے، تیرا نہ تیرے ساتھیوں کا، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کتا بھاگ نہ پائے تو لوگوں نے چاروں جانب سے اسے گھیر کر پکڑ لیا۔ شبیب باب کندہ سے بھاگ نکلا پس جب ابن ملجم پکڑا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس کو قید کر دو، اگر میں وفات پا جاؤں تو اسے قتل کر دینا مگر مثلہ نہ کرنا اور اگر میں بچ گیا تو معافی و قصاص کا معاملہ میرے حوالے ہے۔ اس کو ابو عمر نے روایت کیا۔))[1]

تیرہویں فصل: کیا "کرم اللہ وجھہ" حضرت علی کے ساتھ خاص ہے؟

کیا "کرم اللہ وجھہ" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ان کے نام مبارک کو سن کر دعا کے لیے کہنا جائز ہے؟ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے جائز ہے۔ یہاں کلام ہے کہ مشہور یہی ہے کہ یہ لفظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے لیکن میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور دعا کی درخواست کی تو آپ نے اسے دعائے خیر دی پھر آپ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا جس نے کبھی بھی بت کو سجدہ نہ کیا ہو وہ میرے ساتھ

[1] الریاض النضرۃ، ص236، ج03

دعا میں شامل ہو جائے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے؛ نبی کریم ﷺ نے انہیں کچھ حکم نہ دیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو آپ نے انہیں دعا کا اشارہ کیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے رہے اور نبی کریم ﷺ اپنی رائے پر ثابت رہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "اللہ عزوجل آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی بت کو سجدہ نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعا کا اشارہ کیا اور معذرت چاہی" پس میں نے جان لیا کہ اس کا اطلاق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر دو وجہوں سے جائز ہے اول مذکورہ روایت اور ثانی وجہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا تو صرف اپنے رب کو سجدہ کرنے کی برکت سے اللہ تعالی نے انہیں ایمان سے مکرم فرمایا۔ (یہی وجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بھی پائی جاتی ہے) مگر جب یہ اہل شرع سے اذن پر موقوف تھا ورنہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر کیا جاتا جس نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا حالاں کہ یہ مسموع نہیں ہے، تو میں نے اس میں ہرگز جلدی نہیں کی حتی کہ میں نے "بحر المذاہب" میں دیکھا کہ اس لفظ کا اطلاق ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما پر کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔[1] [بحر المذاہب ملا عبد الوہاب قنوجی، مقصد خامس خلفہ رابع حضرت علی کی خلافت کا بیان، ص69] تو میں نے بھی اس میں جلدی کی۔ کثیر لوگ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے ہیں اور میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ" (الانعام:91) ترجمہ: "پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں کھیلتا"۔[1]



[1] امام ابن حجر ہیتمی سے سوال ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرم اللہ وجہہ لکھنے کی کیا حکمت ہے اور کیا یہ کلمہ کسی اور صحابی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا اس میں حکمت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا اس لیے مناسب یہ ہے کہ ان کے لیے وہ صیغہ استعمال کیا جائے جو ان کے چہرہ مبارکہ کی عظمت اور کرامت کے لائق ہو۔ ان کی اس فضیلت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں کیونکہ انہوں نے بھی کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا جیسا کہ مروی ہے۔ (فتاوی حدیثیہ ص42)

قسم اول کا تیسرا باب

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: ختنین رضی اللہ عنہما میں افضل کون؟

ختنین کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ صحیح اور مشہور مذہب یہ ہے کہ افضل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ہمارے نزدیک یہی پسندیدہ ہے۔ (اس پر کچھ دلائل درج ذیل ہیں:)

01: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "امت میں سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں"۔

02: ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا "رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ہم کہا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی امت میں آپ کے بعد افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں"۔[1] طبرانی نے یہ زائد کیا کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے انکار نہ کیا۔[2]

03: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کسی کو بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہ سمجھتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پھر ہم صحابہ کرام کو چھوڑ دیتے اور کسی کو فضیلت نہ دیتے۔[3]

04: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا حاصل ہے کہ صحابہ کرام کا جم غفیر کہا کرتا تھا امت میں سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں پھر ہم خاموش ہو جاتے۔[4] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام اس لیے نہ لیتے کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک کم تھی۔ حدیث میں صحابہ سے مراد عمر رسیدہ صحابہ ہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں خلفاء کے بعد افضل ہیں۔ اس کو سمجھ لے۔

05: میں نے ان کی شان میں وارد احادیث کو دیکھا تو سب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نام سے مقدم پایا۔ اسے لے لو۔ اگر چہ یقین اسے قبول نہ کرے مگر نظر صحیح اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو پالے گی۔

سلف کا مذہب تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم ہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی التفضیل، ج04، ص206

۲۔ المعجم الکبیر، باب العین، ج12، ص285

۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی التفضیل، ج04، ص206

۴۔ المعجم الکبیر، باب العین، ج12، ص345

افضلیت کی طرف جانے والوں کے مذہب میں توقف ہے وہ متاخرین میں سے ہیں اور کچھ علماء نے اس کی صراحت کی ہے؛ اسی وجہ سے قصیدہ امالیہ کے بعض شارحین نے مسعود الملۃ والدین تفتازانی پر طعن کیا، جب انہوں نے اس مسئلہ میں سلف سے توقف نقل کیا کہ ''ہم سوائے ابوالعباس القلانسی کے اسلاف میں سے کسی کو توقف کرنے والا نہیں پاتے۔ رہے ابوحنیفہ تو بعض نے ان سے یہ بات نقل کی ہے''۔ پھر کہا ''تفتازانی اہل تصحیح سے نہیں ہیں لیکن بعض متعصبین کے کلام میں ہے کہ'' کچھ اسلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدیم کے قائل ہیں، ان میں سفیان ثوری ہیں'' تو ان کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ دونوں روایتوں میں موافقت یوں ممکن ہے اس توقف سے رجوع کی روایت ان بعض کو مل گئی ہو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کرتے ہیں''۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مذہب صحیح ومشہور یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں۔ جیسا کہ امام محی السنہ النووی نے شرح صحیح مسلم میں ذکر کیا۔

دوسری فصل: افضلیت کا معنی

یہ فصل افضلیت کے اس معنی کے بیان میں ہے جو مبحوث عنہا ہے تا کہ کلام کی حقیقت اور ماہیت اللہ کے فضل اور مدد سے تیرے لیے واضح ہو جائے۔

پس جان لیں کہ ان کے قول ''فلان افضل من فلان'' احتمال رکھتا ہے کہ اس کا معنی ہو ''افضل ایسی صفت سے موصوف ہو جو مفضول میں نہ ہو'' مثلاً افضل عالم اور مفضول جاہل ہو، یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ''ان کے مابین مشترک صفت افضل میں بنسبت مفضول کے زیادہ ہے'' مثلاً افضل مفضول سے زیادہ علم والا ہے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ افضل تمام اعتبار سے اولی ہے۔

مبحوث عنہا افضلیت پہلے معنی کے اعتبار سے ہے یعنی صفتِ خاصہ میں راجح ہونا اور وہ صفت عند اللہ کثرتِ ثواب ہے لہٰذا اہل سنت کے قول ''ابوبکر عمر سے افضل ہیں'' کا معنی یہ ہے کہ ابوبکر کا ثواب عمر کے ثواب سے زیادہ ہے اور یہ عند اللہ ابوبکر کے عمر سے مرتبے میں زیادہ ہونے کو مستلزم ہے۔ یہ معنی اس بات کے منافی نہیں کہ مفضول بعض صفات میں افضل سے اولی ہو جائے مثلاً کرامتِ جوہریہ اور نفسانی خوبیاں جیسے شجاعت و بہادری وغیرہ اور جس کو اہل فضل فضیلت جانیں؛ بلکہ افضل سے مراد عند اللہ اعمال حسنہ کی کثرت کے سبب کثرتِ ثواب ہے۔

اعمال حسنہ

وہ اعمال جن کی مشقت اسلام اور اہل اسلام کی طرف راجع ہو۔ مثلاً ایمان میں سبقت، اسلام کی تقویت، مسلمانوں کی امداد وغیرہ اور یہ باتیں ابوبکر رضی اللہ عنہ میں زیادہ ہیں کیونکہ یہ سب سے پہلے اسلام لائے اور نبی کریم ﷺ اور اسلام کی مدد کرتے رہے، ان کے ہاتھ پر اکابر صحابہ مثلاً حضرت عثمان بن عفان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عثمان بن مظعون

رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام لائے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام میں اپنے گھر کے دروازے پر مسجد بنائی جس میں علانیہ نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھا کرتے اور قریش کے بچے اور عورتیں سنا کرتیں۔[1]

جب قریب تھا کہ دین کے شعار کو بدل دیا جاتا تو آپ نے کفار اور مرتدین سے قتال کیا اور اسلام کی مدد کی حتی کہ ایسا ہو گیا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو اسلام باقی نہ رہتا۔ جب تم نے اسے سن لیا تو یاد کرلو! کیوں کہ یہ بحث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر شیعہ کے دلائل کو رد کرنے میں تجھے نفع دے گی۔

تیسری فصل: ترتیب افضلیت قطعی ہے یا ظنی؟

کیا ترتیب افضلیت قطعی ہے؟ یوں کہ اس پر ترتیب امامت کی طرح دلیل قطعی پائی جائے؛ یا ظنی؟ یوں کہ اس کے دلائل ایسی نشانیاں اور قرائن ہوں جو اولویت اور رجحان کی طرف لے جائیں؟

رئیسِ اہل سنت شیخ ابوالحسن اشعری کا مذہب اس کے قطعی ہونے کا ہے اور قاضی باقلانی کا مذہب اس کے ظنی ہونے کا ہے۔ امام الحرمین ابوالحسین قدس سرہ اسی کے بارے میں "الارشاد" میں کہتے ہیں "مسئلہ تفضیل کی بنیاد اس پر ہے کہ افضل کو امام بنانا واجب ہے یا نہیں؟ اور اصح عدمِ وجوب ہے اس کے سوا اس افضلیت کی ترتیب پر کوئی دلیل نہیں، یہ ایسا مخفی امر ہے جس کا عقل ادراک نہیں کر سکتی، اور اخبار متعارض ہیں لیکن ظن غالب یہی ہے کہ ابوبکر صدیق افضل ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما میں اختلاف ہے" ان کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا۔

مواقف اور اس کی شرح میں ہے "مسئلہ افضلیت کے بارے میں کوئی قطعیت نہیں اور اخبار متعارض ہیں؛ اس کی غایت آخرت میں کثرتِ ثواب پر دلالت ہے اور یہ بات افضلیت کی قطعیت کو ثابت نہیں کرتی کیونکہ کثرتِ ثواب کا مدار کثرتِ اسباب پر نہیں ہے۔ امامت افضلیت کو ثابت نہیں کرتی تو اس پر سوائے اس کے کہ ہم نے مشائخ کو اس پر پایا اور ان سے ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ اگر ان کے پاس دلیل نہ ہوتی تو وہ ہرگز حکم نہ لگاتے؛ کے کوئی دلیل نہیں ہے۔[2] " ان کے کلام کا خلاصہ مکمل ہوا۔

اعتراض: افضلیت کا ظنی ہونا اس کے نزدیک تو مسلم ہے جو مذکورہ افضلیت پر اجماع کا دعوی نہیں کرتا۔ رہی اجماع کی صورت جیسا کہ مختار اور ارجح یہی ہے تو پھر ظنیت نہیں ہوگی کیوں کہ اگر انعقاد سے کوئی مانع نہ ہو تو اجماع دلائل قطعیہ سے ہے۔

جواب: اجماع تو افضلیتِ ظنیہ میں ہے اور صفت ظنیت اس مسئلہ میں محکوم بہ کی قید ہے نہ کہ حکم کو عارض ہے پس اس پر امامت کے سوا دلیل نہیں اور وہ افضلیت کو واجب نہیں کرتی کیونکہ سلف کا مفضول کی تقلید کرنا اس پر دلیل ہے۔ یہ صواعق کا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الکفالۃ، باب جوار ابی بکر فی عہد النبی، ج 03، ص 98

[2] شرح المواقف، المرصد الرابع، المقصد الخامس، الافضل بعد رسول اللہ، ج 8، ص 404

خلاصہ ہے۔ پھر کہا کہ اہل سنت افضلیت کے ظنی ہونے کے قائل ہیں اور شیعہ پر لازم ہے کہ وہ اس کو قطعی کہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ تواتر سے ثابت ہے۔ اہل بیت سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا اقرار اتنا مشہور ہے کہ انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا۔ یہی بات شیخ عبدالحق اور صاحب المفہم شرح صحیح مسلم نے کہی ہے۔ واللہ اعلم![1]

چوتھی فصل: ہر صحابیِ نبی جنتی ہونے پر دلائل

کہا گیا تمام صحابہ کرام جنتی ہیں۔ (قرآن وحدیث سے) استدلال کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے" لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ " ترجمہ:" تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ" یعنی فتحِ مکہ اور اسلام کی قوت سے پہلے" وَقٰتَلَ " اور جہاد کیا" یعنی کفار سے" اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ " وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ" یعنی فتح مکہ کے بعد" وَقٰتَلُوْا "،" اور جہاد کیا" کیونکہ جو اسلام کے قوی ہونے سے پہلے اسلام لایا اس کے مسلمان ہونے میں اخلاص زیادہ ہے اور محبتِ اسلام کا زیادہ لائق ہے بنسبت اس کے جو بعد میں اسلام لایا" وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى "،" اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا"۔

(الحدید:10)

تمام صحابہ کے جنتی ہونے پر احادیث

(اس باب میں کثیر احادیث ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:)

01: طبرانی اور حاکم نے آپ علیہ السلام سے روایت کیا" اللہ عزوجل نے مجھے چن لیا اور میرے لیے صحابہ کو چن لیا، ان میں سے بعض کو وزیر، بعض کو انصار اور بعض کو سسرالی رشتہ دار بنایا، پس جو ان کی برائی کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں

---

[1] مصنف کے اس کلام میں متر فضہ کے دلوں کی قطعاً شفا نہیں جیسا کہ ہمارے زمانے کے بعض متر فضہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جب مسئلہ افضلیت کی قطعیت اور ظنیت میں علما کا اختلاف ہے تو یہ ضروریات اہل سنت سے کیسے ہو گیا؟ اسی طرح ان کے بعض نے کہا اگر یہ مسئلہ قطعی ہوتا تو امام باقلانی اسے ظنی کیوں کہتے؟ تو ان سب کا اجمالی جواب یوں ہے کہ قطعی کی دو قسمیں ہیں، اول قطعی بالمعنی الاخص یعنی ایسی قطعیت جس میں تمام اہل قبلہ شریک ہوں اور اس میں ظن کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو۔ یہ قطعیت ضروریات دین میں ہوتی ہے۔ ثانی قطعی بالمعنی الاعم یعنی ایسی قطعیت جس میں تمام اہل سنت شریک ہوں اور یہ قطعیت ضروریات اہل سنت میں ہوتی ہے، اسی کو قطعی بالمعنی الاعم یا ظنی بالمعنی الاخص کہا جاتا ہے۔ اب مذکورہ تقسیم کی روشنی میں غور کیا جائے تو بات واضح ہے کہ مسئلہ افضلیت کے قطعی ہونے اور ظنی ہونے میں ذرا تعارض نہیں کیونکہ جو قطعی کہتے ہیں ان کی مراد بالمعنی الاعم ہے اور جو ظنی کہتے ہیں وہ قطعیت بالمعنی الاخص کی نفی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ ضروریاتِ اہل سنت سے ہے اور جو اس میں اختلاف کرے وہ دائرہ سنیت سے خارج اور گمراہ ہے۔ تفصیل کے لیے سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی مایہ ناز تصنیف" مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" اور مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کی" انبیائے کرام کے بعد افضل کون؟" کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ عزوجل اس کی فرضی اور نفلی عبادت کو قبول نہ فرمائے گا''۔ [1]

02: ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا'' ہرگز اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت کرنے والے کی زیارت کی''۔ [2] یعنی میری متابعت پر ثابت قدم رہا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ'' (التوبہ:100) (ترجمہ:) ''اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو (پیروی کرنے والے) ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی'' یعنی صحابہ کرام کی اتباع کرنے والے۔

03: دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور بزار نے روایت کیا سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: '' جب اللہ عزوجل کسی سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو میرے صحابہ کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے''۔ [3]

04: طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا: '' جس نے میرے صحابہ کی برائی کی اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو''۔ [4]

05: ترمذی کی روایت ہے'' جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کرام کی برائی کرتے ہیں تو کہو تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو''۔ [5]

06: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے'' میرے صحابہ کرام ستاروں کی طرح ہیں، تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے''۔ [6]

07: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں'' میرے صحابہ میں سے جو کسی زمین پر فوت ہو تو وہ اس زمین والوں کے لیے شفیع ہوگا''۔ [7]

08: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے'' خوش خبری ہو اسے جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا''۔ [8]

1۔ المعجم الکبیر، باب العین، ج17، ص140

2۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل من رای النبی، ج06، ص177

3۔ التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الھمزۃ، ج01، ص66

4۔ المعجم الکبیر، باب العین، ج12، ص142، الصواعق المحرقۃ، المقدمۃ الاولی، ج01، ص14

5۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب فیمن سب اصحاب النبی، ج06، ص180

6۔ شرح مسند ابی حنیفۃ للقاری، ذکر اسنادہ عن القاسم بن عبد الرحمن، ج01، ص498

7۔ مسند البزار، مسند بریرہ بن الحصیب، ج10، ص308

8۔ مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر فضائل الامۃ بعد الصحابۃ والتابعین، ج04، ص96

09: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا" اللہ عزوجل نے میرے لیے میرے صحابہ کرام کو چن لیا اور ان میں سے میرے مددگار اور سسرالی رشتہ دار بنائے۔ آخر زمانے میں ایک قوم آئے گی جو ان سے بغض رکھے گی، خبردار ان کے ساتھ نہ کھانا کھانا، نہ پانی پینا، نہ ان سے نکاح کرنا، نہ ان کے ساتھ یا ان پر نماز پڑھنا اور لعنت ان پر حلال ہو گئی"۔[1]

صحابہ کی ترتیب بر سبیل افضلیت

بیعتِ رضوان والے صحابہ

صحابہ میں افضل حدیبیہ والے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی اور یہ چار ہزار مرد تھے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ" (الفتح:18) ترجمہ: "بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان جیسا کوئی نہیں ہے" اور فرمایا: "جو بدر یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ان میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہ ہوگا"۔[2]

اصحاب احد

پھر ان سے افضل اہل احد ہیں۔ غزوہ احد وہ غزوہ ہے جس میں مسلمانوں کو آزمائش اور مصیبت ملی اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہوئے؛ بعض علما کا گمان ہے کہ وہ مکمل ٹوٹ کر دہن مبارک سے نیچے تشریف لے آئے تھے مگر درست یہ ہے کہ ان کا کچھ حصہ ٹوٹا تھا۔ اس میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ اور عشرہ مبشرہ بھی اہل احد سے ہیں؛ اس غزوہ میں مشرکین کے سردار ابوسفیان اموی تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے والد تھے۔ یہ دونوں فتح مکہ کے سال ایمان لے آئے تھے اور دونوں کا شمار کبار صحابہ میں ہونے لگا۔

اصحاب بدر

پھر ان سے افضل بدری صحابہ ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ اسلام کے بڑے واقعات میں سے ہے۔ اس میں کفار کا ایک جم غفیر تھا اور صحابہ کرام تھوڑی تعداد میں پانی سے خالی جگہ میں تھے۔ سو اللہ عزوجل نے اسلام کی شوکت کو ظاہر فرمایا اور سید الانام کے دشمن مارے گئے نیز سید المرسلین کی مدد کے لیے فرشتے اترے اور مشرکین کی مدد کے لیے شیاطین آگئے۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت تین سو تیرہ تھی جو مرسلین اور طالوت کے ساتھیوں کی تعداد کے موافق تھی۔

---

[1] الکفایہ فی علم الروایہ، ص 48

[2] [illegible]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نظر فرمائی اور فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا''۔[1]
وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے انہیں بقیہ تمام فرشتوں پر شرف ومنزلت حاصل ہے۔
علامہ دوانی نے محدثین سے نقل کیا ''اہل بدر کے ذکر کر کے دعا کرنے سے دعا قبول ہوتی ہے اور یہ میری تجربہ شدہ بات ہے۔ اے اللہ! ہمیں سنت کے طریقہ پر ثابت قدمی عطا فرما اور سید المرسلین اور آپ کے تمام صحابہ کی حرمت کے صدقے دنیا و آخرت کی رسوائی سے ہمیں بچا''۔

عشرہ مبشرہ صحابہ کرام

پھر ان سے افضل عشرہ مبشرہ ہیں۔ یہ وہ افراد ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی اور فرمایا: ''ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین''۔[2] ان کی فضیلت میں کثیر احادیث وارد ہیں۔
اعتراض: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا: ''حضرت حمزہ شہید کیے گئے اس حال میں کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں، مصعب بن عمیر شہید کیے گئے اس حال میں کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں''۔
اس کے چند جواب ہیں:
1) یہ فرمان تواضع و عاجزی پر محمول ہے۔ 2) خیریت افضلیت سے اعم ہے۔ 3) شیخ ابن حجر مکی نے فرمایا: عشرہ مبشرہ کی افضلیت اس پر ہے جو آپ علیہ السلام کے زمانہ میں شہید نہ ہوا جب کہ یہ دونوں آپ علیہ السلام کے زمانے میں شہید ہوئے۔ مخفی نہ رہے یہ قول باطل ہے اور اہل سنت اور ان کے غیر؛ شیعہ وغیرہ کے اجماع کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم!
عشرہ مبشرہ میں افضل ابوبکر صدیق پھر عمر بن خطاب پھر عثمان بن عفان پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے فضائل میں کثیر احادیث ہیں جو کہ تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں اور یہ صحابہ کرام کے سردار ہیں۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ افضل ابوبکر پھر عمر بن خطاب ہیں اور اہل سنت میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور جس نے انکار کیا وہ سنی نہیں رہا۔ جو شخص معتبر علماء سے اس مسئلہ کا انکار روایت کرے اس کی روایت معتبر نہیں۔ اس کو پلے باندھ لے۔ البتہ لوگوں نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں اختلاف کیا؛ جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔ شیخ عبدالحق نے کہا ''صحابہ کرام کی افضلیت کی یہ ترتیب مجمع علیہ ہے؛ اس کو ابو منصور التمیمی نے نقل کیا''۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب لا تتخذوا عدوی الخ، ج06، ص149

[2] سنن ترمذی (شاکر) ابواب المناقب، مناقب عبدالرحمن بن عوف، ج05، ص647

پانچویں فصل: مبشرین بالجنۃ صحابہ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیعتِ رضوان والے، اہل بدر، عشرہ مبشرہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، ان کے دونوں شہید بیٹے، خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، عائشہ صدیقہ علیا، حضرت حمزہ وعباس، سلمان، صہیب اور عمار بن یاسر وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین ان افراد میں سے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ جنتی ہونے کی بشارت دی کیونکہ ان کے بارے میں صحیح اخبار وارد ہیں۔ (جو مندرجہ ذیل ہیں:)

01: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہیں ہو گا"۔[1]

انہیں کے بارے میں کلام مجید میں وارد ہوا "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ" (ترجمہ:) "بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے" (الفتح:18)۔

02: آپ علیہ السلام نے فرمایا: "وہ شخص آگ میں داخل نہیں ہوگا جو بدر یا حدیبیہ میں حاضر تھا"[2] دوسری روایت کے الفاظ ہیں "اللہ عزوجل نے اہل بدر پر نظر فرمائی اور فرمایا تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہیں بخش دیا"۔[3] اور حدیث میں ہے "ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، الخ" گزشتہ فصل میں گزری مگر اس میں عبیدہ بن جراح مذکور نہیں ہیں۔

03: آپ علیہ السلام نے فرمایا: "فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہے[4] اور حسن وحسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں"۔[5] اس کے علاوہ کثیر احادیث ہیں اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو جنت کی بشارت کو عشرہ مبشرہ سے خاص گمان کرتے ہیں۔ شیخ محقق عبدالحق دہلوی نے ان کے قول کی قباحت کو بیان کیا اور فرمایا: یہ گمان محض غلط اور واضح جہالت ہے۔

اعتراض: ان دس کی بشارت کے ساتھ وجہ شہرت کیا ہے؟

جواب: یہ ان بدعتیوں کا رد ہے جو ان کی برائی کرتے، طعن کرتے اور انہیں عیب لگاتے ہیں۔ پس علماء نے ان کے ذکر کا اہتمام کیا کیونکہ روافض کی کثرت تھی اور لوگوں کے درمیان روافض کا مذہب پھیل رہا تھا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عشرہ مبشرہ کی بشارت قطعی ہے اور ان کے علاوہ کی ظنی ہے جو ان دس کی بشارت کی قوت، شہرت اور تواتر کو نہیں پہنچ سکی۔ یہ جواب

---

[1] صحیح ابن حبان، تابع لکتاب السیر، باب الخروج وکیفیۃ الجہاد، ج11، ص127

[2] سنن ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب ذکر البعث، ج05، ص345

[3] صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب لاتتخذ واعدوی الخ، ج06، ص149

[4] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر مناقب فاطمۃ، ج03، ص164

[5] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر مناقب حذیفۃ بن یمان، ج03، ص429

احادیث میں عدم تتبع اور عدم تدبر کا نتیجہ ہے اور حق بات یہ ہے کہ خلفاء راشدین، حضرت فاطمہ اور ان کے شہزادوں رضی اللہ عنہم کی بشارت مشہور اور تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہ ''تکمیل الایمان وتقویۃ الاتقان'' میں شیخ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

باقی رہے وہ صحابہ کرام جن کے بارے میں بشارت نہیں تو کہا گیا کہ وہ سب کے سب جنتی ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح نہ کہا جائے بلکہ ان کے لیے غیر صحابہ سے بڑھ کر جنت کی امید رکھی جائے۔ رہے عام مسلمان تو ہم ان کے بارے میں جنتی یا جہنمی ہونے میں سے کسی کی شہادت نہیں دیتے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ مومنین جنتی اور کافر جہنمی ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یوں کہا جائے کہ فلاں اگر ایمان پر فوت ہوا تو وہ جنتی ہے اور اگر کفر پر مرا تو وہ جہنمی ہے۔

چھٹی فصل: حضرت عائشہ کی حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہما) پر فضیلت

(اس میں چار مذاہب ہیں:)

پہلا مذہب: بعض علماء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے قائل ہیں۔ (ان کے دلائل درج ذیل ہیں:)

01: آپ رضی اللہ عنہا کی فقاہت۔

02: آپ کی اعلمیت۔

03: صحابہ کرام کا استفتا کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا۔

04: آپ علیہ السلام کا فرمان ہے'' عائشہ کی عورتوں پر فضیلت ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت کھانوں پر''۔[1]

05: ''کشف العقیدہ'' میں ہے: ''حضرت عائشہ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی بقیہ بیٹیوں سے افضل ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے''۔

06: بعض نے کہا وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک درجہ میں ہوں گی اور فاطمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درجہ میں ہوں گی اور نبی کریم ﷺ کا مقام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام سے ارفع واعلیٰ ہے پس صدیقہ کا درجہ اعلیٰ اور ثواب زیادہ ہے اور افضلیت سے مراد بھی یہی ہے۔ بعض نے کہا'' جو حضرت زہرا کو صدیقہ سے افضل کہے وہ رافضی ہے''۔ اسے نور الدین فاروقی اور ابن سراج نے روافض کے اقوال میں ذکر کیا جیسا کہ مقدمہ الکتاب میں ہم نے بیان کیا۔ بعض لوگ حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے صدیقہ کو ان کے والد ابوبکر (رضی اللہ عنہما) پر فضیلت دی مگر یہ ہرگز معقول نہیں۔

دوسرا مذہب: بعض علماء حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے قائل ہیں۔ (ان کے دلائل درج ذیل ہیں:)

01: حدیث میں ہے'' عالم کی سب سے افضل اور اکمل عورتیں مریم بنت عمران، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون رضی اللہ عنہن ہیں''۔[2] عسقلانی نے کہا یہ روایت حضرت فاطمہ کے حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہما) سے افضل

[1] صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب فضل عائشۃ، ج 05، ص 29

[2] مستدرک علی الصحیحین، کتاب تواریخ المتقدمین الخ، ذکر نبی اللہ الخ، ج 02، ص 650

ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

02: روایت ہے" فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں"۔[1] یہ حدیث ان کی تمام عورتوں حتی کہ حضرت مریم اور آسیہ رضی اللہ عنہما سے افضلیت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ امام سیوطی نے ذکر کیا مگر حضرت مریم رضی اللہ عنہا ان بعض احادیث کی رو سے مستثنیٰ ہیں جو حضرت زہرا کی فضلیت میں ہیں۔ پس یہ مساوات کا احتمال رکھتی ہیں یا اس کے عکس کا (یعنی حضرت مریم افضل ہوں)۔

03: حدیث میں ہے"اس امت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسے ہی ہیں جیسے مریم اپنی قوم میں"۔[2]

مذہب اول کے دلائل کا جواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں وارد حدیث میں لفظ نساء سے مراد مذکورہ خواتین کے علاوہ ہیں تا کہ ادلہ کو جمع کیا جاسکے جیسا کہ عسقلانی نے ذکر کیا۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کے درجے میں ہوں گی کیوں کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے انہیں فرمایا:" میں، تم، علی، حسن اور حسین جنت کے ایک درجہ میں ہوں گے"۔[3]

امام سیوطی نے کہا مذاہب میں اصح مذہب یہی ہے کہ حضرت فاطمہ کو حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہما) پر فضیلت ہے اور امام مالک سے اس بارے میں سوال ہوا تو فرمایا:" فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے جگر کا ٹکڑا ہیں اور آپ علیہ السلام کے جگر کے ٹکڑے پر کسی کو فضیلت نہیں"۔ تاج الدین سبکی شافعی نے کہا" ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں پھر ان کی والدہ پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا"۔[4]

تیسرا مذہب: بعض علماء مساوت کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے" عورتوں میں سب سے افضل حضرت فاطمہ، خدیجہ، عائشہ، مریم اور آسیہ رضی اللہ عنہن ہیں"۔[5]

چوتھا مذہب: اس مسئلہ میں توقف کیا جائے، میرے (یعنی مصنف کے) نزدیک یہی پسندیدہ ہے اور اس میں سلامتی ہے کیونکہ افضلیت سے مراد اگر جوہری کرامت اور فضیلت ذاتیہ مراد ہو تو فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں مگر یہ مبحوث عنہا نہیں

[1] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر مناقب فاطمہ، ج03، ص164

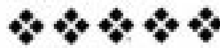
[2] حدیث 9616، ص284، ج10

[3] یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہ ملی مگر امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا" جنت میں سب سے پہلے میں، فاطمہ، حسن اور حسین داخل ہوں گے"۔ (مستدرک للحاکم، حدیث 4723، ص164، ج03)

[4] ارشاد الساری، باب فضل عائشہ، ج06، ص141

[5] مسند امام احمد مخرجا، ح2668، ج04، ص409

اور اگر نبی کریم ﷺ کا زیادہ محبوب ہونا ہے تو اس معنی میں احادیث متعارض ہیں؛ کچھ احادیث میں ہے "عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں علی رضی اللہ عنہ ہیں" [1] اور کچھ میں ہے "عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب عائشہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں ان کے والد رضی اللہ عنہ ہیں"۔ [2] اگر مراد کثرتِ ثواب ہو تو یہ ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور احادیث اس بارے میں متعارض ہیں لہذا توقف کی راہ؛ راہِ سلامت ہے جیسا کہ بعض شوافع اور احناف اسی طرف گئے ۔رہا احادیث کو جمع کرنا تو یہ حیثیات کے اختلاف اور اضافات کے اعتبار سے ممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!



---

[1] الصواعق المحرقۃ، الفصل الثانی فی فضائلہ، ج02، ص354

[2] سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب من فضل عائشۃ، ج06، ص189

قسم اول کا تیسرا باب

امامت کی بحث

یہ امامت کی مباحث کے بیان میں ہے۔

یہ مسئلہ فروع کے زیادہ لائق ہے کیونکہ امام کو مقرر کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ واضح ہے کہ یہ مسئلہ احکام عملیہ سے ہے نہ کہ اعتقادیہ سے؛ مگر اس معاملے میں روافض اور خوارج نے فاسد اعتقادات ظاہر کر دیے تو متکلمین نے اس کو علم کلام سے ملحق کر دیا۔ اس میں کچھ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: امامت کی تعریف

اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔

پہلی تعریف: کسی شخص کے لیے دین و دنیا کے معاملات کی ریاست عامہ کو امامت کہتے ہیں۔ اس تعریف میں عامہ کی قید قاضی وغیرہ کو نکالنے اور آخری قید تمام افراد کی اکٹھے امامت کرنے کو نکالنے کے لیے لگائی گئی، کیوں کہ تمام افراد شخص واحد نہیں ہو سکتے۔ یہ تعریف نبوت سے ٹوٹ جاتی ہے۔

دوسری تعریف: امامت: اقامت دین میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت کو کہتے ہیں کہ تمام امت پر اس کی اتباع فرض ہو۔ اس میں آخری قید سے قاضی، اس کی مثل اور مجتہد نکل گئے کیونکہ مجتہد کی پیروی صرف اسی پر واجب ہے جو اس کی تقلید کرے۔ یہ تعریف صاحب مواقف کی پسندیدہ ہے۔

دوسری فصل: تقرر امام کا وجوب

زمانہ نبوت ختم ہونے کے بعد امام مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر واجب ہے تو اللہ پر واجب ہے یا ہم پر؟ نیز یہ وجوب عقلی ہے یا سمعی؟ ان میں علماء کا اختلاف ہے۔ (اس میں کچھ مذاہب ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں)۔

خارجیوں کا مذہب ہے کہ مطلقا واجب نہیں۔ امامیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر عقلا واجب ہے۔ ابوبکر اصم [1] کہتا ہے کہ حالتِ امن میں واجب نہیں کیونکہ حاجت نہیں ہے۔ غوطی [2] اس کے عکس کا قائل ہے کہ حالتِ امن میں واجب ہے اور

1۔ عبدالرحمن بن کیسان، ان کا نام ابوبکر الاصم، یہ معتزلی فقیہ مفسر اور فصیح اللسان تھا اور اس نے علاف معتزلی کے ساتھ مناظرے بھی کیے اس کی چند تصانیف ہیں ان میں سے تفسیر القرآن بھی شامل ہے، اور سن 225ھ میں اس نے وفات پائی۔ (لسان المیزان حرف العین، ج 03، ص 427، الاعلام للزرکلی، حرف العین، ج 03، ص 323)

2۔ ''ھشام غوطی غوطہ کی طرف منسوب ہے جو کثیر پانی اور درختوں والی جگہ ہے'' المرصد الرابع، المقصد الرابع، ج 08، ص 377 اور کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے وہ ھشام بن عمر الفواطی، معتزلہ کے فرقہ ہاشمیہ والے۔ کشف الظنون، ج 02، ص 1741

حالت فساد میں واجب نہیں کیونکہ ظالم لوگ اس کی اطاعت نہ کریں گے تو یہ فتنہ کا سبب ہوگا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم پر عقلی طور پر واجب ہے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک ہم پر سمعی طور پر واجب ہے اور یہی حق ہے۔ سب سے پہلے ہم باطل مذاہب کو رد کریں گے پھر اہل سنت و جماعت کے نزدیک جو حق ہے اس کو ثابت کریں گے۔

خارجیوں کی دلیل یہ ہے کہ امام مقرر کرنے میں فتنہ کو بھڑکانا ہے کیونکہ خواہشات میں اختلاف ہوتا ہے تو ہر قوم اپنے کسی شخص کی امامت کا دعویٰ کرے گی یوں ان میں جھگڑا ہوگا جیسا کہ فی الحال مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ ان کو جواب دیا گیا کہ تقرر کو ترک کرنے کا فتنہ زیادہ ہے لہذا تھوڑے شر کی وجہ سے بڑی خیر کو چھوڑنا بھی کثیر شر ہے۔

امامیہ نے یوں دلیل دی کہ نصبِ امام لطف ہے [1]

جس سے بندہ نیکیوں کے قریب ہوتا اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔ (لہذا یہ اللہ پر واجب ہے)

اس کے چند جواب ہیں:

1) اللہ عزوجل پر کچھ واجب نہیں جیسا کہ یہ بات سابقہ ابواب میں مدلل گزری۔ یہ عمدہ جواب ہے۔

2) امام مقرر کرنا کچھ خرابیوں کو متضمن ہوتا ہے اگرچہ وہ قلیل ہوں لہذا یہ لطف محض نہ ہوا کہ خالص لطف تو تب ہوتا جب یہ تمام مفاسد سے خالی ہوتا۔

3) لطف تو یہ تب ہو جب امام ظاہر ہو اور قبائح سے روکنے والا ہو اور یہ بات شیعہ کے نزدیک لازم نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مہدی چھپے ہوئے ہیں، اس کے باوجود وہ امام ہیں۔

صاحب تجرید نے انہیں جواب دیا کہ امام کا وجود لطف ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''زمین کبھی بھی ایسے امام سے خالی نہیں ہوتی جو حجت کو قائم کرنے والا ہو برابر ہے کہ ظاہر و مشہور ہو یا خوف کی وجہ سے پوشیدہ ہوتا کہ بندوں پر اللہ عزوجل کی حجت باطل نہ ہو''۔ اس جواب کا فساد مخفی نہیں کیونکہ امام سے غرض تو احکام کو نافذ کرنا ہے اور پوشیدہ ہونے کی صورت میں تنفیذ احکام متصور نہیں؛ لہذا یہ لطف بھی نہ ہوگا۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کا جواب تو اس میں احتمال ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہ ہو۔

اعتراض: امام محض لطف ہے اگرچہ پوشیدہ ہو کیونکہ مکلف جب اس کے وجود کا قائل ہوگا تو اس کے ظہور سے خائف ہو کر قبائح سے رک جائے گا۔

جواب: کسی بھی وقت میں فقط اس کی تخلیق و ایجاد کا حکم ہی اس معنی کے لیے کافی ہے کیونکہ مکلف اس حاکم کے ظاہر

---

[1] لطف سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے احسان اور فضل کرتے ہوئے مخلوق کو پیدا کیا۔ تو جس طرح وہ بطور تکوین ان کی تربیت کا والی ہے تو اسی طرح تشریع کی جہت سے بھی ان کی سعادت مند کاموں کی طرف راہنمائی کا ذمہ دار ہے۔ یہاں لطف سے یہی مراد ہے۔ پس لطف بندے کو نیکی کے قریب اور گناہ سے اس طرح دور کرتا ہے کہ مکلف کی قدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

ہونے سے ڈرتا ہے جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ سلطان اسے بھیج دے گا؛ جس طرح وہ اس حاکم کے ظہور سے ڈرتا ہے جو کسی قریہ میں پوشیدہ ہو یوں کہ اس کا کوئی اثر و علامت نہ ہو۔ اسی طرح شرح تجرید میں ہے۔

اصم کی دلیل یہ ہے کہ امام کو مقرر کرنے سے غرض فتنہ کو ختم کرنا ہے تو جب فتنہ نہ ہو تو اس کی حاجت نہیں۔ اس کا ردیوں کیا گیا کہ فتنہ کے وقت جدید امام کو مقرر کرنا تو بہت مشکل ہے۔ ہاں اگر وہ پہلے سے مقرر ہوگا اور اپنی امامت کے معاملات میں مشغول ہوگا تو فتنہ ختم ہو جائے گا۔ غوطی کے استدلال کا بطلان ظاہر ہے۔

اہل سنت و جماعت کے دلائل

اہل سنت و جماعت کے دلائل درج ذیل ہیں:

01: صحابہ کرام کا اجماع ہے کیونکہ انہوں نے اس کو تمام واجبات پر مقدم رکھا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی تدفین پر اسے مقدم رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو اس کی دعوت دی تو صحابہ نے اس میں جلدی کی اور کہا آپ نے سچ کہا۔

02: شارع نے حدود کو قائم کرنے، اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور اسلام کے دشمنوں سے جہاد کو واجب قرار دیا اور یہ امور بغیر امام کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور جس کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

03: تکالیف کو دور کرنا اور منافع کا حصول امام کے مرہون منت ہے اور ہر وہ امر جو ایسا ہو وہ واجب ہوتا ہے۔ صغریٰ کا ثبوت یہ ہے کہ یہ اشیا ضروریات کے قریب ہیں۔ مضبوط حاکم کے نہ ہونے سے جن فتنوں کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ اس پر بطور شاہد کافی ہیں۔ بلکہ اس طرح کی چیزیں تو بے زبان حیوانات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی، ٹڈی وغیرہ اور رہا دلیل کا کبریٰ تو اس پر اجماع ہے۔

تیسری فصل: امامت کی شرائط

(اس کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں:)

01: مسلمان ہونا؛ کیونکہ کافر دین کو ڈھانے اور کفر کو بلند کرنے میں کوشاں رہے گا۔ نیز اللہ عزوجل نے فرمایا "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا" (النساء:141) ترجمہ: "اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا"۔

02: آزاد ہونا؛ کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ لوگ اس کی پیروی سے عار محسوس کرتے ہیں۔

03: مرد ہونا؛ کیونکہ عورت میں ہیبت نہیں ہوتی نیز دین و عقل میں (از روئے نص) ناقص ہوتی ہے اور اس پر پردہ لازم ہے۔

04: بالغ ہونا؛ کیونکہ بچہ احکام نافذ نہیں کر سکتا اور اس کے پاس بہادری، تدبیر اور رائے معدوم ہوتی ہے۔

05: شجاعت؛ کیونکہ بزدل جنگ، سرحد کی حفاظت اور معرکوں میں ثابت قدمی قائم نہیں رکھ سکتا۔
06: صفت اجتہاد؛ تاکہ احکام کو نافذ، شکوک کو دور اور جھگڑوں کو نمٹا سکے۔
07: صاحب الرائے ہونا؛ تاکہ جنگوں کی تیاری اور لشکروں کی ترتیب کر سکے۔
08: عادل ہونا؛ کیونکہ ظالم بھیڑیا اور رعایا بکریوں کی طرح ہے سو اس میں ان کا نقصان ہے جبکہ امام مقرر کرنے سے غرض یہ ہے کہ رعایا کو خوشی اور انصاف مہیا ہو۔
09: قرشی ہونا؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ائمہ قریش سے ہوں گے''۔[1] نیز فرمایا: ''حاکم قریش سے ہوں گے''[2] اور فرمایا ''قریش کو مقدم کرو''۔[3] اور اس لیے بھی کہ اس کے شرف کی وجہ سے لوگ اس کی اطاعت میں عار نہ جانیں گے۔

اس شرط میں خوارج اور اکثر معتزلہ کا اختلاف ہے۔ ان کا استدلال نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہے ''اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو اگرچہ وہ نک کٹا حبشی غلام ہو''۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس کے حق میں ہے جس کو امام نے کسی معاملے میں مقرر کیا ہو تاکہ ادلہ کے مابین توفیق ممکن ہو۔ یا ہم کہتے ہیں کہ اس کی متابعت علی سبیل الفرض ہے۔ اس تاویل پر دلیل یہ ہے کہ ہمارا اور تمہارا اس پر اجماع ہے کہ غلام کی امامت جائز نہیں ہے۔

10: صحیح و سالم ہونا؛ کہ اندھا، بہرا اور گونگا نہ ہو کیونکہ ایک تو ان میں ہیبت نہیں ہوتی اور دوسرا لوگ انہیں حقیر جانتے ہیں۔

یہ دس شرائط ہیں جو اہل سنت و جماعت کے علما نے اپنی تصانیف میں ذکر کی ہیں۔ تفتازانی نے ''التھذیب'' میں ذکر کیا کہ حالتِ اضطرار میں طاقت و دبدبے والا کافی ہے برابر ہے کہ اسے مقرر کیا گیا ہو یا وہ خود قابض ہو گیا ہو کیونکہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔[4] مخفی نہ رہے کہ خلفاء راشدین کے بعد صفات مذکورہ سے متصف امام کے تقرر پر اتفاق کم ہی ہوا ہے۔

شیعہ کی شرائط امامت اور ان کا رد

شیعہ نے اس میں چند امور کی شرط لگائی ہیں:
01: علوی ہونا۔ اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔
02: افضلیت۔ اس پر ان کی دلیل یہ ہے کہ مفضول کو مقدم کرنا قبیح عقلی ہے اور مساوی کی تقدیم ترجیح بلا مرجح ہے۔ اس کا

[1] المعجم الکبیر، باب الالف، حدیث 725، ص 252، ج 1
[2] السنۃ لابن ابی عاصم، حدیث 1542، ص 640، ج 2
[3] مجمع الزوائد، حدیث 16450، ص 25، ج 10
[4] تہذیب المنطق والکلام، ص 122]

جواب یہ ہے کہ ہم قبح عقلی کو تسلیم نہیں کرتے نیز کبھی مفضول افضل سے زیادہ امامت کے مصالح کا عارف ہوتا ہے۔
بعض اہل سنت نے ان کے جواب میں یوں استدلال کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امامت کو چھ افراد کی شوریٰ کے مابین رکھ دیا حالانکہ ان میں بعض بعض سے افضل تھے۔ تیسرا جواب یہ کہ افضلیت مخفی امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ کہا گیا یہ جواب شیعہ کے خلاف حجت نہیں بن سکتا کیونکہ وہ امام کے تقرر کو اللہ عزوجل پر واجب قرار دیتے ہیں نہ کہ انسانوں پر مگر میں کہتا ہوں (یعنی مصنف) ہرگز نہیں بلکہ یہ صلاحیت رکھتا ہے (کیونکہ عدم وجوب...... [1]

03: جمیع مسائل کا علم ہونا۔ اس کا رد کیا گیا کہ یہ تو بدیہی طور پر محال ہے۔

04: اس کے ہاتھ پر معجزہ کا ظہور ہونا۔ دعویٰ امامت میں ان مذکورہ تین شرائط کا بطلان آئندہ کی اس بحث سے واضح ہوجائے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت بالاجماع ثابت ہے اور ان کے ہاتھ پر معجزہ کا ظہور نہ ہونا بھی اجماعی طور پر ثابت ہے۔

05: معصوم ہونا۔ اور اس شرط پر ان کے پاس چند شبہات ہیں (جو مع جواب مندرجہ ذیل ہیں:)

شبہ اول: اگر عصمت واجب نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا۔ لزوم اس طرح کہ امامت کی حاجت اس لیے ہوتی ہے کہ لوگوں سے علم وعمل میں خطا کا صدور جائز ہے تاکہ امام ان کو زجر کرسکے پس اگر امام سے بھی خطا جائز ہو تو ایک اور امام کی حاجت پیش آئے گی جو اس کو زجر کرسکے سو اسی طرح سلسلہ چلے گا تو تسلسل لازم آئے گا۔

اس کے چند جواب ہیں:

1) عدم عصمت سے لازم نہیں آتا کہ امام سے قبیح کا صدور واجب ہو جیسا کہ ان شاء اللہ اس کی تحقیق آئے گی۔ 2) شرح تجرید میں ہے تقرر امام کی حاجت وہ نہیں جو انہوں نے ذکر کی بلکہ اس کا محوج اس بات کا خوف ہے کہ کہیں چوروں، ڈاکوؤں جیسے افراد مملکت پر قابض نہ ہو جائیں۔ اس جواب میں جو کمزوری ہے اس میں غوروفکر چاہیے۔ 3) ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں تو دوسرے امام کی حاجت نہ ہوگی جو پہلے کو زجر کرسکے کیونکہ عصمت ایسا امر ہے جس کا عقل ادراک نہیں کرسکتی بلکہ اسے نص سے جانا جاسکتا ہے اور ہر اس زمانے میں امام کو مقرر کرنا ضروری ہے جس میں امام نہ ہو حالانکہ عصمت پر لوگوں کو اطلاع نہیں ہوتی پس جان لیا گیا کہ یہ شرط نہیں وگرنہ تقرر امام مشکل ہوجائے۔

شبہ ثانی: امام رسول کا نائب ہے رسول معصوم ہوتا ہے تو اس کا نائب بھی معصوم ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مقیس علیہ میں (عصمت کی) علت اشد ہے (جب کہ مقیس میں ایسا نہیں) لہٰذا قیاس فاسد ہے۔

شبہ ثالث: امام کی اطاعت واجب ہوتی ہے پس اگر غیر معصوم امام ہو تو معصیت کا ارتکاب لازم آئے گا اور یہ فاسد ہے۔ جواب یہ ہے کہ امام کی اطاعت فقط انہیں کاموں میں منحصر ہے جو معصیت نہ ہوں اور ((حدیث پاک میں ہے)) "اللہ

ا؎ یہاں سے چند کلمات سمجھ نہ آئے جس بنا پر ترجمہ بھی نہ ہوسکا۔

کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں''۔[1]

شبہ رابع: غیر معصوم ظالم ہے اور ظالم کو امامت کا عہدہ نہیں مل سکتا کہ اللہ نے فرمایا'' لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ '' (البقرہ:124) (ترجمہ:) ''میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا''۔اس کا جواب یہ ہے کہ عدم عصمت کا معصیت ہونا ممنوع ہے اور علی سبیل التسلیم کہ وہ امام کو لازم ہے ہم غیر معصوم کے ظالم ہونے کے لزوم کو نہیں مانتے کیونکہ ظالم وہ ہے جو ایسی معصیت کا مرتکب ہو جو عدالت کو ساقط کردے۔شیعہ اور بھی امور کی شرط لگاتے ہیں جن کے ابطال میں کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

ابوجعفر رافضی کی باطل شرائط

ابوجعفر رافضی نے کہا'' امام کی کچھ علامات ہیں، کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والا، بردبار، متقی، فیاض، بہادر اور عبادت گزار ہو، وہ ختنہ شدہ پاک پیدا ہو اور جس طرح آگے دیکھتا ہے اسی طرح پیچھے دیکھے اور جب ماں کے پیٹ سے زمین پر آئے تو اپنی ہتھلیوں کے بل آئے اس حال میں کہ کلمہ شہادت کی آواز بلند کرے اور یہ ختم نہ ہو، اس کا دل نہ سوئے، اس پر نبی کریم ﷺ کی زرہ مکمل پوری آتی ہو، اس کے پاس ذوالفقار تلوار اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قرآن ہو۔ یہ وہ صحیفہ ہے جو ائمہ اثنا عشریہ کی مدح میں آسمان سے اترا تھا۔اس کے پاس ایک ایسا رجسٹر ہو جس میں قیامت تک کے اس کے متبعین اور مخالفین کے تمام درج ہوں اور اس نے پیشاب و پاخانہ کبھی نہ دیکھا ہو۔اس کے علاوہ اور بھی باطل باتیں ہیں''۔

چوتھی فصل: انعقاد امامت کے طرق

(یہ چند امور ہیں جو درج ذیل ہیں:)

01: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نص ہونا۔

02: سابقہ امام سے نص ہونا۔ان دو شرطوں سے امامت کے حصول میں اجماع ہے۔

03: اہلِ حل وعقد کا بیعت کرنا، یہ اہل سنت و جماعت، معتزلہ اور بعض شیعہ کے نزدیک ہے۔اور اکثر شیعہ کا اختلاف ہے اور اس پر ان کے کچھ شبہات ہیں۔

شبہ اول: امامت اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نیابت ہے تو یہ غیر کے قول سے حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر یہ ثابت ہو تو امام متبعین کا خلیفہ ہوگا نہ کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کا۔اس کا جواب یہ ہے کہ بیعت امامت کی مظہر اور اس امام کے اللہ و رسول کی طرف سے نائب ہونے کو ظاہر کرنے والی اور اس پر دلیل ہے۔

شبہ ثانی: بیعت سے امامت کو ثابت کرنا فتنے کو بھڑکائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ ہر فرقہ علیحدہ شخص کی بیعت کرلے یوں ان کے مابین جنگیں واقع ہوں گی۔اس کا جواب یہ ہے کہ عدمِ امام کا فتنہ اس سے بھی اشد ہے۔

شبہ ثالث: قضاء ایک چھوٹا معاملہ ہے جو بیعت سے حاصل نہیں ہوتا جبکہ امامت امر عظیم اور مہتم بالشان ہے تو یہ اس سے

---

[1] سنن نسائی، کتاب البیعۃ، جزاء من امر بمعصیۃ، ج07، ص159

کیسے حاصل ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ ہم بیعت سے قضاء کے منعقد نہ ہونے کو نہیں مانتے اور اگر مان لیں کہ اس سے منعقد نہیں ہوتی تو یہ اس وقت ہے جب امام موجود ہو؛ اگر امام موجود نہ ہو تو احکام کے نفاذ کے لیے قاضی کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

شبہ رابع: بیعت کرنے والوں کو رعیت پر کوئی اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کو ان پر حاکم بنائیں۔ اس کا جواب دیا گیا کہ اہل حل وعقد کا بیعت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے منصوص ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کی بیعت کو مسلمانوں پر حجت بنایا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا شبہ شاہد سے ٹوٹ جاتا ہے کہ اسے مشہود علیہ پر کوئی تصرف نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود حاکم اپنے حکم کے ذریعے اس کو مشہود علیہ پر متصرف بنا دیتا ہے۔

شبہ خامس: بیعت کرنے والوں پر بعض شرائط مخفی ہوتی ہیں مثلاً افضلیت اور عصمت وغیرہ۔

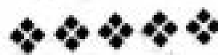
اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان کا شرط ہونا ہی نہیں مانتے جیسا کہ گزرا؛ اگر ان کا شرط ہونا مان لیا جائے تو اس کا مخفی ہونا بمعنی عدم ظن، تسلیم نہیں۔

شبہ سادس: شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تھوڑی سی مدت کے لیے مدینہ میں حاضر نہ تھے تو اپنا نائب مقرر فرمایا تو ضروری ہے کہ اپنی وفات کے بعد بھی مقرر کیا ہو۔

شبہ سابع: امامت، دین کے بڑے امور میں سے ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' (المائدہ:03) (ترجمہ:) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا'' پس لازم ہوا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں خلفا کو بیان کیا ہو یا رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہو ورنہ دین میں کمی لازم آئے گی اور مذکورہ امامت تو اس کے برعکس ہے۔

پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ صحابہ کرام اس معاملہ میں جلدی کریں گے جیسا کہ عن قریب تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔ دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی بیعت؛ اللہ اور اس کے رسول کی نص کی طرح ہے لہٰذا دین میں کمی لازم نہیں آتی۔

جان لیا جائے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک بیعت میں تمام اہل حل وعقد کا اجماع شرط نہیں بلکہ بعض کے نزدیک پانچ اہل علم اور بعض کے نزدیک چار کافی ہیں اور کہا گیا کہ ایک ہی کافی ہے اور بعض علماء نے کہا یہی اصح ہے۔ بعض نے کہا بیعت علی رؤوس الاشہاد ہونا لازم ہے۔



دوسرا باب

اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام، ان کی خلافت، ان کی امامت کا اثبات کا بیان اور شیعہ و روافض کا رد ہے۔ یہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب فضائل صحابہ کے بارے میں ہے اور اس میں دس فصلیں ہیں:

پہلی فصل: فضائل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

افضل رتبہ کس کا؟

یہ فصل مرتبہ افضلیت کے بیان میں ہے۔

تمام امتوں میں افضل امت ہمارے نبی ﷺ کی امت ہے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ" (آل عمران:110) ترجمہ: "تم بہتر امت ہو" اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ "تمہاری عمر کی مدت اور بقا بنسبت بقیہ سابقہ امتوں کے ایسے ہے جیسے وہ زمانہ جو عصر سے مغرب کے مابین ہے"[1] اس کے باوجود انہیں گزشتہ امتوں کے ثواب سے زیادہ ثواب دیا جاتا ہے۔ کہ "یہود اور نصاریٰ کے ساتھ تمہارا قصہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تین افراد کو کسی کام کے لیے اجرت پر رکھا ؛ان میں سے ایک نے صبح سے نصف النہار تک اور دوسرے نے نصف النہار سے عصر تک کام کیا تو مستاجر نے انہیں دو قیراط اجرت دی اور تیسرے نے عصر سے مغرب تک کام کیا تو اس نے اسے دو قیراط دیے پس ان دو شخصوں نے جھگڑا کیا اور کہنے لگے ہم نے اس سے زائد کام کیا تو تم نے اس کی اجرت دگنی کیوں کی؟ تو مستاجر نے کہا میں نے تمہیں تمہارا حق دے دیا اور یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں عطا کروں۔ وہ پہلا شخص یہود کا، دوسرا نصاریٰ کا حال ہے اور تیسرا اس امت مرحومہ کی طرف اشارہ ہے"۔[2]

آپ علیہ السلام کی امت میں سب سے افضل آپ کے وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خاطر اپنی جانیں اور مال خرچ کر دیا۔ فقیر نے اپنے بعض قصائد میں کہا ہے۔

---

[1] المعجم الکبیر، باب العین، ج12، ص412، طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "ما اعمارکم فی اعمار من مضیٰ الا کما بقی من ھذا النھار فیما مضیٰ منہ" اور متن والی روایت بالمعنی ہے۔

[2] شرح السنہ للبغوی، باب فضل اللہ سبحانہ مع ھذہ الامۃ، ج14، ص219

صحابہ کی مدح میں قصیدہ

یا من ترید نجاۃ من عذاب لظیٰ اکرم صحابۃ خیر الخلق و استقم

(ترجمہ:) اے وہ شخص جو بھڑکتی آگ کے عذاب سے نجات چاہتا ہے! خیر الخلق علیہ السلام کے صحابہ کرام کی عزت کر اور اس پر ثابت قدم رہ۔

انھم الذین علا دین النبی بھم و شاع نحو نواحی العرب و العجم

(ترجمہ:) یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے سبب نبی کریم علیہ السلام کا دین بلند ہوا اور عرب وعجم کے اطراف میں پھیل گیا۔

و جاھدوا ببلیغ الجھد طالبۃ رضاء سیدنا راضین بالنقم

(ترجمہ:) اپنے سردار کی رضا کے طالب ہو کر انہوں نے خود جہاد کیا، اس حال میں کہ وہ تکالیف پر راضی تھے۔

صحابی کون؟

صحابی کی تعریف میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ (ان میں سے کچھ تعریفات درج ذیل ہیں:)

01: کہا گیا جس نے رسول اللہ ﷺ کو حالتِ ایمان میں دیکھا، اگرچہ ایک نظر ہی ڈالی اور ایمان پر فوت ہوا اگرچہ درمیان میں ارتداد متخلل ہو۔ اس تعریف کے مطابق عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ صحابی نہ ہوں گے مگر یہ کہہ دیا جائے کہ رویت سے مراد اعم ہے بالعین ہو یا اس کے قائم مقام ہو۔ مثلاً مجلس میں بیٹھنا، کلام کرنا یا سننا۔ بہتر یہ تھا کہ یوں کہتے کہ رسول اللہ ﷺ اور جس کے مابین رویت واقع ہوتا کہ یہ اندھے کو بھی شامل ہو جائے۔

02: کہا گیا جس کی صحبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دراز ہو اور اس نے غزوات میں شرکت کی ہو۔ کہا کم سے کم مدت چھ ماہ ہو۔ خیریت اور افضلیت مذکورہ صحابہ کی اسی قسم کے ساتھ خاص ہے، عام نہیں ہے۔

صحابی کی مختار تعریف

جمہور کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ خیریت و افضلیت عام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے جمال پر ایک نظر ڈالنا، ایک گھڑی ہم مجلس ہونا اور ان کے کلام مبارک کو سننا ایسی فضلیت و برکت کا موجب ہے جو دوسروں کو مجاہدات، خلوت نشینی اور چلوں سے بھی نہیں ملتی؛ لہذا یہ درست نہیں کہ غیر صحابی ان کی مثل ہو جائے چہ جائیکہ ان سے افضل ہو۔

اس مسئلہ میں قدوۃ علماء المحدثین شیخ عبدالبر قدس سرہ العزیز الشریف نے ان (درج ذیل) فرامین سے استدلال کرتے ہوئے اختلاف کیا۔

01: آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے؛ معلوم نہیں اس کا اول بہتر ہے یا آخر؟''[1]

[1] المعجم الکبیر، ج 14، ص 56

02: حدیث میں آیا کہ آپ علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ" جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کی معیت میں جہاد کرے ان سے کوئی بہتر ہے؟ فرمایا: ہاں! تمہارے بعد ایک قوم ہوگی جو مجھ سے محبت کرے گی اور مجھ پر ایمان لائے گی حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا"۔[1]

03: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا معاملہ آپ کی زیارت کرنے والے پر واضح اور منور ہے اور یہ نبی کریم ﷺ پر غیبت میں ایمان، سے افضل نہیں ہے۔[2]

04: حدیث میں آیا ہے کہ" آخری زمانے میں دین وسنت کو تھامنا آگ کے انگارے کو تھامنے کی طرح ہوگا، جو اس زمانے میں سنت کو تھامے گا اسے پچاس مردوں کے برابر ثواب ملے گا"۔ صحابہ نے عرض کی کہ ہمارے پچاس یا ان کے؟ فرمایا:" تم میں سے"۔[3] اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں۔

ان کا جواب یہ ہے کہ یہاں خیریت ایک جہت سے ہے اور وہ ایمان بالغیب ہے۔ رہا فضل کلی تو صحبت والوں کے لیے ان آیات اور احادیث سے ثابت ہے جو ان صحابہ کرام کی افضلیت کے قطعی یقین اور جزم کا فائدہ دیتی ہیں۔ ابن عبدالبر کا یہ اختلاف ان صحابہ کرام کے بارے میں ہے جنہوں نے فقط نظر واحد پر اکتفا کر لیا اور آپ کی صحبت کے طالب نہ ہوئے، ان سب کے باوجود یہ اختلاف کی حکایت ان کے بارے میں مقبول نہیں ہے؛ اس کی وجہ ہم نے پہلے ذکر کر دی۔

تیسری فصل: تحقق اجماع میں اختلاف

اجماع کے تحقق میں اختلاف ہے۔ شیخین نے ایک حدیث روایت کی کہ" جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ظاہری ہوئی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ یہ ان کی مشاورت کی جگہ تھی۔ کہا گیا کہ انہوں نے سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ارادہ کیا کہ شیخین مہاجرین کے ساتھ تشریف لے آئے تو انصار کا خطیب کھڑا ہوا اور کہا اے مہاجرو! ہم اسلام کا جم غفیر ہیں اور تم ہمارا ہی ایک گروہ ہو تم میں سے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ تنہا خلافت کے مالک ہو جائیں اور ہمیں اس سے الگ تھلگ کر دیں۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: "ائمہ قریشی ہوں گے" تو ایک انصاری نے کہا ایک امیر ہم سے اور ایک تم سے۔ تو اقوال کا اختلاف بڑھ گیا اور آوازیں بلند

[1] میں نے اس کے الفاظ کو نہیں پایا بلکہ مستدرک میں اس کے ہم معنی الفاظ کچھ یوں ہیں:" قالوا یا رسول اللہ احد خیر منا اسلمنا معک وجاھدنا معک قال نعم قوم یکونون بعضکم یومنون بی ولم یرونی "۔ (مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر فضائل الامۃ الخ، ج04، ص95)

[2] میں اس پر مطلع نہیں ہوا۔

[3] میں نے اس کے الفاظ کو نہیں پایا بلکہ سنن ابی داؤد میں اس کے ہم معنی الفاظ کچھ یوں ہیں:" فان ورائکم ایام الصبر، الصبر فیہ مثل قبض علی الجمر، للعامل فیھم مثل اجر خمسین رجلا یعملون مثل عملہ قال یا رسول اللہ اجر خمسین منھم۔ قال اجر خمسین منکم "۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنھی، ج04، ص121)

ہوئیں حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا اپنا ہاتھ بڑھائیں، میں آپ کی بیعت کروں تو مہاجرین نے پھر انصار نے ان کی بیعت کی۔ کہا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی دن یا اس سے اگلے دن کی اور شیخ عبدالحق دہلوی اور امام بیہقی نے کہا یہی صحیح ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے اسی دن بیعت کی۔

اس حدیث اور بخاری کی ان دو احادیث جس میں ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بیعت کی؛ ان کی وفات نبی کریم علیہ السلام کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوئی، میں موافقت یوں ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو بار بیعت کی، پہلی بار اسی دن جس دن لوگوں نے بیعت کی اور جب حضرت فاطمہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے مابین رسول اللہ ﷺ کی میراث کے سبب کچھ کلام واقع ہوا اور وہ اسی سبب سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جدا رہیں تو آپ نے دوسری بار بیعت کی۔ اسی طرح شارح کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اور صاحب صواعق محرقہ نے ذکر کیا۔

روایت کیا گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ امامت کے لیے زیادہ موزوں ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، تلوار کھینچ لی اور کہا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے مقدم کیا ہے تو کون ہے جو آپ کو موخر کرے؟ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی وہی بات کہی اور کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا پس آپ نے مجھے حکم نہ دیا اور فرمایا: "ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ رہا کچھ صحابہ کا بیعت سے پیچھے رہنا تو اس کے چند جواب ہیں:

1) انہوں نے تحری اور اجتہاد کیا اور خوب غور وفکر کیا پس جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حق ہونا واضح ہوگیا؛ تب انہوں نے بیعت کر لی اور آپ کو مسندِ خلافت پر برقرار رکھا۔

2) وہ اس بات پر ناراض ہوئے کہ مشاورت میں ان کا بھی حق تھا؛ ان کا یہ عمل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت یا آپ کی فضیلت کے انکار کی وجہ سے نہ تھا۔ جیسا کہ امام بخاری نے حدیث روایت کی جس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری کے سبب ہمارا بھی مشاورت میں حق تھا؛ سو ہم اس وجہ سے ناراض ہوئے، میں نے کبھی بھی آپ کی فضیلت یا خلافت کی حقیقت کا انکار نہیں کیا"۔[1]

3) وہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی وفات کے سبب غم زدہ تھے اور انہیں علم ہوگیا تھا کہ اہل حل وعقد کی مشاورت سے امر خلافت مکمل ہو چکا۔

یہاں مزید دو جواب ہیں جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جدا رہنے سے متعلق اور خاص ہیں۔

[1] الصواعق المحرقۃ، الفصل الثانی فی انعقاد الاجماع، ص 41، ج 01

1) حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی ترتیب میں مشغول تھے کہ ابو داؤد نے روایت کیا کہ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملے تو فرمایا: کیا آپ میری امامت کو ناپسند کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواباً کہا نہیں مگر میں نے قسم اٹھائی ہے کہ میں سوائے نماز کے؛ اپنے کندھے سے اس وقت تک چادر نہیں اتاروں گا جب تک قرآن کو جمع نہ کرلوں''۔[1]

2) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں مصروف تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اجماع سے ثابت ہے کہ تمام صحابہ کرام نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی صحیح قول کے مطابق اسی دن بیعت کر لی تھی اور اجماع؛ مضبوط قطعی یقینی دلیل ہے۔ علماء کا آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مزید دوسرے دلائل قائم کرنا فقط تاکید اور الزامِ خصم کے لیے ہے۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی تھی تو یہ ضعیف قول ہے سو اجماع قطعی حجت ہے اور جن خبروں سے ملحدین آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر طعن کرنے میں استدلال کرتے ہیں وہ سب ظنی ہیں اور ظنی قطعی کے معارض نہیں ہوسکتا۔

چوتھی فصل: خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اثبات

یہ فصل امیر المومنین ناطقِ حق وصواب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اثبات میں ہے۔ اس کا معاملہ واضح ہے کیونکہ جب واضح ترین دلائل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوگئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی ثابت ہوگئی؛ کیونکہ انہوں نے ہی اپنے دنیا سے آخرت کی طرف سفر کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کی اور تمام صحابہ کرام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کی بیعت کی پس آپ کی خلافت اجماع سے ثابت ہوئی اور آپ عادل، متقی اور پرہیزگار امام تھے۔

پانچویں فصل: خلافت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اثبات

امیر المومنین سعید شہید جامع القرآن کامل الحیاء والایمان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ثبوت کا بیان

جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے امامت کو چھ افراد حضرت عثمان، علی، زبیر، طلحہ، عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کی شوریٰ کے مابین چھوڑا تو ان پانچوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم بنا دیا اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ کر دیا تو ان کی خلافت صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اجماع سے ثابت ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ امامِ عادل تھے اور نبی کریم ﷺ کی شریعت کی اتباع میں رشتہ داروں پر شفیق تھے۔

---

[1] صواعق محرقہ، الفصل الرابع فی نبذ من کلمات الخ، ج02، ص375

چھٹی فصل: امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثبات

خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثبات

جب امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو صحابہ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا اور ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے اسے اختیار کر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی بیعت کر لی؛ کیونکہ وہ اپنے زمانے میں سب سے افضل اور خلافت کے مستحق تھے پس ان کی خلافت اجماع سے ثابت ہوگئی۔

یہاں کلام ہے اور وہ یہ کہ دعویٰ اجماع اس قول کی بنا پر ہے کہ ان کے ساتھ مخالفین کا نزاع خلافت کی بابت نہ تھا بلکہ دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ میں تھا۔ رہا اس شخص کا قول جس نے کہا کہ ان کا نزاع خلافت کے معاملے میں تھا جیسا کہ اس کی طرف تمہید کا کلام مشیر ہے تو (دعویٰ اجماع) کی چند وجوہ ہوں گی:

1) وہ جو تفتازانی نے شرح مقاصد میں کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر شوریٰ کے وقت وہ تمام متفق تھے تو ثابت ہوا کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی ہوتے اور مجتہدین کا اجماع کے بعد مخالفت کرنا اجماع کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔

2) اجماع کی تحقیق میں اکثر اہل حل وعقد کا اتفاق کافی ہے۔

رہا یہ جواب دینا کہ ''ان کے مخالفین مجتہد نہ تھے تو ان کے اتفاق میں نقصان دہ نہیں'' باطل ہے۔ اس سے رفض کی بو آتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ خلافت کے سچے حقدار امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور ان کے مخالفین باغی، اہل تعدی اور اجتہاد میں خطا کرنے والے تھے۔

ساتویں فصل: خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اثبات

امام سید شہید حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کا اثبات

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد کی بیعت اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے بعد خلافت تیس برس ہوگی''۔[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تیس سال میں سے چھ ماہ باقی تھے اور اس میں آپ امام تھے اور آپ رضی اللہ عنہ مستحق خلافت خلیفہ، عادل امام اور متقی تھے حتی کہ آپ نے فتنہ کو دبانے کے لیے خلافت چھوڑ دی اور اپنے قصد و اختیار سے اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا حالانکہ آپ قتال پر قادر تھے۔ اللہ عزوجل ہمیں اپنے فضل اور عظیم کرم سے ان کے محبین میں بنا دے۔

آٹھویں فصل: خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اثبات

اب امیر المومنین، خال المسلمین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ثبوت، ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

---

[1] صحیح ابن حبان، کتاب اخبارہ علیہ السلام عن مناقب الصحابۃ، ج15، ص392

مابین جو ہوا اس کے ذکر اور ملحدین اللہ ان کا ناس کرے، کے اعتراضات کے جوابات کا بیان کیا جائے گا۔ (اللہ عزوجل ہمیں دونوں صحابہ کی محبت عطا فرمائے) جان لو کہ ان کے مابین جو معاملات ہوئے اس کا ذکر ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں بعض صحابہ کی مذمت اور ان پر طعن کا دروازہ کھلتا ہے؛ اسی طرح شہدائے کربلا کے قصہ کو روایت کرنا مطلقاً حرام ہے کیونکہ اس میں ایسے امور کا ذکر ہوگا جو ان کی عظیم بارگاہ کے لائق نہیں۔ لیکن اس میں سے ضروری امور کا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جاسکے کیونکہ کچھ تاریخ دانوں نے اس میں کچھ ایسے امور بھی لاحق کر دیے جو واقع نہ ہوئے اور سماعتِ قبول سننا نہیں چاہتی نیز ان کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔

پس ہم کہتے ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اسد اللہ الغالب حضرت علی رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے تو حضرت عثمان کے قاتلین (رجوع اور اطاعت کر کے) آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے؛ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان قاتلین کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب واقف تھے کہ ابھی ان لوگوں کو حوالے کرنا ان کی طرف سے فساد اور بیعت توڑ کر اطاعت سے نکلنے کا باعث ہوگا کیونکہ ان کے قبیلے کثیر، ان کا درجہ بلند اور ابھی خلافت کا معاملہ ضبط و اختیار میں نہیں ہے۔ سو آپ نے چاہا کہ جب امامت کا معاملہ مستحکم ہو جائے تو وہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں گے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر ندا دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین ان کے لشکر سے نکل جائیں تو انہوں نے اپنی طاقت اور کثرت کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خروج کا ارادہ کر لیا۔

کیا مجتہد کا خطا پر مواخذہ ہوگا؟

وہ دونوں مجتہد تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی تھے۔ اجتہاد میں خطا کرنے والے پر مواخذہ نہیں بلکہ ماجور و مغفور ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک اجر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دو یا دس اجر ہیں۔ پس جس نے ان میں سے کسی کو بھی برا کہا تو بے شک وہ اسلام کی سرحد میں رخنہ اندازی کا مرتکب ہوا نیز وہ دنیا اور آخرت میں خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "اگر لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قصاص طلب نہ کرتے تو ان پر ضرور آسمان سے پتھر برستے"۔[1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو زبان کو سنبھال کر رکھو"۔[2] کہا گیا کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ[3] سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: وہ ایسے خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھ سالم رہے تو ہم اپنی زبانوں کو اس سے (کسی گروہ کی برائی

---

۱ الصواعق المحرقۃ، الفصل الثالث فی بدء من مآثرہ الخ، ج01، ص328

۲ المعجم الکبیر، باب العین، ج10، ص198

۳ لم اجد روایۃ عن ابراھیم النخعی ولکن وجدت عن عمر بن عبد العزیز کما فی "تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف الیاء، ص133، ج65"

کرنے میں) آلودہ نہیں کریں گے۔[۱]

جان لیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات میں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے امر خلافت سپرد کرنے سے قبل خلیفہ نہ تھے بلکہ باغی یعنی اطاعتِ امام سے خارج تھے۔ پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان پر باغی کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ ان کا یہ فعل صورۃً بغاوت تھا نہ کہ باغی کا اطلاق ایسے ہے جیسے اپنی فاسد نفسانی خواہش کی وجہ سے امام کے خلاف خروج کرنے والے پر کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خروج؛ نفسانی خواہش کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اجتہاد کی بنا پر کیا۔

حدیث عمار کا جواب

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں کہ آپ علیہ السلام نے حضرت عمار[۲] رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تجھے باغی گروہ قتل کرے گا''[۳] باغی سے مراد قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا طالب گروہ ہے کیونکہ بغاوت بمعنی طلب کے آتا ہے یا پھر یہاں صورۃً بغاوت مراد ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ ان پر باغی کا اطلاق معنی معروف میں ہے[۴] تو بھی ان کو کافر یا فاسق نہیں کہا جا سکتا کیونکہ باغی کافر نہیں ہوتا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ''وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا'' (الحجرات:09) (ترجمہ:) ''اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں'' اللہ عزوجل نے باغی کو مومن کہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک حسن بن علی رضی اللہ عنہما مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کروائے گا''[۵] اور انہوں نے اپنی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوم کے مابین مصالحت کروائی۔ روایت کیا گیا ہے کہ جنگ صفین میں ایک شخص کو قیدی بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں لایا گیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے تھا تو کہنے والے نے کہا سبحان اللہ! یہ پہلے

۱۔ شرح السنۃ للبغوی، کتاب فضائل الصحابۃ، ج14، ص132

۲۔ بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی صراحت نہیں ہے ممکن ہے کہ یہاں وہ گروہ ہو جس نے ان پہ حملہ کر کے انہیں قتل کیا ہو اور وہ گروہ لشکر کا حصہ ہو بہر حال جو حضرت عمار کے قتل پر راضی ہو تو اس کا حکم بھی اسی گروہ والا ہوگا اور یہ بات یقینی ہے کہ تمام لشکر والے اس قتل پہ راضی نہ تھے مثلاً عبداللہ بن عمرو بن عاص وغیرہ بلکہ تمام لوگ حتی کہ حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص حضرت عمار (رضی اللہ عنہم) کے قتل کے منکر تھے۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب لا تقوم الساعۃ الخ، ج04، ص2236

۴۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں ''گروہ امیر معاویہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئہ باغیہ آیا ہے مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد و معاند و سرکش ہو گیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے، اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں''۔ (بہار شریعت، جلد اول، امامت کا بیان، عقیدہ نمبر 13، ص260) لہذا علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ کی اس عبارت کو لے کر کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بھی صحابی پر یہ لفظ استعمال کرے۔

۵۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی للحسن الخ، ج03، ص186]

مسلمان تھا؛ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا کہتا ہے! یہ مسلمان ہے، کافر نہیں۔

نیز باغی فاسق نہیں ہوتا کیونکہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اعلیٰ مناقب اور بلند مراتب سے موصوف ہیں، ان پر فسق کے ارتکاب اور عدالت سے خروج کا حکم کیسے جائز ہوگا؟ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری سنت میں سب سے پہلے رخنہ ڈالنے والا بنوامیہ کا ایک شخص ہوگا جسے یزید کہا جائے گا''[1] تو اس سے ثابت ہوا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخنہ نہ ڈالا اور قصداً حق سے خروج نہ کیا۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کی تو آپ نے اسے کوڑوں کی سزا دی۔[2] کہا گیا کہ جو حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی گستاخی کرتے ہوئے کہے کہ ''وہ کفر پر تھے تو وہ کافر ہو جائے گا''۔ تو اے لوگو! ان سے اپنی زبان روک لو اور ان کا ذکر صرف بھلائی کے ساتھ ہی کرو کیونکہ یہ خیر کثیر ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے بچا''۔[3] تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو معاملہ کیا اس پر ان کی پکڑ نہیں۔

بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی ان کے ساتھ صلح کے بعد تو ان کی خلافت و امارت حق و سچ ہے۔ غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی، مہتدی باللہ امام ہمام ابوشکور سالمی اور شیخ ابن حجر مکی صاحب صواعق محرقہ اسی طرف گئے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا کلام بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہی پسندیدہ ہے۔ اکثر علماء نے اس سے منع کیا اور ان کا کہنا ہے کہ وہ بادشاہ اور امیر تھے؛ خلفاء اور ائمہ میں سے نہیں تھے۔

انہوں نے دو وجوہ سے استدلال کیا۔

وجہ اول: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی''[4] اور تیس سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد یا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھ ماہ بعد مکمل ہو گئے۔

وجہ ثانی: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اختیار سے خلافت سپرد نہیں کی بلکہ اضطرار کے ساتھ کی لہذا وہ خلیفہ نہیں ہوں گے۔

پہلی وجہ کا جواب: ''حدیث میں خلافت سے مراد خلافت کاملہ ہے نہ کہ مطلقاً خلافت، کیا آپ نے اس حدیث کو نہ

1۔ الصواعق المحرقۃ، ج2، ص633

2۔ الصواعق المحرقۃ، ج2، ص633

3۔ مسند احمد (الرسالۃ)، مسند شامیین، حدیث العرباض بن ساریۃ، ج28، ص383

4۔ صحیح ابن حبان، کتاب اخبارہ علیہ السلام عن مناقب الصحابۃ، ج15، ص392

دیکھا جو مختلف طرق سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے"[1] نیز علماء کا اتفاق ہے کہ ہر زمانے میں امام مقرر کرنا واجب ہے پس اگر خلافت تیس سال میں منحصر ہو جائے تو امت کا امام سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ ممنوع ہے۔ دوسری وجہ کا جواب: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی خواہش کی اور انہوں نے خلافت ان کے حوالے کر دی حالاں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عظیم لشکر اور بڑی شوکت والے تھے، ان سے متصور نہیں کہ وہ حق سے سکوت اور باطل پر راضی ہوں[2] نیز آپ رضی اللہ عنہ ان سے مقابلہ کرنے پر قادر تھے۔ علاوہ ازیں باطل پر رضا بہت بڑی ذلت ہے، اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر راضی نہ ہوئے اور ان سے قتال کیا۔ نیز نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "جب تم اس امت کے معاملے کے مالک بنو تو اسے اچھے طریقے سے نبھانا"۔[3] ترمذی نے روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے اللہ! اسے ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا"[4] پس یہ سب باتیں ان کی اہلیت خلافت اور خلیفہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ بزور غلبہ کرنے والا فاسق ہوتا ہے وہ اس بات کا مستحق نہیں کہ اسے نبی کریم ﷺ خلافت کی بشارت دیں اور انہیں ایسے امر میں احسان کا حکم دیں جس میں ناجائز غلبہ ہو بلکہ وہ تو زجر و عقاب کا مستحق ہے۔

اور اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے ان کو خلافت سپرد کرنے کے باوجود وہ امام نہ بنے ہوں تو امام حسن رضی اللہ عنہ کا امت کو بغیر امام کے رکھنا لازم آئے گا؛ حالانکہ ہم پر نصب امام واجب ہے نیز رعایا پر یہ ظلم ہوگا کیونکہ بکریاں بھیڑیے کے حوالے کرنا ظلم ہے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیت ظاہر ہوگئی۔ آپ کو اتنا کلام ہی کافی ہے اور جس کو فہم و ادراک حاصل ہے اس پر مخفی نہیں۔

رہی وہ بات جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جس کا ذکر بھی قبیح ہے؛ تو ان میں سے بعض صحیح نہیں کیونکہ یہ خبریں ظنی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت قطعی ہے تو ظنی قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی

[1] صحیح ابن حبان، باب اخبارہ علیہ السلام عما یکون فی امتہ الخ، ج15، ص43

[2] امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی رضا سے بیعت کی تھی اور اس میں قطعاً کسی قسم کا جبر، اضطرار یا ناگواری کو دخل نہ تھا۔ خود شیعہ کی رجال کشی اس پر گواہ ہے چنانچہ اس میں لکھا ہے "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دمشق آنے کی دعوت تھی۔ یہ سب حضرات دمشق تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا اٹھیں اور بیعت کریں تو وہ اٹھے اور انہوں نے بیعت کی پھر امام حسین رضی اللہ عنہ سے یہی فرمایا وہ بھی اٹھے اور انہوں نے بیعت کی" (رجال کشی، قیس بن سعد بن عبادہ، ص193) تو اس سے معلوم ہوا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت اختیاری اور رضا سے تھی۔

[3] صواعق محرقہ، الخاتمہ فی عقائد اہل سنہ، ج02، ص626

[4] سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب معاویہ، ج06، ص169

اور جو صحیح ہے تو اس کے مناسب محامل اور تاویلات ہیں۔ ان کے باہمی جھگڑوں کا ذکر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کے سینے کی کدورتوں کو کھینچ نکالا پس وہ ایک دوسرے کے بھائی ہو کر رو برو تخت نشین ہیں۔ اس مقام کی صعوبت کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان جنگوں کا سرے سے انکار کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سینہ زوری اور تواتر کا انکار ہے۔

نویں فصل: خلافت یزید علیہ ما علیہ کا ابطال

جان لیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے یزید مسلمانوں کے اتفاق سے امام بنا اور اس کی اطاعت امیر المومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر واجب تھی۔ نعوذ باللہ اس عقیدے سے اللہ کی پناہ!

خلافت یزید پر اتفاق والے قول کا رد

اس کی خلافت پر اتفاق کیسے ہو گیا؟ حالانکہ تمام صحابہ کرام اور ان کی اولاد اس کی اطاعت سے خارج تھے؛ ہاں! مدینہ منورہ کی ایک جماعت کو اس کے پاس زبردستی اور جبراً بھیجا گیا مگر جب انہوں نے اس کا قبیح حال ملاحظہ کیا تو مدینہ واپس آ کر اس کی بیعت توڑ دی اور کہا وہ اللہ کا دشمن، حرام چیزوں کو حلال سمجھنے والا، شرابی، نماز کو چھوڑنے والا ہے اور اس سے ایسی شنیع باتیں صادر ہوئی ہیں جو اس سے سوا کسی سے صادر نہیں ہوئیں؛ اس نے مدینہ مطہرہ کی تخریب کاری کے لیے ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس کے جرائم ہیں۔

تیسری فصل: رافضیوں کی خباثتوں کا رد

یہ فصل برے شیعہ کی بے بنیاد اور جھوٹی باتوں کے رد میں ہے۔

پہلا شبہ: ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ضائع کیا اور ان پر ظلم کیا اور اسی طرح ان کا صحابہ کرام کی تکفیر کرنا (بھی ان کی خباثتوں میں سے ہیں) اللہ عزوجل ان پر بڑی لعنت کرے۔

اس کا جواب ظاہر ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کے تمام صحابہ کا باطل اور کفر پر اتفاق کرنا متصور ہی نہیں؛ کیونکہ یہ قرآن و حدیث کے منہاج یعنی شریعت کے فساد کو مستلزم ہے۔ اگر یہ جائز ہو تو عقلیں اس سے تمام احکام کو سمجھنے سے قاصر ہو جائیں گی؛ کیونکہ شریعت کا دارومدار احادیث ہی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ہی ان سے روایت کیا تو اگر یہ کافر ہوں یا باطل پر اتفاق کریں تو ان پر اعتماد باطل ہو جائے گا؛ جس سے شریعت کا فساد لازم آئے گا نیز قرآن بھی صحابہ کی عدالت اور ان کے اسلام میں پختہ ہونے کی گواہی دیتا ہے؛ اگر انہوں نے باطل پر اتفاق کیا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا باطل امر پر راضی ہونا لازم آئے گا اور یہ ان کی شان کے لائق نہیں۔ اس کا اور تقیہ کا بطلان ان شاء اللہ جلد آ جائے گا۔

امام عراقی کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی رافضی سے زیادہ عقل مند ہے؛ کیونکہ اس نے کہا "ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" (النمل: 18)، ترجمہ: "اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور اُن کے لشکر بے خبری میں"۔ رہا جان بوجھ کر تو وہ تمہیں تکلیف نہ دیں گے کیونکہ وہ نبی علیہ

السلام کے اصحاب ہیں۔ جب کہ رافضی کہتے ہیں کہ صحابہ نے جان بوجھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ضائع کیا، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دین وشرافت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب سے افضل ہیں۔ شیعہ کی جہالتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس لیے تکفیر کرتے ہیں کہ وہ باطل پر اور عام کفار پر راضی رہے۔ اے عقل والو! عبرت حاصل کرو اور ان بے وقوف چوپایوں کی جہالت کو دیکھو۔ تحقیق صحابہ کرام کو برا کہنے سے منع کرنے والی احادیث گزریں اور قرآن ان کی تعریف سے بھرا ہوا ہے نیز تورات وانجیل میں ان کی مدح وشان مذکور ہے۔

دوسرا شبہ: ان کا گمان ہے کہ نجات پانے والا فرقہ شیعہ ہی ہے جو آقا علیہ السلام کے فرمان ''الا واحدۃ'' سے مراد ہے۔ کچھ امامی بد بخت شیعوں نے اس پر ہم سے مباحثہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا کہ فرقہ ناجیہ اشاعرہ ہیں۔

ان کا یہ کہنا غیر معقول ہے کہ ''فرقہ ناجیہ کے لیے تمام فرقوں کی مخالفت ضروری ہے (چونکہ شیعہ سب کے مخالف ہیں لہذا یہی ناجی فرقہ ہوا)'' بلکہ عاقل پر مخفی نہیں کہ حقیقتِ امر پر عقلاء کی موافقت سے استدلال کیا جاتا ہے علاوہ ازیں ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ شیعہ اعتقادات میں تمام فرقوں کے مخالف ہیں بلکہ وہ تمام اعتقادی مسائل میں معتزلہ کی موافقت کرتے ہیں، سوائے امامت ان کچھ مسائل میں جو کہ فروع سے ہیں۔ کتاب اللہ اور احادیثِ رسول علیہ السلام میں ایمان کا وصف ظہور، علو اور اظہار بیان کیا گیا؛ جب کہ شیعوں کا تقیہ کو واجب قرار دینا مخفی نہیں اور اپنے مذہب کو اس طرح چھپاتے ہیں جس طرح عورت اپنے حیض کو چھپاتی ہے۔ ان کی جہالت پر ایک دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا تھے یا نبی تھے یا نبوت میں شریک تھے۔ (معاذ اللہ) یہ وہ باتیں ہیں جن کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں نیز اسی طرح ان کے اکثر اقوال بلکہ سارے کے سارے قطعی براہین اور مضبوط دلائل سے مردود ہیں۔ کما لا یخفی!

افضلیت شیر خدا پر شیعہ کے دلائل اور ان کا رد

تیسرا شبہ: ان کا کہنا ہے کہ امام کا اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ ان کے گمان میں مفضول کی امامت عقلی طور پر قبیح ہے اور افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس کی چند دلائل (شبہات) ہیں۔

پہلی دلیل: آیت مباہلہ ہے: ''فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ'' پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کرے'' یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عیسائیوں میں سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے جھگڑے اور کہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے علاوہ جو وہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہو''۔ ''مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا'' بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ'' تعالوا'' یہاں ''هلموا'' کے معنی میں ہے یعنی اے عیسائیوں آؤ'' نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ '' ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں'' یعنی ہم میں اور تم میں سے ہر ایک اپنے بیٹوں، عورتوں اور اپنی جانوں کو بلالیں''۔ ''ثُمَّ نَبْتَهِلْ'' پھر

مُباہلہ کریں ''یعنی ہم کہیں گے کہ ہم میں اور تم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو حتی کہ جھوٹا ہلاک ہو جائے''۔
''البھلۃ'' با کے زبر اور پیش دونوں سے ہے اور اس کا معنی لعنت ہے؛ کہا جاتا ہے: ''بھلہ اللہ و ابعدہ من رحمتہ'' ابتہال کی اصل یہی ہے؛ پھر اس کا استعمال ہر اس دعا میں ہونے لگا جس میں خوب کوشش کی جائے اگرچہ اس میں لعنت نہ ہو۔
''فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ'' ''توجھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں'' (آل عمران:61)۔[1] مروی ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہم جا کر سوچیں گے تو ان کے بڑے پادری نے کہا اے گروہ نصاریٰ! تم جانتے ہو محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور وہ تمہارے پاس، تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں اللہ کی قسم کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہلاک و برباد ہوگئی تو تم اپنے علاقوں کی طرف لوٹ جاؤ۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے ؛آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نجران کے بشپ یعنی بڑے پادری نے کہا اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانا چاہے تو ان کی برکت سے ضرور ہٹا دے گا تو وہ کہنے لگے ہم آپ کو آپ کے دین پر برقرار رکھتے ہیں اور ہم اپنے دین پر ثابت قدم ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اسلام لے آؤ تو انہوں نے انکار کر دیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہم تم سے جنگ کریں گے تو وہ کہنے لگے کہ عربوں سے جنگ کی ہم طاقت نہیں رکھتے مگر اس شرط پر کہ آپ ہم پر حملہ آور نہ ہوں، ہمیں خوف زدہ نہ کریں اور ہمیں ہمارے دین سے نہ ہٹائیں، ہم ہر سال دو ہزار حلے، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں اور لوہے کی تیس زرہیں دینے کے بدلے صلح کرتے ہیں۔ پس آپ نے ان سے اس پر صلح کر لی۔[2]

روافض کہتے ہیں کہ اس آیت میں ''بانفسنا'' سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے نبی علیہ السلام کا نفس نہیں بلکہ مراد یہاں سوائے نبوت کے بقیہ تمام فضائل میں برابری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام صحابہ سے علاوہ نبوت کے بقیہ اوصاف میں افضل ہیں پس حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح ہیں۔

اس کے چند جواب ہیں: 1) جامع البیان میں ہے کہ عرب چچا زاد کو بھی نفس کہتے ہیں۔ 2) یہاں مراد محبت اور تقرب ہے جیسا کہ محب کو کہا جاتا ہے تو میری جان ہے، نہ کہ فضل میں مساوات مراد ہے۔ نیز یہ کہنا کہ نبوت مستثنیٰ ہے یہ عقل سے بعید تکلف ہے۔ 3) یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضل و شرف پر دلالت کرتی ہے اور ہم اس کے منکر نہیں، لیکن یہ مطلوب پر دال نہیں کیونکہ مطلوب تو عند اللہ کثرتِ ثواب ہے۔ 4) جب عام کو خاص کر دیا جائے تو وہ صحیح قول پر باقی افراد میں حجت نہیں رہتا۔ 5) یہاں مراد فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ آپ علیہ السلام کے تمام رشتہ دار اور خادمین ہیں۔

---

[1] تفسیر کشاف، ج01، ص395

[2] تفسیر کشاف، ج1 ص396

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر شیعہ جن وجوہ سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے دوسری وجہ اللہ عزوجل کے اس فرمان فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰىہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ (التحریم:04) (ترجمہ:)" تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے"؛ سے استدلال ہے کہ یہاں "صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ" سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں جیسا کہ کثیر مفسرین نے اسے نقل کیا ہے اور مولیٰ بمعنی ناصر کے ہے۔ تو آپ علیہ السلام کی مدد عبادات میں سے بڑی عبادت ہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس نصرت سے اختصاص ان کی افضلیت پر دال ہے۔

اس کے چند جوابات ہیں: 1) یہ قول اکثر مفسرین کے موقف کے معارض ہے کہ یہ آیت حضرت علی اور ان کے علاوہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو عام ہے۔ 2) یہاں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما مراد لینے والوں کے بھی یہ قول معارض ہے۔ 3) مقدمہ میں گزر چکا کہ بعض امور میں مفضول کو فضیلت دینا افضلیت کے منافی نہیں۔ 4) جو ابھی گزرا کہ افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے اور یہ آیت تو صرف آپ رضی اللہ عنہ کے اس (جو آیت میں موجود ہے) کمال اور فضیلت کے ساتھ متصف ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ مطلوب کے منافی نہیں۔

تیسری دلیل: بد بخت شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر نبی کریم ﷺ کے ان دو فرامین سے استدلال کرتے ہیں (1) "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں"[1] اور فرمایا: "تم میں سب سے بڑے قاضی علی ہیں"۔[2] افضل اعلم ہوتا ہے تو ان کی اعلمیت ثابت ہو چکی نیز روایت کیا گیا کہ "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"[3] یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہا جب آپ نے حاملہ کو رجم کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آپ کو اس عورت پر اختیار ہے نہ کہ اس کے پیٹ کے بچے پر"۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بقیہ صحابہ کے مقابل ان کی تعلیم وتربیت میں رغبت رکھی اور رئیس المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے شاگرد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی علمِ صرف ونحو کی بنیاد رکھی، انہیں پر مشائخِ صوفیہ کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے۔ تحقیق انہوں نے اپنا بچپن اور جوانی نبی کریم ﷺ کے ساتھ گزاری؛ جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک یا دو مرتبہ حاضر ہوتے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ "اللہ کی قسم! کوئی آیت جو تری یا خشکی، میدانی یا پہاڑی علاقہ، آسمان یا زمین، دن یا رات میں نہ اتری مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے میں اور کس سبب سے اتری"۔[4] اسی طرح یہ فقہ اور بلاغت میں فائق تھے۔

---

[1] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، اما قصۃ اعتزال محمد بن مسلمۃ الخ، ج03، ص137

[2] تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ لابی نعیم، خلافۃ امیر المؤمنین عمر بن خطاب، ص276

[3] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تحت حرف العین، باب علی بن ابی طالب، ج03، ص1103

[4] لم اجد بعینہ ولکن وجدت بمعناہ فی "الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، ص58" وفی "حلیۃ الاولیاء، المہاجرون من الصحابۃ"، ج01، ص67

تیسری دلیل کے جوابات

پہلی حدیث کے چند جواب ہیں: 1) محی السنہ اور ابن جوزی نے کہا یہ حدیث یعنی "انا مدينة العلم" موضوع ہے۔ علم حدیث میں ان دونوں کی معرفت خصوصا محی السنہ کی مخفی نہیں حتی کہ محی السنہ کے بارے میں اہل علم نے کہا کہ "ان کے بعد ان کے پلے کا کوئی نہیں آیا"۔ 2) اگر اس کی صحت یا حسن کا حکم لگایا جائے جیسا کہ متاخرین کی رائے ہے تو ہم کہتے ہیں یہ اس حدیث مسند فردوس کے معارض ہے جس میں ہے "انا مدينة العلم و ابوبكر اساسها و عمر حيطانها و عثمان سقفها و علی بابها"[1] رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تو یہ حدیث ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اعلمیت میں صریح ہے کیونکہ دیواروں، چھت اور دروازے کی اساس بنیادوں پر ہوتی ہے۔ 3) حدیث میں جو لفظ "علی" ہے اس سے مراد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی نہیں بلکہ یہ معنی لغوی پر محمول ہے یعنی بلندی والا، یہ اس شخص کی قرات کے مطابق ہے جس نے "و هذا صراط علی مستقيم" میں "علی" کو رفع کے ساتھ کہا۔ 4) یہ حدیث اعلمیت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ان کے علم سے موصوف ہونے پر دال ہے۔

اعتراض: کیسے اعلمیت پر دلالت نہیں کرتی؟ حالانکہ (اسی حدیث میں کہا گیا) کہ "جو علم چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ دروازے سے آئے" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی شہر میں داخل ہو گا وہ دروازے سے ہی ہو گا۔

جواب: لوگ اکثر اوقات غیر اعلم کا قصد کرتے ہیں، کیونکہ وہ فارغ ہوتا ہے یا اس کا کلام واضح ہوتا ہے۔

حدیث "اقضاکم علی" کا جواب: احتمال ہے کہ یہ خطاب صرف بعض صحابہ کو ہو جیسا کہ اس پر اس کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ دو شخص باہم جھگڑا کرتے آئے؛ ان میں سے ایک نے کہا کہ اس کی گائے نے میرے گدھے کو مار ڈالا۔ تو بعض صحابہ نے کہا حیوان پر ضمان نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان دونوں کا فیصلہ کرو۔ انہوں نے ان دونوں کا ماجرا دریافت کیا تو ایک نے کہا اس کی گائے کھلی تھی اور میرا گدھا بندھا ہوا تھا پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا گائے والے پر ضمان ہے۔

"لولا علی لهلك عمر" کے جوابات: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو صحیح مان کر پہلا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے حمل کا معلوم نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ مجتہد مخطی اور مصیب ہوتا ہے اور ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کی غلطی واضح کرنا اس کی اعلمیت میں نقصان دہ نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے شاگرد کبھی استاذ کو خطا پر متنبہ کرتا ہے اور یہ بات اس کے استاذ سے اعلم ہونے کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ اس سے جو بات لازم آتی ہے اس کی غایت شاگرد کی ذہانت اور علم ہے۔

بقیہ دلائل کا جواب: کہ یہ سب فضیلت پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ افضلیت پر، اس کے ساتھ ساتھ یہ سب دلائل ان احادیث کے معارض ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ سے اعلم ہونے پر دال ہیں۔ پس ہم ان میں سے بعض کو ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، ج01، ص43

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اعلم ہونے پر احادیث

01: ابن عساکر نے روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے کہا کہ اللہ عزوجل آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کریں''۔[1]

02: طبرانی نے ایک حدیث روایت کی جس میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بے شک اللہ عزوجل پسند نہیں فرماتا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خطا کرے''۔[2]

03: دیلمی اور ابن عساکر نے روایت کی کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا کہ میں خوابوں کی تعبیر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لوں''۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔[3]

04: نبی کریم ﷺ کی میراث کے بارے میں صحابہ نے اختلاف کیا تو آپ نے یہ حدیث روایت کی ''ہم گروہ انبیا کسی کو وارث نہیں بناتے اور ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے''۔[4]

05: آپ علیہ السلام کے دفن میں صحابہ نے اختلاف کیا، کچھ نے کہا انہیں مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے کیونکہ آپ کی پیدائش و پرورش وہیں ہوئی اور کچھ نے کہا کہ مسجد میں دفن کیا جائے، کچھ نے کہا بقیع میں رکھا جائے اور کچھ نے کہا بیت المقدس لے جایا جائے کیونکہ وہاں انبیا کرام علیہم السلام کی قبور ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ ''کسی نبی کی روح قبض نہیں ہوتی مگر وہ اپنی اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اسے موت آئے''۔[5] پس ان تمام دلائل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ سے اعلم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل: جن کو شیعہ افضلیتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر دلیل بناتے ہیں ان میں سے چوتھی دلیل آپ رضی اللہ عنہ کی شجاعت ہے۔ غزوات اس پر گواہ ہیں، جیسے غزوہ خیبر و بدر وغیرہ۔ انہوں نے اس پر ایک حدیث بھی گھڑ لی اور وہ یہ کہ ''لا فتی الا علی و لا سیف الا ذو الفقار'' یعنی کوئی جوان نہیں سوائے علی کے اور تلوار نہیں سوائے ذوالفقار کے۔

جواب: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شجاعت ہمارے مطلوب کے لیے مضر نہیں بلکہ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ میں عدمِ شجاعت ہمارے لیے مضر ہے اور تحقیق سے ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شجاعت واستقلال والے تھے حتیٰ کہ ان معاملات میں بھی ثابت قدم رہے جن میں لوگوں کو رخصت دی جاتی ہے؛ انہیں معاملات میں

---

[1] تاریخ دمشق، حرف العین، ج30، ص129

[2] مسند الشامیین للطبرانی، ما انتہی الینا من مسند الوضین الخ، ج01، ص384

[3] الصواعق المحرقۃ، الفصل الخامس، ج01، ص87

[4] ارشاد الساری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن اشرف، ج06، ص283

[5] تاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، الخلیفۃ الاول ابوبکر الصدیق، ص60

سے نبی کریم ﷺ کی وفات کا دن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نکال لی اور کہا میں اس شخص کو قتل کر دوں گا جو کہے گا کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ، رسول اللہ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور رو پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوش کو ٹھنڈا کیا۔ ان مرتد قبیلوں سے جنگ کرنا جو نماز اور زکوۃ کے منکر ہو گئے تھے آپ کی شجاعت کا حصہ ہے؛ آپ نے سب سے پہلے ان سے جنگ کا ارادہ کیا حالانکہ صحابہ نے آپ کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا آپ ان کے دلوں کی تالیف فرمائیں پھر وہ آپ کے ساتھ ہو گئے اور ان منکرین سے جنگ کی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا بیان اس روایت میں بھی ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے دیکھا قریش نے رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لیا اور آپ علیہ السلام کے ساتھ کرختگی سے پیش آئے ،تو ہم میں سے کوئی آگے نہ بڑھا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ؛جنہوں نے ان کفار کو دور کیا اور کہا ''کیا تم ایسے شخص کو مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا آل فرعون کا مومن افضل ہے یا ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ تو سب خاموش رہے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا جب کہ اس مومن نے پوشیدہ رکھا''[1] اس کو امام احمد، ابویعلیٰ نے روایت کیا اور امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے ابوبکر اور ان سے فرمایا: ''تم میں سے ایک کے ساتھ جبریل علیہ السلام ہیں اور دوسرے کے ساتھ میکائیل علیہ السلام ہیں''۔[2]

بعض علما نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر ہونے پر یہ بات بھی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر دے دی تھی کہ انہیں ابن ملجم شہید کرے گا سو انہیں کسی کی فکر نہ تھی اور وہ دشمن کی صفوں میں بغیر خوف و دہشت کے داخل ہو جاتے کیونکہ انہیں علم تھا کہ ابن ملجم ہی انہیں شہید کرے گا تو وہ جنگ میں بھی ایسے ہی تھے جس طرح سکون سے بستر پر سونے والے ہوں جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایسی کسی بات کی خبر نہ دی گئی پس یہاں خوف و ہلاک کا گمانِ غالب تھا؛ لہذا ان مواضعِ ہلاکت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ثابت قدم رہنا ایسی صفت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نہیں تھی۔

بعض علما نے اپنی تصانیف میں لکھا کہ ''لافتی الا علی ولا سیف الا ذوالفقار'' اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور نہ اس پر اعتماد ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بدر کے دن اسی سے ندا کی گئی۔ اس کے باطل ہونے پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ اسی طرح مروی ہوتی تو صحابہ اور ائمہ اسے ضرور روایت کرتے۔ یہ ان کے کلام کا خلاصہ ہے۔

پانچویں دلیل: افضلیتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بدبخت شیعہ جن سے استدلال کرتے ہیں وہ گھڑی ہوئی احادیث اور بے شمار جھوٹی باتیں ہیں۔ (ان میں چند بطور مشتے نمونہ از خروارے درج ذیل ہیں:)

ا۔ مسند بزار، مسند علی بن ابی طالب، ج03، ص14

۲۔ مسند ابی یعلی الموصلی، مسند علی بن ابی طالب، ج01، ص283

01: جس کا ذکر گزشتہ دلیل میں ہوا۔

02: (یعنی ان کی دوسری دلیل) نادِ علی رضی اللہ عنہ ہے:''مظهر العجائب تتخذه عونا لك في النوائب كل هم و غم انجلى''۔[1]

03: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''اے علی! کاغذ دوات لاؤ؛ تو آپ ﷺ نے املا کروایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا اور جبریل علیہ السلام اس پر گواہ بنے پھر وہ کاغذ لپیٹ دیا گیا''۔[2] امام صنعانی نے کہا کہ یہ من گھڑت ہے۔بعض محققین کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی وہ سب وصایا جو''یا''حرف ندا سے شروع ہوتی ہیں سب موضوع ہیں؛سوائے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان''اے علی! تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون علیہ السلام کا مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔[3] احقر العباد کہتا ہے کہ آمدی جو اہل سنت اور متکلمین کے نمایاں افراد سے ہیں، کہتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

04: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر موضوع احادیث میں ایک وہ ہے جس کے اول میں ہے''اے علی! فلان کی تین علامات ہیں''اور اس روایت کے آخر میں مخصوص اوقات میں مجامعت سے ممانعت ہے۔[4]

05: جھوٹی اور گھڑی احادیث میں سے یہ ہے''جس نے میرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین فاصلہ کیا اس پر ایسی ایسی لعنت ہے''۔اس کی کوئی اصل نہیں۔

06: انہیں میں سے امام زاہدی کے نزدیک''یہ عرب کے سردار ہیں''ہے[5] اس کے تمام شواہد ضعیف ہیں۔امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے جبکہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔اللہ عزوجل ہی حقیقتِ حال کو جانتا ہے وہ علام الغیوب ہے اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے جیسا کہ امام حاکم نے مانا؛تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سیادت سے مراد بلندی ہے نہ کہ افضلیت اور یہ ایسی خبر ہے جس میں عموم نہیں یا پھر یہ ضعیف ہے جیسا کہ ابن عساکر نے اسے ان الفاظ سے ذکر کیا''میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ عرب کے ادھیڑ عمر والوں کے سردار ہیں اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عرب کے جوانوں کے سردار ہیں''۔[6] خادم العلما رافضیوں کے مذہب پر مشتمل ایک کتاب پر مطلع ہوا تو اس میں جھوٹ،

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ، حرف النون، ص385

[2] مرقاۃ المفاتیح، کتاب القصاص، ج06، ص2267

[3] سنن ابن ماجہ، باب فضائل اصحاب رسول اللہ، فضل علی بن ابی طالب، ج01، ص88

[4] الموضوعات للصغانی، ص27

[5] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، قصۃ اعتزال محمد بن مسلمۃ، ج03، ص133

[6] تاریخ دمشق، حرف العین، ج30، ص182]

باطل اور ایسی احادیث پائیں جن کے بطلان پر گواہیاں قائم ہیں۔

چھٹی دلیل: افضلیتِ علی رضی اللہ عنہ پر شیعہ کی متدل وجوہ میں سے ایک "حدیثِ طیر" ہے کہ "نبی کریم ﷺ کو ایک بھنا ہوا پرندہ ہدیہ کیا گیا تو آپ نے اللہ عزوجل سے عرض کی: اے اللہ عزوجل! اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب شخص کو میرے پاس لے آ؛ تاکہ وہ یہ پرندہ کھائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ وہ پرندہ کھایا"۔[1] اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب مراد نہیں کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے بھی افضل ہوں بلکہ مراد بعض مخلوق سے زیادہ محبوب ہونا ہے۔

ساتویں دلیل: افضلیتِ علی رضی اللہ عنہ پر شیعہ کی متدل وجوہ میں سے نبی کریم ﷺ کا پستان کی طرح ابھار والے کے بارے میں فرمان بھی ہے "اس کو مخلوق میں سب سے بہتر شخص قتل کرے گا" اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ اس کا قصہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حروریہ (خوارج کے ایک گروہ) سے جہاد کیا تو ان میں سے یہ شخص ظاہر ہوا جس پر پستان کی طرح ابھرا ہوا گوشت تھا۔[2]

اس کے چند جواب ہیں: 1) یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے تو باقی افراد میں حجت نہ رہے گا۔ 2) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے براہ راست خود اسے قتل نہیں کیا تھا بلکہ آپ کے ساتھیوں نے قتل کیا تو یہاں خیریت سے مراد جمیع وجوہ سے خیریت نہیں وگرنہ آپ کے بعض ساتھیوں کی آپ پر اور تمام مخلوق پر فضیلت لازم آئے گی اور یہ اجماعاً باطل ہے۔

اعتراض: اگر آپ کہیں حدیث کے الفاظ "قتلہ خیر الخلق" یہ "بنی الامیر المدینۃ" کی طرح مجاز ہے اور مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کہ وہی امیر تھے تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) پھر بھی ہمیں مضر نہیں کیونکہ اوپر گزر چکا کہ مراد بعض وجوہ سے خیریت ہے۔ 3) اس کے قتل کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خیر الخلق تھے کیونکہ یہ خلفاء ثلاثہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ کہا گیا یہی جواب درست ہے۔

آٹھویں دلیل: افضلیتِ علی رضی اللہ عنہ پر شیعہ کی متدل وجوہ سے ایک یہ حدیث ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "میرا بھائی، میرا وزیر، جن کو میں چھوڑ کر جاؤں ان میں میرے بعد سب سے بہتر جو میرا قرض ادا کرے اور میرے وعدے کو پورا کرے وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں"۔[3]

جواب: روایت کو تسلیم کرنے کے بعد (مطلب یہ کہ یہ روایت موضوع ہے اگر صحیح مان لیا جائے تو) اس کا جواب یہ ہے کہ اخوت اور وزارت کی افضلیت پر کوئی دلالت نہیں۔ رہا باقی کلام تو ہم کہتے ہیں کہ "بعض دینی" یہ اترک کا دوسرا مفعول

---

[1] تقریب المرام فی شرح تھذیب الکلام، الباب السادس فی السمعیات، ص375

[2] الخصائص الکبری، ذکر وقعۃ صفین، باب اخبارہ بالخوارج، ج02، ص250

[3] الموضوعات لابن الجوزی، کتاب فضائل والمثالب، ج01، ص347

ہے یا اس کے مفعول سے حال ہے لہذا معنی ہوگا کہ میرے دین کو ادا کرنے اور وعدے کو پورا کرنے میں خیریت کی تمنا کرتا ہوں۔

نویں دلیل: شیعہ کی مستدل وجوہ سے نویں وجہ یہ حدیث ہے ''جو چاہے کہ علم میں آدم علیہ السلام، تقویٰ میں نوح علیہ السلام، حلم میں ابراہیم علیہ السلام، ہیبت میں موسیٰ علیہ السلام اور عبادت میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نظر کرے تو وہ علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے''۔[1] تو نبی کریم ﷺ نے انہیں مذکورہ انبیا کے برابر قرار دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انبیا تمام صحابہ سے افضل ہیں تو حضرت علی بھی اسی طرح سب صحابہ سے افضل ہوں گے۔

اس کے چند جوابات ہیں: 1) بعض نے کہا اس حدیث کی صحت میں نظر ہے۔ 2) یہ مشابہت ہے اور اس سے مساوات لازم نہیں۔ 3) اگر ہم مساوات کو مان لیں تو پھر یہ بعض صفات میں مساوات ہے اور اس سے مطلقا مساوات لازم نہیں آتی۔

دسویں دلیل: افضلیت پر دسویں دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے صحابہ کے مابین عقد مواخاۃ قائم کیا[2] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔[3] اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے افضلیت لازم نہیں آتی، شاید آپ علیہ السلام نے شفقت؛ یا پھر قرابت اور خدمت کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔

گیارہویں دلیل: افضلیتِ علی پر شیعہ جن وجوہ سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے ہے کہ انہوں نے کبھی بھی نہ اللہ کے ساتھ شرک کیا اور نہ ہی بت کو سجدہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل ان تمام صحابہ کی طرح تھے جو اپنے والدین کے تابع تھے۔ یہ جواب اس بنا پر ہے کہ کفار کے بچے مومنین نہیں اور اس میں علما کا اختلاف ہے۔ پس جواب یہ ہے کہ کافر جب مسلمان ہو جائے تو اس کا سابق کفر معدوم ہو جاتا ہے گویا کہ وہ اس سے پہلے بھی اسلام پر تھا جیسا کہ مسلمان جب مرتد ہو جائے، اللہ کی پناہ، تو اس کا سابق اسلام معدوم ہو جاتا ہے۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف نہیں دیکھتے جو ابلیس کے حق میں ہے کہ ''وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ'' (البقرۃ:34) (ترجمہ:) ''اور کافر ہو گیا'' لہٰذا اعتبار خاتمہ کا ہے۔

چوتھا شبہ:[4] انہیں میں سے ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ اہل سنت کہتے ہیں اللہ عزوجل نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا صاحب قرار دیا جہاں اللہ سبحانہ نے فرمایا: ''اِذْ يَقُوْلُ'' جب فرماتے تھے '' یعنی رسول اللہ ﷺ''، ''لِصَاحِبِهٖ'' ''اپنے یار سے'' یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ ''لَا تَحْزَنْ''، ''غم نہ کھا'' آپ علیہ السلام نے انہیں یہ اس وقت کہا جب وہ

---

[1] الموضوعات لابن الجوزی، ج01، ص370، اللآلی المصنوعۃ ج01، ص184

[2] یعنی انصار و مہاجرین میں سے ہر ایک ایک کو بھائی بنایا۔

[3] فضائل الصحابۃ لاحمد، فضائل علی ج02، ص663

[4] افضلیت علی رضی اللہ عنہ پر شیعہ کے شبہات مع جوابات مکمل ہوئے، اور یہ بات ان کی جھوٹی اور گھڑی ہوئی باتوں میں سے تیسری تھی۔ اب چوتھی بات شروع کرتے ہیں جو روافض اہل سنت کے خلاف کرتے ہیں۔

دونوں غار میں تھے اور کفار غار کے دہانے پر تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خوف نے آلیا کہ کفار ان دونوں کو پا نہ لیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' (التوبہ:40) (ترجمہ:) ''بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ تو ہم اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوئی فضلیت یا شرف نہیں پاتے کیونکہ اللہ تعالی نے سورہ کہف میں یہودا اور قطروس، جن میں اول دین ہدایت پر اور دوسرا کافر تھا، کے قصہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''قَالَ'' ''کہا'' ''یعنی یہودا نے''، ''لَهٗ صَاحِبُهٗ''، ''اپنے صاحب کو'' ''یعنی قطروس کو'' ''وَهُوَيُحَاوِرُهٗ'' اور وہ اس سے الٹ پھیر کر رہا تھا'' ''یعنی جھگڑ رہا تھا''۔ ''اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ'' (الکہف:37) (ترجمہ:) ''کیا تو اس کا منکر ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا'' تو اللہ عزوجل نے کافر کے حق میں کہا کہ وہ مومن کا صاحب ہے لہذا اس میں ان کی کوئی مدح نہیں۔

جواب یہ ہے کہ فقط صحبت شرف میں کافی نہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ صحبت جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاصل تھی وہ واضح طور پر ان کے شرف پر دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے مال، وطن چھوڑ کر اللہ کے حبیب اور منتخب ﷺ کے ساتھ ہجرت کی حالانکہ وہاں بڑا خوف اور عظیم خطرہ بھی تھا۔ نیز انہوں نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں اپنی جان خرچ کر ڈالی اس کے باوجود وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ یہ تمام امور دوستی، محبت اور مودت پر دال ہیں۔ نیز اللہ عزوجل کا فرمان (وَهُوَيُحَاوِرُهٗ) یہ دشمنی اور دوری پر دال ہے اور یہ اس کافر کی مذمت میں نص ہے کیونکہ وہ اس سے جھگڑ رہا ہے جو اسے سیدھے دین کی طرف بلا رہا ہے اور سابقہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شرف پر دلالت کرتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ محبت بغیر ایمان کے شرف میں کافی ہے حتی کہ ابو طالب سے اعتراض وارد ہو بلکہ ایمان اور محبت شرف کے دلائل میں سے ہے اور ہم نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مابین اسے ثابت کر دیا۔

پانچواں شبہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر خفا اور ناراض ہوئیں اور وفات تک ان سے کلام نہ کیا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی میراث دینے سے انکار کر دیا[1] جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں یہ بھی وارد ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا ''جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا''[2] اور ایک دوسری روایت میں ہے ''جس نے اسے تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی''[3] پس اس سے لازم آتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دی اور ناراض کیا۔ قرآن میں ہے: ''اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'' (الاحزاب:57) (ترجمہ:) ''بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبی لا نورث، ج08، ص149

2۔ صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ، ج05، ص21

3۔ مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب مناقب فاطمۃ، ج-3، ص173

اس کے کچھ طریقوں سے جواب ہیں:

پہلا جواب: رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جس نے انہیں ناراض کیا اور تکلیف دی ((اپنی خواہش نفس اور وسوسہ شیطانی کے سبب))[1] تو اس نے انہیں ناراض کیا اور تکلیف دی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ نہ تھا بلکہ انہوں نے تو اظہار حق کا قصد فرمایا پس وہ بشری تقاضے کے سبب ایک گھڑی خفا ہوئیں پھر ان کی یہ ناراضی ختم ہوگئی اور انہوں نے بعد میں ان سے کلام نہ کیا کیونکہ ملاقات نہ ہوسکی یا ان سے کلام کی حاجت نہ رہی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا معنی ہے کہ جس نے بغیر حق کے انہیں ناراض کیا۔

تیسرا یہ کہ آیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جس نے بھی رسول اللہ ﷺ کو ایذا دی وہ ملعون ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ آپ کی امت کا ارتکاب گناہ کرنا انہیں تکلیف دیتا اور ناراض کرتا ہے حالانکہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے جیسا کہ علم کلام میں اس پر دلائل قائم ہو چکے۔

حدیث قرطاس کی بحث

چھٹا شبہ: شیعہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے پر بخاری کے باب کتابۃ العلم کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی تکلیف ایام مرض میں شدت اختیار کر گئی تو آپ نے اپنے اصحاب سے کہا میرے پاس کتابت کا سامان لے آؤ (یعنی لکھنے کے ادوات اور اسباب) کہ میں لکھ دوں (اکتب مجزوم ہے کہ جواب امر ہے اور اس پر رفع بھی جائز ہے استیناف کی بنا پر، مطلب یہ ہے کہ میں لکھنے کا حکم دوں یا ہم کہتے ہیں کہ امی وہ ہوتا ہے جو اچھی طرح نہ لکھ سکتا ہو نہ کہ جو سرے سے لکھ ہی نہ سکے اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے لکھا) تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ (لاتضِلوا یہ تا کے زبر اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ نفی ہے اور نون اس لیے حذف ہے کہ جواب امر کا بدل ہے اور بعض نے لقد اور جواب امر بغیر عطف کے جائز قرار دیا ہے) اس کے بعد تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا (یعنی وہاں موجود صحابہ کرام کو) کہ نبی کریم ﷺ پر درد کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ہمیں کافی ہے پس انہوں (یعنی صحابہ کرام) نے اختلاف کیا بعض نے لانے کا کہا اور بعض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور آوازیں بلند ہوگئیں (اللغظ لام کے زبر اور غین کے سکون کے ساتھ ہے اور اس کا معنی آواز ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ (میرے پاس جھگڑا جائز نہیں۔ التنازع یہ ینبغی کا فاعل ہے) تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نکلے (یعنی اس جگہ سے جہاں وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے) یہ کہتے ہوئے کہ بے شک مصیبت (''الرزیۃ'' میں راء کے زبر، زاء کے زیر اور اس کے بعد یاء ساکنہ پھر ہمزہ ہے جسے یاء میں بدل کر ادغام کر دیا گیا۔) بڑی مصیبت (یہ منصوب ہے اول کی تاکید کے لیے) جو رسول اللہ ﷺ اور

[1] رسالۃ رد الروافض للشیخ احمد السرہندی، ص 11

کتابت کے مابین حائل ہوا[1] ۔ اسی طرح بخاری نے ''باب مرض رسول اللہ ﷺ و وفاتہ '' میں یہ بھی روایت کیا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا'' مجھے چھوڑ دو پس میں جس حالت و کیفیت میں ہوں یہ بہتر ہے اس سے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو''۔[2]

یہاں پر شیعہ کے دو شبہات ہیں:

شبہ اول: وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت لکھ دینے کا ارادہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کر دیا کیونکہ ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی تھی۔

شبہ ثانیہ: وہ کہتے ہیں کہ وہ وحی کی کتابت تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر نزولِ وحی کے سبب اسے لکھوانے کا ارادہ کیا۔ فرمان باری ہے ''وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ'' (المائدہ:44) (ترجمہ:) ''اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں''۔

ان کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کیا لکھوانے کا ارادہ کیا؟ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا انہوں نے خلیفہ کا نام لکھوانے کا ارادہ فرمایا اور دوسرے بعض علما اس طرف گئے کہ آپ علیہ السلام نے شریعت کے بعض احکام لکھوانے کا قصد فرمایا۔

اگر ہم کہیں کہ آپ علیہ السلام نے خلیفہ کا نام لکھوانے کا قصد فرمایا جیسا کہ قسطلانی نے اسی کی تائید کی تا کہ لوگوں میں اختلاف نہ ہو جو انہیں گمراہی کی طرف لے جائے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت لکھوانا چاہتے تھے۔ اس پر دلالت امام مسلم، احمد وغیرہما کی روایت کرتی ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: ''اپنے والد اور بھائی کو بلا لاؤ تا کہ میں لکھ دوں کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کہنے والا کہے کہ میں زیادہ لائق ہوں، اللہ اور مومنین انکار کر دیں گے سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے''۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا'' میرے پاس عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو بلا لاؤ کہ میں ایک تحریر لکھ دوں تا کہ میرے بعد اس پر کوئی اختلاف نہ کرے، پھر فرمایا چھوڑو، اللہ کی پناہ! کہ مومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف کریں''۔[4] آپ علیہ السلام نے لکھوانے کو اس لیے ترک فرما دیا کہ آپ علیہ السلام کو ان کی امامتِ صغریٰ اور انوکھی تصریحات پر اعتماد تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، ج01، ص34

[2] ارشاد الساری، کتاب المغازی، باب مرض النبی، ج06، ص463

[3] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی بکر، ج04، ص1857

[4] فضائل الخلفاء الراشدین لابی نعیم، آخر الفضائل ذکر خلافۃ الصدیق، ص141

رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منع کرنا تو اس کی دو وجوہات ہیں، اول یہ کہ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ بات بڑھ جائے اور لوگ نبی کریم ﷺ کے لکھے ہوئے کے علاوہ کی تمنا کرنے لگیں، اس حال میں کہ یہ وقت آپ علیہ السلام کے دنیا سے عقبیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ہے پس خلافت کے معاملے میں مجادلہ لائق نہیں کیونکہ اس حالت میں آپ علیہ السلام اسی شخص کی طرح ہوں گے جس کی موت کا وقت قریب ہو اور ورثا ترکہ کی تقسیم میں مصروف ہو جائیں کیونکہ یہ صورت آپ علیہ السلام کے مرض کو مزید بڑھا دیتی، آپ علیہ السلام اسے قبیح جانتے اور اس سے تنگ دلی، گھبراہٹ ہوتی۔ ثانی یہ ہے کہ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ نبی کریم ﷺ ان پر کسی ایسے کو خلیفہ نہ بنا دیں جسے بعض صحابہ پسند نہ کریں اور یوں آپ کی نافرمانی کر بیٹھیں اور ان پر عذاب نازل ہو۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے عرض کی گئی کہ آپ ہم پر خلیفہ مقرر فرما دیں تو ارشاد فرمایا ''مجھے خوف ہے تم میرے خلیفہ کی نافرمانی کرو اور تم پر عذاب نازل ہو''۔[1]

اگر ہم کہیں کہ آپ نے امت پر شفقت کرتے ہوئے شرعی احکام لکھوانے کا قصد فرمایا اور اس قول کی تائید کرمانی نے کی تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کی کچھ وجوہات ہیں۔

وجہ اول: آپ نے جانا کہ ہم اجتہاد کریں گے اور احکام کا استخراج کریں گے، اگر آپ نے تحریر لکھوا دی تو اجتہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا اور علما کی عوام پر فضیلت باطل ہو جائے گی۔[2]

وجہ ثانی: آپ رضی اللہ عنہ کو خوف ہوا کہ امت آپ ﷺ کے لکھے ہوئے احکام کی مخالفت کرے (اس طرح کہ وہ اس پر عمل سے عاجز آ جائیں) اور اس طرح ان پر عذاب اترے۔[3]

وجہ ثالث: آپ کے لیے تمام احکام کا ضبط بغیر تکلف کے میسر نہ تھا تو آپ ﷺ کو تکلیف دینا اچھی بات نہ تھی، باوجود اس کے کہ اجتہاد جاری ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ فقیہ ہیں کیونکہ انہوں نے کتاب اللہ پر اکتفا کر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہمیں کتاب اللہ کافی ہے'' اللہ عزوجل کے اس فرمان کی بنا پر کہا ''مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ'' (الانعام:38) (ترجمہ:) ''ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا''۔

وجہ رابع: اکثر علما نے نبی کریم ﷺ سے جن میں وحی نازل ہے، اجتہاد کو جائز قرار دیا ہے اور اجتہاد خطا کا احتمال رکھتا ہے نیز اس پر اتفاق ہے کہ آپ علیہ السلام کا اس خطا پر برقرار رہنا جائز نہیں۔ یہاں ایسا ہی ہے کہ آپ نے اس کے بعد لکھوانے سے اعراض کیا۔

---

[1] مسند بزار، مسند حذیفہ بن یمان، ج07، ص299

[2] شرح کرمانی، باب کتابۃ العلم، ج02، ص127

[3] مسند بزار، مسند حذیفہ بن یمان، ج07، ص299

وجہ خامس: نبی کریم ﷺ اگر چہ کذب سے معصوم ہیں مگر مصائب وتکالیف اور سہو سے معصوم نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آپ کو نماز میں سہو ہوا؟ یہ بات شریعت میں نقص کو مستلزم نہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خدشہ ہوا کہ آپ سے وہ بات صادر نہ ہو جائے جو مریض کر دیتا ہے اور اس کو بولنے کا آپ کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ یوں منافقین کو کتاب اللہ کی طرف راہ مل جائے اور وہ اس پر طعن کریں اور شریعت کے معاملہ میں خلل واقع ہو۔ محی السنہ امام نووی قدس سرہ نے یوں ہی فرمایا۔ مخفی نہ رہے کہ یہ جواب متکلمین کی اس صراحت کے مخالف ہے کہ نبی پر ان امور میں سہو جائز نہیں جو تبلیغ احکام سے متعلق ہوں۔

وجہ سادس: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خدشہ ہوا کہ اگر آپ کچھ تحریر لکھیں اور بے دین لوگ اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہ کر دیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اکا دکا افراد اور خلوت میں ہی لکھواتے۔

رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا جواب تو عرض ہے کہ امر وجوب ہی کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ امر میں لحاظ امارات وقرائن پر ہوتا ہے کہ وہ وجوب سے استحباب واباحت کی طرف نکل جاتا ہے۔ پس یہ صحیح ہے کہ آپ علیہ السلام نے معاملہ ان کے اختیار کے سپرد کر دیا تو انہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے سبب اس میں اختلاف کیا۔ پس اللہ عزوجل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صواب کی ہدایت دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر معاملہ مخفی رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا ”ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے الخ“ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو ان سے منازعت کر رہے تھے نہ کہ رسول اللہ ﷺ پر رد ہے۔

صحابہ کرام اللہ عزوجل کے اوامر میں نبی کریم ﷺ سے مراجعت کیا کرتے تھے جیسا کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کے دن مراجعت کی تھی اس معاہدہ کے بارے میں جو آپ علیہ السلام اور قریش کے مابین لکھا گیا۔ ممنوع مراجعت ان اوامر میں ہے جو وجوبی ہوں۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان ”دعونی الخ“ کا معنی ہے مجھے چھوڑ دو، بے شک میری دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ ہونے کی حالت جس تحریر لکھنے کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، سے بہتر ہے۔ تو یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو تحریر لکھوانا چاہ رہے ہیں، نہ کہ ان سے جو تحریر سے منع کر رہے ہیں۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ امر استحبابی ہے وجوبی نہیں کیونکہ اگر وجوبی ہوتا تو آپ علیہ السلام اس کے بعد لکھوا دیتے کیونکہ آپ اس واقعہ کے بعد چند دن حیات رہے۔

امر حق سے سکوت جائز نہیں، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس حاضر نہ تھے اور تقیہ کو ہم نے اس سے پہلے باطل کر دیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم صحابہ کرام کے اجتہاد کا امتحان لینے کے لیے ہو۔ یہاں پر ایک اور عمدہ جواب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے رب سے موافقت کثیر ہے جیسا کہ گزرا اور اس معاملے کو بھی اسی میں سے شمار کیا گیا ہے۔ پس احتمال ہے کہ آپ علیہ السلام کو وحی کی گئی ہو پھر وہ حکم منسوخ کر دیا گیا ہو۔

کہا گیا کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد معلوم نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ کہ شیعہ کا دعویٰ بلاشبہ باطل ہے۔

ساتواں شبہ: شیعہ کا کہنا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین فدک کے

معاملے میں نزاع نے طول پکڑا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک انہیں لوٹا دیا اور اس پر ایک تحریر لکھی پھر وہ تحریر لے کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نکلیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور ان سے اس معاملے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے سارا ماجرا بتا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تحریر لے کر پھاڑ دی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئے تو ان دونوں نے فدک نہ دینے پر اتفاق کر لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور کسی قابل اعتماد نے اسے روایت نہیں کیا۔

آٹھواں شبہ: ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی وفات میں شک ہوا جب ان کی روح مبارک قبض ہوئی اور کہنے لگے اللہ کی قسم! حضرت محمد ﷺ فوت نہیں ہوئے حتی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" (الزمر:30) (ترجمہ:) "بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا گویا کہ میں نے پہلے کبھی یہ آیت نہ سنی ہو۔ یہ سب ان کے قرآن سے جاہل ہونے اور خلافت کا اہل نہ ہونے پر دال ہیں۔

جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت کا یہ واقعہ ان کے قرآن سے جاہل ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اس طرح کی حالت تو دل کی تشویش، ہجوم غم اور کثرتِ حزن پر دلالت کرتی ہے حتی کہ منقول ہوا کہ بعض صحابہ پر اس حالت میں جنون طاری ہوگیا، بعض گونگے ہوگئے اور بعض کھڑے ہونے پر قدرت نہ پاتے تھے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ "گویا میں نے یہ آیت کبھی سنی ہی نہیں" تو یہ ان کے سننے پر دال ہے مگر اس وقت وہ ذہن سے نکل گئی کیونکہ آپ حواس باختہ، ہکا بکا ہوگئے۔

نواں شبہ: شیعہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دشمنی میں تھپڑ مارا جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی میراث سے انہیں روکا۔ ان کا استدلال نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے کہ "ہم گروہ انبیا کسی کو وارث نہیں بناتے اور ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے"[1] باطل ہے کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور کتاب اللہ کا مخصص خبر متواتر ہوتی ہے کہ خبر واحد ظنی اور آیت قطعی ہے۔[2]

---

[1] ارشاد الساری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن اشرف، ج06، ص283

[2] ہمارے زمانہ کے سنی نما رافضی کا شبہ: اسی طعن سے مستفاد ہے، جب اس نے اپنی ایک وڈیو میں کہا "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خبر: خبر واحد اور ظنی ہے تو ممکن ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حدیث سننے میں خطا ہوئی ہو اور درست اس کے خلاف ہو" نعوذ باللہ من ھذہ الخرافۃ، اس کے جواب میں فقیر عرض کرتا ہے کہ اولا حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالی پسند نہیں فرماتا کہ ابوبکر سے خطا ہو" (تاریخ دمشق، حرف العین، ص 130، ج 30) ثانیا یہ شخص منکرین حدیث کو کیا جواب دے گا؟ جو خبر واحد کی حجیت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ تو ان کے مقدمہ کو نادانستہ طور پر مزید پختہ کر رہا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک حجیتِ حدیث کا منکر گمراہ ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا۔ ثالثا عرض ہے کہ یہ حدیث خبر واحد نہیں، کیونکہ اس کو تیرہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبدالرحمن بن عوف، عباس، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، عائشہ صدیقہ، ابوہریرہ، طلحہ، حذیفہ بن یمان اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں تو یہ سنی نما رافضی اس کو کیسے خبر واحد کہتا ہے؟ تو پتا چلا کہ یہ شخص علم حدیث سے عاری ہے یا معاند، مکابر ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سماعت کی ہوئی حدیث سے فیصلہ کیا تو اس حدیث کا مفاد قطعی ہوا! یوں ان کے نزدیک یہ حدیث عمومِ آیت کی مخصص ہوگئی۔ دوسری بات یہ کہ اس حدیث کو روایت کرنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ منفرد نہیں بلکہ امہات المومنین، حضرت عثمان غنی، علی، عباس، عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور سعد رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حدیث کو روایت کیا جیسا کہ صواعقِ محرقہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے مگر آپ اولا اس کی روایت میں منفرد تھے پھر سب نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل پر ایک دلیل خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کے ایام میں فدک میں تبدیلی نہ کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل کو برقرار رکھا پس اگر یہ فعل صدیقی حق نہ ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باوجود حق پر قدرت کے، باطل پر رضا لازم آئے گی۔ دوسری دلیل اس پر یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو بھی میراث سے روک دیا تھا پس اگر انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دشمنی کی وجہ سے حق نہ دیا تو ان امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو منع نہ کرتے کہ ان سے دشمنی نہ تھی۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے ان دو فرامین کے معارض ہے۔ اول ''وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ'' (النمل:16) (ترجمہ:) ''اور سلیمان داود کا جانشین ہوا'' اور ثانی یہ کہ ''فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا، یَّرِثُنِیْ'' (مریم:05،06) (ترجمہ:) ''تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھالے وہ میرا جانشین ہو'' حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔

جواب: میں جواباً کہوں گا کہ ان کی مراد علم و حکمت کی میراث ہے اور حدیث میں ہمارے نبی کریم ﷺ کی مراد مال کی میراث ہے۔ نبی سے جو میراث پہنچتی ہے وہ علم ہے۔ کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو نہ دیکھا؟ کہ ''علماء انبیاء کے وارث ہیں''۔[1] اگر مان لیا جائے کہ مراد مال ہی ہے تو ہم کہیں گے کہ ''**نحن معاشر الانبیاء**'' میں ''الانبیاء'' سے مراد خود نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور جمع کا صیغہ تفخیم و تعظیم کے لیے ہے۔

دسواں شبہ: شیعہ کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حجرے آپ کی ملک تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو اس سے منع نہ کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک سے روک دیا تو ان کا امہات المومنین رضی اللہ عنہا سے حجرے خالی نہ کروانا بڑا ظلم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حجرے امہات المومنین کی ملک تھے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ''وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ'' (الاحزاب:33) نیز (ترجمہ:) ''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو'' احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حجرے اپنی حیات میں ہی ان پر تقسیم کر دیئے ہوں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عدت گزارنے والی کو اس کے زوج کے گھر سے نہیں نکالا جاتا اور

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، ج01، ص24

امہات المومنین رضی اللہ عنہن آپ علیہ السلام کی معتدات ہیں کیونکہ ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔[1]

گیارہواں شبہ: ان کا کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا نے گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک ہبہ فرما دیا تھا مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی تصدیق نہ کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گواہی کے نصاب کے مکمل نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا نیز یہ بھی کہ بعض علماء اس طرف گئے کہ زوجین میں سے ایک کی دوسرے کے حق میں گواہی مقبول نہیں۔

روایت کیا گیا کہ حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے اس کی گواہی دی۔ اس کا جواب دیا گیا کہ وہ دونوں بچے تھے اور ظاہر یہی ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک اولاد کی والدین میں سے کسی ایک کے حق میں گواہی قبول نہیں۔ نیز یاد رہے کہ ہمارے نزدیک حضرت علی، امام حسن اور امام حسین اور ام ایمن رضی اللہ عنہم کی گواہی کا قصہ ثابت نہیں۔

بارہواں شبہ: شیعہ کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا معصوم ہیں۔ اس پر دلیل اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا'' (الاحزاب:33) (ترجمہ:) ''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے'' نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے''[2]۔ تو نبی کریم ﷺ جب معصوم ہیں تو ان کے جگر کا ٹکڑا بھی معصوم ہوگا پس وہ اپنے میراث کے دعویٰ میں سچی ہیں کیونکہ ان سے جھوٹ کا ظاہر ہونا عصمت کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عصمت انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اور رہے غیر انبیاء تو ان کی عصمت کے ثبوت کے لیے دلیل کی حاجت ہے؛ مگر دلیل نہ پائی۔ رہی مذکورہ آیت کریمہ تو وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عصمت پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آیت میں داخل ہیں اور وہ معصوم نہیں، اس پر ہمارا اور شیعہ کا اتفاق ہے۔ تو بقیہ اہل بیت بھی اسی طرح ہیں جیسا کہ شرح مواقف اور صواعق محرقہ میں ہے۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا آیت میں داخل ہونا ایک تو اس وجہ سے کہ یہ آیت کا سیاق ہے کہ وہ انہیں کی شان میں نازل ہوئی تو ان کو آیت سے خارج کرنا، کلام کو اس کے وصف

---

[1] علامہ عینی کی تحقیق کے مطابق یہاں ایک جواب یہ بھی ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے ان حجروں کو اس لیے خالی نہ کروایا گیا کہ شوہر پر اپنی زوجہ کا جو نفقہ لازم ہوتا ہے اس میں رہائش بھی شامل ہوتی تھی، تو یہ بطور رہائش ان کے پاس رہے۔ اس کا استثنا خود نبی کریم ﷺ نے فرما دیا تھا چنانچہ فرمایا ''میری وراثت میں دینار و درہم کو تقسیم نہ کیا جائے۔ اپنے اہل اور عامل کے نفقہ کے بعد جو میں ترکہ چھوڑوں وہ صدقہ ہے''۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ان ازواج کی وفات کے بعد ان کے ورثا نے بطور وراثت انہیں نہیں لیا جس سے پتا چلا کہ ان کے پاس بطور ملک نہ تھے ورنہ ضرور وراثت میں تقسیم ہوتے بلکہ انہیں مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا جو کہ نبی کریم ﷺ کے ترکہ کا حکمِ اصلی تھا یعنی رفاہ عام کے لیے صدقہ ہونا تو مسجد کا نفع بھی مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ (نخب الافکار شرح معانی الآثار، ص 497، ج 07)

[2] صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ، ج 05، ص 21

سے نکال دے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ اس بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہیں کہ امہات المومنین رضی اللہ عنھن اہل بیت میں داخل ہیں اور مذکر کا صیغہ تغلیب کی وجہ سے وارد ہے۔

احتمال ہے آیت کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت فرمانے کا ارادہ فرمایا یا اس کے علاوہ کوئی مناسب معنی ہوگا۔ حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ مجاز ہے اور شفقت و قربت مراد ہے۔ یہ بھی کہ جز کی کل سے تمام احکام میں مساوات لازم نہیں۔ یہاں اس کا ایک اور جواب ہے وہ یہ کہ اگر ان کی عصمت تسلیم کر بھی لی جائے تو تمہارا مدعا پھر بھی ثابت نہیں کیونکہ ان کا دعویٰ میراث اجتہادی خطا تھی اور مجتہد کبھی خطا کر جاتا ہے اگر چہ معصوم ہو، کیا آپ حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ نہیں جانتے جو کھیتی اور بکریوں کے بارے میں انہوں نے فیصلہ کیا جیسا کہ کرمانی قدس سرہ نے ذکر کیا۔

عصمت کی بحث

جان لیں کہ یہ مقام کلام کی وسعت کا تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عصمت کی تعریف میں علما نے اختلاف کیا ہے۔

اشاعرہ کہتے ہیں کہ ''عصمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل بندہ میں گناہ کو پیدا ہی نہ کرے''۔ یہ تعریف ان کے اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ''تمام امور ابتداءً ہی اللہ عزوجل کی طرف مستند ہیں، وہ فاعلِ مختار ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں''۔

فلاسفہ کے نزدیک ''عصمت ایسا ملکہ (مہارت) ہے جو اپنے صاحب کو فجور و معاصی سے روکتا ہے''۔ یہ تعریف ان کے قاعدہ کی بنا پر ہے کہ اللہ عزوجل فاعل بالایجاب ہے نیز فلاسفہ قبول کنندہ کی صلاحیتوں کا اعتبار کرتے ہیں۔

اعتراض: اہل بیت کے معصوم نہ ہونے کا قول پہلی تعریف کے مناسب نہیں کیونکہ اس صورت میں غیر معصوم گناہ گار ہوگا کیونکہ عدم خلق؛ خلق ہے۔ رہی دوسری تعریف تو اس سے عدمِ عصمت لازم نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ہم سے گناہ کا صادر نہ ہونا اس ملکہ کے علاوہ کسی اور سبب سے ہو۔ پس اگر پہلی تعریف لی جائے تو یہ اہل بیت کے بارے میں رافضیوں اور خارجیوں کے اعتراضات کو ابھارنے کا سبب ہوگا۔ اگر دوسری تعریف کو لیا جائے تو ایک تو یہ فلاسفہ کے مذہب پر مبنی ہے اور دوسرا یہ کہ بعض محقق فضلانے اپنی تصانیف میں اسے باطل قرار دیا ہے لہٰذا یہاں اللہ عزوجل کی مدد اور اس کے خالص لطف سے تشفی بخش بیان ضروری ہے۔

جواب: میں اللہ عزیز سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ عصمت گناہوں سے اجتناب کے ملکہ کو کہتے ہیں، اس کو اکمل المحققین علامہ سعد الملۃ والدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں اور صاحب طوالع نے منتخب کیا اور صاحب خیالی نے سعد الملۃ کی شرح عقائد نسفیہ کے حاشیہ میں اسے اختیار کیا اور کہا: ''عصمت کی حقیقت ملکہ کے ساتھ تعریف کرنا ہے، رہی پہلی تعریف تو وہ تعریف بالحاصل ہے''۔ اگر اس تعریف کو لیا جائے تو اہل بیت کی طرف عصیان کی نسبت لازم نہیں آتی اور مذکورہ تعریف کا فاعل بالایجاب کے قول پر مبنی ہونا مسلم نہیں؛ کیونکہ شجاع سے جو صادر ہو اس کی اضافت ملکہِ شجاعت کی طرف کی جاتی ہے اور جو عالم سے ظاہر ہو اس کی اس کے ملکہِ علم کی طرف کی جاتی ہے۔ اس سے ایجاب لازم نہیں آتا جیسا کہ فطین پر

مخفی نہیں ہے، بلاشبہ یہ تو اس وقت لازم آئے جب اس ملکہ کو دینا اللہ عزوجل کے اختیار میں نہ ہو، نیز یہ ملکہ ماہیت کو لازم امر ہے۔ پس تو انصاف کر جس طرح انصاف کرنے کا حق ہے۔

بہر حال پہلی تعریف تو اگر ان کے قول ''غیر نبی معصوم نہیں'' میں عدمِ عصمت سے مراد عصمت کا واجب نہ ہونا ہے تو اہل بیت کی طرف گناہ کی نسبت لازم نہیں آتی کہ اس صورت میں وہ جائز العصمت ہوں گے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے میراث کے دعویٰ میں شیعہ کی حجت لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ دعویٰ تو ان سے گناہ سے معصوم ہونے کو واجب قرار دینے کی تقدیر پر ہے۔ علاوہ ازیں اس کا وہ جواب بھی ممکن ہے جو کرمانی قدس سرہ نے دیا جیسا کہ ابھی گزرا۔

بندہ حقیر (مصنف) بعض علما کے رسائل پر مطلع ہوا تو میں نے ان میں پایا جو انہوں نے مادہ اشکال کے بارے میں کہا؛ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا بندے میں گناہ کو ضروری طور پر معدوم کرنا عصمت ہے۔ پس معصوم سے گناہ صادر نہیں ہوسکتا یعنی اس کا وقوع محال ہے نہ کہ استحالہ عقلی ہے کیونکہ طبع سے خالی حکمِ عقلی، قطع نظر موانع اور عاداتِ خارجیہ کے نبی سے گناہ کے صدور کے ممکن ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ رہا غیر نبی تو اس سے گناہ کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں، نہ خارج میں نہ عقل میں کیونکہ دلیل معدوم ہے۔ تو غیر معصوم عاصی اور محفوظ سے اعم ہے کہ غیر معصوم وہ ہے جس سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہو اور اس کا وقوع برابر ہو کہ صادر ہو یا نہ ہو لہٰذا عصمت کی نفی سے قبائح کے صدور کا وہم نہ کیا جائے جیسا کہ صواعق محرقہ، تہذیب وغیرہما میں صراحت ہے۔

تیرھواں شبہ: ان شیعہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنانے میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی، کیونکہ آپ علیہ السلام نے خلیفہ مقرر نہ کیا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

اس کے کچھ جواب ہیں، پہلا جواب: رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرام کا دین اسلام اور صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنا دیکھا تو یقین فرمالیا کہ وہ اپنی خواہشات کے پیرو نہ ہوں گے اور اجتہاد سے جسے چاہیں گے منتخب کرلیں گے۔ جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت کے انحراف کو دیکھا مثلاً بعض کا زکوٰۃ کی ادائیگی سے پھرنا؛ تو انہیں امت میں فتنہ کا خوف ہوا لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمادیا۔ دوسرا جواب: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا جیسا کہ بعض احادیث میں مروی ہے اور بعض علما نے اسے اختیار کیا ہے، اگرچہ تحقیق یہی ہے کہ آپ علیہ السلام نے کسی کو مقرر نہ کیا۔ جیسا کہ اس پر بحث گزری۔ تیسرا جواب: مخالفت اس کام کے کرنے کو کہتے ہیں جس سے آپ علیہ السلام نے منع کیا ہو نہ کہ فقط وہ کام کرنا جو آپ ﷺ نے نہ کیا ہو۔

چودھواں شبہ: شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیعت کے بعد خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور کہنے لگے کہ یہ ہمارے نانا کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور آپ اس کے اہل نہیں۔ یہ ان دونوں شہزادوں کا ان کی امامت پر طعن تھا۔ اس کا جواب

یہ ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے جیسا کہ شرح تجرید میں ہے۔

پندرھواں شبہ: شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے جیشِ اسامہ کی تیاری میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مرض جس میں آپ علیہ السلام نے دارالنعیم کی طرف رحلت فرمائی؛ فرمایا تھا کہ ''لشکر اسامہ کی مہم کو انجام دو؛ اللہ کی اس پر لعنت جو اس سے پیچھے رہے'' آپ نے یہ لشکر کفار کی ایک قوم کی طرف بھیجا تھا اور یہ تینوں حضرات اس لشکر میں تھے، انہوں نے شرکت نہ کی کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے ارادے کو بھانپ گئے تھے اور انہیں لشکر میں شامل کرنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ وہ مدینہ سے دور ہو جائیں تاکہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد امامت پر قبضہ نہ کرلیں اور اسی وجہ سے آپ نے انہیں لشکر میں شامل کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ کیا۔

اس کے کئی جواب ہیں، پہلا جواب شرح تجرید میں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس جواب پر یوں منع وارد ہوتی ہے کہ اس کی عدمِ صحت ممنوع ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم! دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سکراتِ موت کی حالت میں تھے کبھی آپ پر بے خودی طاری ہوتی اور کبھی افاقہ ہو جاتا؛ آپ کا کلام حالتِ اضطرار میں یا بغیر سوچ و بچار کے مختلط ہوتا تھا جیسا کہ اس شخص کا کلام ہوتا ہے جس پر غشی طاری ہو۔ نیز لشکر کا مدینہ سے نکلنا مصلحت کے منافی تھا؛ کیونکہ مسیلمہ کذاب، طلیحہ اسدی، حجاج اور اسود عنسی اپنے ہزاروں کے لشکروں کے ساتھ مدینہ کے گرد اس پر چڑھائی کی تاک میں تھے۔ نبی کریم ﷺ

1۔ اس شبہ میں مذکورہ روایت اہل سنت کی کسی کتاب میں نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے۔ شہرستانی نے ''الملل والنحل'' میں کہا'' اس روایت میں ''لعن اللہ من تخلف عنہا'' کا جملہ موضوع اور من گھڑت ہے۔ ہمارے نزدیک اعتبار حدیث کی صحت کا ہے۔ بلا سند حدیث ایسی ہے جیسے شتر بے مہار کہ اس پر ہم ہرگز کان نہیں لگاتے۔ بالفرض اگر یہ جملہ صحت سے ثابت ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بدلے کے لیے اکیلے چھوڑنا اور اس مہم سے بچنا حرام ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خدمتِ امامت پر مامور ہوئے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہو گئے۔ دوسری عرض یہ ہے کہ اس میں لفظِ ''من'' عام ہے جیسا کہ شیعہ بھی اس بات کو مانتے ہیں تو اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے سب مسلمان اس وعید میں شریک ہوں گے لہذا جو ان سب کی طرف سے جواب ہوگا وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب ہوگا۔ رہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شریک نہ ہونا تو ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روک لیا کیونکہ جب مدینہ کے اطراف کے حالات حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے دیکھے تو بارگاہ صدیقی میں عرض کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ اپنے پاس رکنے کی اجازت دے دیں تاکہ محافظتِ مدینہ اور صلاح و مشورہ میں شریک رہیں تو امیر لشکر کی اجازت سے یہ واپس لوٹ آئے۔ اب غور کریں کہ لشکر کے لیے کسی کو مقرر کرنا یا نہ کرنا سیاستِ مدنیہ کا معاملہ ہے جو اس وقت کے حاکم کی صواب دید پر ہوتا ہے نہ کہ احکامِ منزل من اللہ سے کہ اس کی حکم عدولی نافرمانی ٹھہرے، جب نبی کریم ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنی صواب دید کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روک لیا اس سے کسی طرح مخالفتِ رسول لازم نہیں آتی۔ (تحفہ اثنا عشریہ مترجم، ملتقطا، باب دہم در مطاعن خلفاء وغیرہم، ص 550)

اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشاورت پر مامور ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ''وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ '' (آل عمران:159) (ترجمہ:) '' اور کاموں میں ان سے مشورہ لو''۔ نیز اللہ عزوجل نے صحابہ کرام کی اپنے اس فرمان سے مدح فرمائی ''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ '' (الشوری:38) (ترجمہ:) '' اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے''۔ ایک قول یہ ہے کہ حدیث میں مذکور لعنت جس تخلف سے متعلق ہے وہ میدان جنگ سے فرار ہونا ہے۔

سولھواں شبہ: شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ '' (الاحزاب:53) (ترجمہ:) '' نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ'' حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ میں دفن کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ ان کی ملک تھا اور شیخین رضی اللہ عنہما نے ان سے اذن لیا تھا۔ اس کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے وصیت فرمائی کہ انہیں اسی جگہ دفن کیا جائے مگر مروان نے منع کر دیا۔[1] ان حجروں کے بارے میں رائے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے لیے تھی تو آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کے لیے ہوگی یا اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔

سترھواں شبہ: شیعہ کا اعتراض ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چور کا الٹا ہاتھ کاٹ دیا جو ان کے خلافت کا اہل نہ ہونے پر دلیل ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ جلاد کی غلطی تھی اور اس کی نسبت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی گئی کیونکہ قطع آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوئی تھا۔ نیز احتمال ہے کہ یہ قطع تیسری بار چوری کرنے پر کیا گیا جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے۔[2]

اٹھارھواں شبہ: شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فجاءۃ السلمی[3] کو آگ میں جلا دیا حالانکہ وہ کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ تحقیق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' آگ کا عذاب سوائے اس کے رب کے کوئی نہ دے''۔[4] اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ ان کی اجتہادی غلطی ہو اور مجتہد کبھی صواب پر ہوتا ہے اور کبھی خطا کر جاتا ہے۔ اگرچہ نبی ہو جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ ہے۔ نیز ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جلانے والی روایت انہیں نہ ملی ہو۔ ممکن ہے کہ یہ روایت زندیق کے علاوہ کے ساتھ خاص ہو اور فجاءۃ زندیق تھا اور زندیق کو بعد توبہ بھی قتل کیا جائے گا۔ نیز گزر چکا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ورثا نے ابن ملجم کے اعضاء کاٹنے کے بعد اسے جلا دیا تو پتا چلا کہ یہ حدیث عام نہیں ورنہ یہ حضرات کبھی نہ جلاتے۔

1۔ الصواعق المحرقۃ، الفصل الخامس، ج01، ص100

2۔ الصواعق المحرقۃ، الفصل الخامس، ج01، ص88

3۔ یہ بنی سلیم میں سے ایاس بن عبداللہ بن عبد یالیل بن عمیرہ بن خفاف ہیں۔ تاریخ طبری، ج03، ص265

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی کراهیۃ حرق العدو بالنار، ج03، ص54

انیسواں شبہ: ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور اس مسئلہ میں تمام اہل سنت اور اکثر معتزلہ نے مخالفت کی۔ شیعہ کا اس موقف پر استدلال بے بنیاد واہی دلائل سے ہے۔ ان شاء اللہ ہم ان میں سے ایک ایک ذکر کر کے ان کا رد کریں گے۔

خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر دلائل

رہا ہمارا اپنے مطلوب پر استدلال کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے، درج ذیل دلائل کی بنا پر ہے۔

پہلی دلیل: حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد آیات جن کا بیان گزرا۔

دوسری دلیل: جو احادیث اس بارے میں گزریں۔

تیسری دلیل: آپ کی خلافت کے حق ہونے پر صحابہ کا اجماع کرنا اور سب کے سب صحابہ کرام کا آپ رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنا خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے جو ان کی تعریف و ثنا وارد ہوئی، جس کا بیان گزرا۔

چوتھی دلیل: رسول اللہ ﷺ کا انہیں نماز کی امامت کا حکم دینا۔

پانچویں دلیل: امت کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہے اور حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منازعت نہ کی تو ان کی خلافت کا حق ہونا ثابت ہو گیا۔ اگر وہ حق پر نہ ہوتے تو وہ دونوں حضرات ضرور منازعت کرتے جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے منازعت کی۔

شیعہ کے خلافتِ علی رضی اللہ عنہ پر دلائل

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل: فرمانِ باری تعالیٰ ہے "اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ" (المائدہ:55) (ترجمہ:) "تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں"۔

استدلال کی تقریر یوں ہے کہ یہ آیت اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری جب انہوں نے اپنی انگوٹھی نماز کے رکوع کی حالت میں سائل کو دے دی۔ اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ آیت میں کلمہ "انما" حصر کے لیے ہے۔ ولی سے مراد محب، مددگار یا اولیٰ بالتصرف ہے۔ اس کے علاوہ تیسرا کوئی معنی نہیں اور یہاں پہلا معنی مراد نہیں لیا جا سکتا کہ مدد اور محبت تو مومنین کے مابین عام ہیں تو مذکورہ صفات سے متصف مومنین میں یہ کیسے منحصر ہو سکتے ہیں؟ لہذا متعین ہو گیا کہ دوسرا معنی ہی مراد ہے اور وہ امام ہے۔ تو ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

اس کے سات جواب ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ مذکورہ مفسرین کے اجماع کا دعویٰ باطل ہے؛ کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

نے فرمایا یہ آیت تمام مومنین کو شامل ہے اور یہ امام محمد بن باقر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ نیز کہا گیا کہ یہاں مراد عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مراد عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد محبت و مدد ہے جو مذکورہ صفات سے موصوف مومنین کے ساتھ خاص ہے۔ تیسرا یہ کہ اگر کلام کو تمہارے مرادی معنی پر محمول کیا جائے تو کلام فصاحت اور سلامتی سے نکل جائے گا کیونکہ یہ آیت اور اس کے مابعد والی؛ دونوں اس بات میں صریح ہیں کہ ولی بمعنی محبت و نصرت کے ہیں۔ کہ یہ آیت وارد ہوئی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ" (ترجمہ:) "اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ" اور اس کا مابعد "وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ" (المائدہ:51) یہ آیت ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی سابقہ اور لاحقہ آیات ہیں جو تمام دلالت کرتی ہیں کہ ولی بمعنی محب و ناصر کے ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہونا اس کے غیر کو شامل ہونے کے منافی نہیں کیونکہ جمع کا صیغہ غیر کے شامل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پانچواں جواب یہ کہ تمہارے استدلال سے تو لازم آئے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی حیات میں ہی اولی بالتصرف ہوں اور یہ باطل ہے؛ کیونکہ ظاہر آیت مطلقاً فی الحال ثبوتِ ولایت پر دال ہے۔ اس جواب کا ضعف مخفی نہیں۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ ان کی مذکورہ دلیل سے تو لازم آئے گا کہ امامت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم میں منحصر ہو جائے اور یوں آپ کے بعد امت کا امامت سے خالی ہونا لازم آئے گا حالانکہ ائمہ اثنا عشریہ کی امامت تو ان کے نزدیک بھی متفق علیہ ہے۔ ساتواں جواب یہ ہے کہ تمہاری دلیل تو اس وقت تام ہو جب کہ اللہ عزوجل کا فرمان "وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ" (المائدہ:55) "اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں"۔ جملہ حالیہ ہو یعنی وہ نماز کو آتے ہیں اور یہ لازم نہیں بلکہ احتمال ہے کہ یہاں عطف اس معنی میں ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں رکوع کرتے ہیں اور یہود کی طرح نماز نہیں پڑھتے کیونکہ ان کی نماز میں رکوع نہیں نیز رکوع بمعنی خضوع بھی آیا ہے تو اس بنا پر جملہ کی حالیت بھی ہمیں مضر نہیں۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے حقدار ہونے پر ان کا دوسرا شبہ اللہ عزوجل کے فرمان سے استدلال ہے "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (النساء:59) (ترجمہ:) "اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں"۔ استدلال کی تقریر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معصوموں کی اطاعت کا حکم دیا ہے کیونکہ غیر معصوم کو معاملات سپرد کرنا قبیح ہے اور اہل بیت کے علاوہ بالاتفاق کوئی معصوم نہیں لہٰذا معصوم کی اطاعت کا حکم ہے نہ کہ غیر کا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر معصوم کی امامت جائز ہے جیسا کہ گزشتہ ابحاث میں گزرا۔ نیز یہ آیت جنگوں کے بارے میں نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ میں بھیجا جس میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ مشرکین میں سے ایک شخص حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور مسلمان ہونے کی شرط پر امان چاہی تو انہوں نے

دے دی۔ اس وجہ سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ بات ہوگئی اور یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو آپ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور ان کو اس طرح کے فعل سے منع بھی کیا کیونکہ امان دینے کا معاملہ امرا کے سپرد ہے نہ کہ متبعین کے۔ اور جب عمومِ الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ مورد کا؛ تو علما نے اس آیت کو تمام امرا کے حق میں عام قرار دیا۔

تیسری دلیل: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت پر شیعہ حدیثِ غدیرِ خم سے استدلال کرتے ہیں جو ان کے ہاں متواتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے لوٹتے ہوئے غدیرِ خم کے مقام پر اترے۔ صحابہ کرام کو جمع کیا اور اونٹوں کے کجاوے سے بنے منبر پر چڑھے اور تکرار کے ساتھ یہ سوال کیا'' کیا میں تمہاری جانوں سے تمہارے قریب نہیں ہوں؟'' سب نے عرض کی کیوں نہیں! پس آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بلند کیا اور فرمایا: ''جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی رضی اللہ عنہ مولیٰ ہیں، اے اللہ! اس سے محبت کرنے والے سے محبت فرما، اس سے دشمنی رکھنے والے سے دشمنی رکھ، اس سے بغض رکھنے والے سے ناراض ہو جا، اس کی مدد کرنے والے کی مدد فرما اور رسوا فرما جو اسے بے یار و مددگار چھوڑے، جس طرف یہ پھرے حق کو اسی کے ساتھ پھیر دے''۔[1] شیعہ کہتے ہیں کہ یہاں مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے نہ کہ مددگار و گرنہ تمام صحابہ کرام کو جمع کرنے کی حاجت نہ تھی نیز نہ ہی معتق، معتَق، حلیف، پڑوسی یا چچازاد کے معنی میں ہے کیونکہ ان کا باطل ہونا واضح ہے۔

اس استدلال کے آٹھ جواب ہیں۔ پہلا جواب جو کہا گیا کہ کثیر ائمہ حدیث کے نزدیک اس حدیث میں طعن ہے مثلاً ابو داؤد سجستانی اور ابو حاتم رازی نیز محققین مثلاً امام بخاری، مسلم اور واقدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تخریج نہ کی بلکہ غدیر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں تھے بلکہ یمن میں تھے پس حدیث صحیح نہیں۔ یہ بھی کہ اس کے اکثر راویوں نے وہ مقدمہ جس کو دلیل بنایا گیا یعنی'' کیا میں تمہاری جانوں سے تمہارے قریب نہیں ہوں؟'' کو روایت ہی نہیں کیا؛ کیونکہ اسی سے دلیل پکڑی گئی کہ مولیٰ بمعنی الاولیٰ بالتصرف ہے، مگر شیخ محقق ابن حجر مکی نے اس بارے میں طویل کلام کیا کہ یہ حدیث بلاشک و شبہ صحیح ہے جسے کثیر ائمہ حدیث نے روایت کیا اور اس کے طرق کثیر ہیں؛ اس کو سولہ صحابہ کرام نے روایت کیا۔ جس نے یہ کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ یہ ان کے کلام کا حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

دوسرا جواب یہ کہ ہم حدیث کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں مگر یہ خبر احاد ہے، متواتر ہرگز نہیں۔ نیز شیعہ کا اتفاق ہے کہ امامت کی احادیث کا متواتر ہونا شرط ہے تو کیا اس حدیث سے استدلال میں تناقض نہیں؟ تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں لفظِ مولیٰ کا معنی اولیٰ بالتصرف ہے کہ یہ مذکورہ معانی میں لفظ مشترک ہے اور تمام میں حقیقت ہے۔ لہذا مشترک کی اس کے

---

[1] الصواعق المحرقۃ، الفصل الخامس فی ذکر شبہ الشیعۃ الخ، جز01، ص106

معانی میں تعمیم جائز نہیں ہے خصوصاً مذکورہ جگہ میں کیونکہ معتق اور معتق میں سے ہر ایک مراد لینا ممتنع ہے اور بغیر دلیل کے اس کے بعض معانی کے ساتھ تخصیص بھی ممتنع ہے۔ اب ہم نے اس کے ناصر ومحب کے معنی مراد ہونے پر دلیل پالی وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لوٹے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بعض برے امور ذکر کر کے ان کی نسبت امیر المومنین حیدر کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ انہیں ناپسند کرتے تھے۔[1] تو آپ علیہ السلام نے ان کے بغض سے روکنے اور ان کی محبت پر مہر لگانے کا ارادہ کیا جیسا کہ حافظ شمس الدین جوزی قدس سرہ نے ذکر کیا۔ نیز نبی کریم ﷺ کے فرمان میں یہ جملہ ''اے اللہ! تو مدد فرما اس کی جو اس کی مدد کرے'' اس بات پر قرینہ ہے کہ یہاں مراد مددگار اور محب ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ معروف نہیں ہے؛ کیونکہ ''اولیٰ من کذا'' کہا جاتا ہے ''مولیٰ من کذا'' نہیں کہا جاتا۔ شرح تجرید میں اس کا یوں رد کیا گیا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مولیٰ اسم تفضیل ہے حتیٰ کہ مذکورہ اعتراض وارد ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ اسم ہے جو اولیٰ کے معنی میں ہے اور یہ عباراتِ قوم میں شائع ہے جیسا کہ اس کے حاصل پر شاہد ہے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ اس کا استعمال بمعنی اولیٰ کے آیا ہے مگر اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ مراد اولیٰ بالتصرف ہو بلکہ جائز ہے کہ اس کا معنی کسی دوسرے امر میں مقدم ہونا ہے مثلاً اللہ عزوجل کا فرمان ہے ''اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ'' (آل عمران:68) (ترجمہ:) ''بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حق دار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی'' اسی طرح شاگرد کہتے ہیں ''نحن اولیٰ باستاذنا'' یعنی ہم اپنے استاذ کے زیادہ قریب ہیں نہ کہ تصرف میں زیادہ مختار ہیں۔

چھٹا جواب یہ کہ اگر یہ ان کی خلافت میں نص ہوتا تو ضرور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بوقتِ حاجت اس سے دلیل لاتے مگر ان دونوں کا دلیل نہ لینا ان کے استدلال کے رد کے لیے کافی ہے ورنہ ان کا باطل پر راضی ہونا لازم آئے گا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے بڑے صحابہ پر جائز نہیں ہے۔

ساتواں جواب جو کہا گیا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ان کی خلافت میں نص ہے مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد خلیفہ ہوں گے کیونکہ حدیث میں فی الحال خلافت تو مراد ہو نہیں سکتی وگرنہ ان کا نبی کریم ﷺ کی حیات میں ہی اولیٰ بالتصرف ہونا لازم آتا اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔ حدیث میں فی الحال خلافت سے تعرض نہیں ہے، بلکہ حدیث ان کی خلافت پر دلالت کرتی ہے جب ان کے لیے بیعت حاصل ہو۔

آٹھواں جواب یہ کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہی ان کی خلافت پر دال ہے مگر یہ اجماعِ صحابہ سے

---

[1] الصواعق المحرقۃ، الفصل الخامس فی ذکر شبہ الشیعۃ الخ، ج01، ص109

منسوخ ہو گئی۔ یہ جواب انتہائی کمزور ہے جو ملحدین (روافض) کی طرف سے ہیجان برپا کرنے میں ممد و معاون ہو گا۔

چوتھی دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر وہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم مجھ سے ایسے ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''۔[1] استدلال کی تقریر یوں ہے کہ لفظ ''المنزلۃ'' اسم جنس ہے۔ جو تمام منازل کو شامل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہر مرتبہ جو حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے ہے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو گا اور انہیں مراتب میں خلافت بھی ہے پس اگر حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زندہ ہوتے تو ضرور ان کے بعد ان کے خلیفہ ہوتے کیونکہ خلافت سے معزولیت نقص و عیب ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز نہیں ہے اور یہ حدیث متواتر ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ ہونا ثابت ہوا۔

اس کے نو جوابات ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ آمدی نے کہا جو اہل سنت و جماعت کے مشائخ میں سے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ شیعہ شنیعہ تو احادیثِ امامت میں تواتر کی شرط لگاتے ہیں اور یہ حدیث تو احاد سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اجماعِ قطعی کے مقابل ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں قربت اور اخوت میں تشبیہ ہے۔ یہاں وہ تمام مراتب جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہیں، ان کو حضرت علی کے لیے سید المرسلین ﷺ سے ثابت کرنا مقصود نہیں کیونکہ ان تمام منازل میں سے دونوں کا نسبی بھائی اور نبی ہونا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ نبوت سے سوا تمام مراتب ان دونوں کے مابین ثابت ہیں تو پھر بھی ان کا مدعا تام نہیں ہوتا کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ نہ تھے بلکہ نبوت میں شریک تھے اور ان کا حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ کہنا کہ ''میری قوم میں میرے نائب ہو جائیں'' مجاز ہے کہ قوم کے معاملات کو قائم کرنے میں مبالغہ اور اس کی تاکید ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام خلیفہ تھے تو ہم ان کی خلافت کے دوام کو نہیں مانتے بلکہ وہ خلافت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی کی مدت کے لیے ہی تھی۔ تو اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی غیر موجودگی کی مدت تک خلیفہ تھے کہ جب آپ غزوہ تبوک میں تھے جیسا کہ بعض احادیث اس پر دال ہیں۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا مستقل نبی ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نائب ہونے سے زیادہ کامل شرف ہے لہذا ان کا یہ کہنا باطل ٹھہرا کہ اگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حیات ہوتے تو ضرور خلیفہ ہوتے ورنہ ان کا نقص لازم آئے گا۔ ساتواں جواب یہ کہ جب یہ عام مخصوص عنہ البعض ٹھہرا تو باقی میں حجت نہ رہے گا۔[2]

آٹھواں جواب یہ ہے کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر کی خلافت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ آپ کی خلافت کی

[1] فضائل الخلفاء الراشدین، فضیلۃ للاخی الرضی علی بن ابی طالب، ص38

[2] منازل عام ہیں مگر ان میں سے حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت اور نسبی بھائی ہونے کا مرتبہ مخصوص ہے لہذا یہ عام مخصوص عنہ البعض ٹھہرا۔

اہلیت ثابت ہوتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے کچھ سفروں میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت کا زیادہ حق دار ہونا لازم نہیں آتا۔

نواں جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں ان کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ضرور اس سے دلیل لاتے۔ ثانی تقدیر سفسطہ یعنی مغالطہ ہے تو اول بھی اسی طرح ہے۔

پانچویں دلیل: شیعہ شنیعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ان روایات سے استدلال کیا کہ آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''تم میرے بھائی، میرے خلیفہ، میرے بعد میرے وصی اور میرے دین کو ادا کرنے والے ہو''۔ [1] لفظ قاضی ضاد کے زیر کے ساتھ ہے۔ دوسرا یہ فرمان کہ ''تم مسلمانوں کے سردار، متقین کے امام اور روشن اعضاء والوں کے راہنما ہو''۔ تیسری روایت میں ہے ''لوگوں کی امارت علی کے سپرد کردو''۔ [2] اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث باطل اور من گھڑت جھوٹ اور جھوٹے بہتان ہیں۔ ان کے من گھڑت ہونے پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ ان روایات کی صحت کا دعویٰ کرنے والے لوگوں پر تعجب ہے کیونکہ انہوں نے نہ کسی محدث کی مجلس اختیار کی اور نہ وہ محدثین کی شرائط میں سے کسی شرط سے موصوف ہیں۔ ان کے قائل کہاں اوندھے جاتے ہیں؟

چھٹی دلیل: خلافتِ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم پر شیعہ کا استدلال یوں ہے کہ امت نے تین اشخاص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے ایک کی خلافت پر اتفاق کیا۔ اب ان میں سے دو حضرت صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی امامت باطل ہے کیونکہ امام کے لیے عصمت کا واجب ہونا اور منصوص علیہ ہونا ضروری ہے اور ان دونوں کی بالاتفاق نہ عصمت ضروری نہ ان پر نص ہے پس حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی امامت کو ماننا واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم عصمت اور تخصیص کے وجوب کو نہیں مانتے اور اس پر کلام گزر چکا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تخصیص نہ ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر شیعہ کے اعتراضات

بیسواں شبہ: شیعہ کے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو امیر مقرر کیا جن کا فسق ظاہر تھا تو انہوں نے مسلمانوں سے خیانت کی کیونکہ انہوں نے ولید بن عتبہ کو امیر مقرر کیا اور ان سے شراب پینا ظاہر ہوا اور انہوں نے نشہ کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی سراح کو مصر کا امیر مقرر کیا تو اس کے سبب وہ ظاہر ہوا جس سے اہل مصر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنایا پھر ان سے ظاہر ہوا جو ظاہر ہوا۔ یہ سب امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ خلافت کے اہل نہ تھے۔

1۔ تجرید العقائد للطوسی، ص 231

2۔ تسدید القواعد فی شرح تجرید العقائد، ص 1073

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان افراد کو اپنے حسن ظن کے مطابق اہل سمجھ کر ہی مقرر کیا اور رازوں پر اطلاع فقط اللہ عزوجل کو ہی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جب عبداللہ بن ابی سراح کی تعدی و ظلم کو دیکھا تو اسے معزول فرما دیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہی شام کے گورنر تھے اور ان سے کوئی غلط بات ظاہر نہیں ہوئی حتی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی، ہاں اجتہادی خطا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ظاہر ہوئی۔

اکیسواں شبہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو بڑے بڑے اموال دے کر جمیع رعایا پر ترجیح دی حتی کہ مروی ہے کہ ان میں سے چار افراد کو چودہ سو دینار دیے اور یہ بیت المال سے تھے۔ اس کا جواب ہے کہ یہ مال بیت المال سے نہ تھا بلکہ خاص اپنے ذاتی مال سے دیا۔ نیز آپ کا غنا اور مالداری مشہور ہے اور اپنے ذاتی مال سے رشتہ داروں پر ایثار کرنا شرعا اور عرفا مستحسن ہے۔

بائیسواں شبہ: شیعہ کا کہنا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام کے حق میں کثیر ناپسندیدہ چیزیں صادر ہوئیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اتنا مارا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور ان کے مصحف کو جلا دیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو مارا حتی کہ ان کو گہرا زخم ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مارا اور انہیں "ربذہ" کی طرف جلاوطن کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے حق میں تو کثیر مناقب وارد ہوئے ہیں تو ان کی بے ادبی کرنا دلالت کرتا ہے کہ وہ خلافت کے اہل نہ تھے۔ جواب حضرت عبداللہ بن مسعود کے قصے کی صحت ہمیں تسلیم نہیں، اگر ہم اسے صحیح مان لیں تو اس اعتراض کے چند جواب ہیں، پہلا یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کو ایک مصحف پر جمع کرنے کا ارادہ کیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا مصحف مانگا تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا حالانکہ اس میں کمی بیشی تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی تادیب کی اور ہمیں اس تادیب سے ان کا فوت ہو جانا تسلیم نہیں۔ یہ تادیب ضروری تھی اور مخفی نہ رہے کہ یہ تادیب قتل سے کم تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کثیر صحابہ کو بطور تادیب قتل کیا۔ دوسرا یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں آئے، بے ادبی کی اور ایسی سختی سے پیش آئے کہ ائمہ پر اس طرح کی جرات جائز نہیں ہوتی اور امام کی ذمہ داری ہے کہ بے ادبی کرنے والے کو ادب سکھائے تاکہ لوگوں پر اس کی ہیبت واقع ہو کیونکہ ہیبت کے کم ہونے سے فتنہ بھڑک اٹھتا، دشمنوں کو جرات ہوتی اور فساد کی کثرت ہوتی ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ لوگوں نے شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد ناز و نعم اور لذیذ کھانے اختراع کر لیے اور یہ لوگوں کے دلوں میں فساد کا موجب ہے۔ نیز ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عثمان رضی اللہ کو دیکھا تو کہا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ۔ (التوبہ:35)
(ترجمہ:) "جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں" بتو

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی تادیب کی اور اس وجہ سے تادیب جائز ہے اگرچہ وہ ہلاکت تک لے جائے، پھر فرمایا ؛یا تو تم باز آجاؤ یا پھر تم چلے جاؤ جہاں تمہارا دل کرے تو وہ خود بغیر جلاوطنی کے''ربذہ'' کے مقام پر چلے گئے۔ واللہ اعلم!

تیئیسواں شبہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے قصاص کو ساقط کر دیا جب انہوں نے اہواز کے بادشاہ''ہرمزان'' کو قتل کر دیا حالانکہ وہ اہواز کی فتح کے بعد جب قیدی بنا تو اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور قصاص کو ساقط کرنا ترکِ فرض ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا اور آپ کی رائے یہ بنی کہ حکمِ قتل ان پر لازم نہیں۔

چوبیسواں شبہ: شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ولید کے شراب پینے کے باوجود اس سے حد کو ساقط کر دیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ حد اس لیے موخر کی تا کہ شراب پینے کی تحقیق ہو سکے اور آپ نے اسے کہا تھا کہ اگر اس کا شراب پینا ثابت ہو گیا تو میں اس پر حد جاری کروں گا۔

پچیسواں شبہ: شیعہ کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کی اور انہیں وقت شہادت اکیلا چھوڑ دیا نیز امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''اللہ نے انہیں قتل کیا'' حالانکہ صحابہ ان کا دفاع کرنے پر قادر تھے۔انہیں تین دن تک دفن نہ کیا گیا تو یہ صحابہ کرام کی ان پر شدید ناراضی کی علامت ہے پس اگر وہ اس کے مستحق نہ ہوتے تو صحابہ کرام ان کی مدد کرنے میں سستی نہ کرتے۔اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کا بغیر عذر کے ان کی مدد نہ کرنے اور ان کی تدفین کو ترک کرنے کی بات صحیح نہیں کیونکہ یہ تو صحابہ کرام پر طعن ہے نہ کہ ان پر؛ تو ہم مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اور خصوصا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ ایک مظلوم کی شہادت پر راضی تھے خصوصا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں کو سجدے، قیام اور ذکر میں گزارنے والا ہو، رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں سے انہیں شرف بخشا ہو اور جنت کی خوش خبری دی ہو لیکن ان کی مدد نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کر دیا تھا کہ جنگ کرنے والوں سے لڑائی کریں ؛اس ڈر سے کہ مسلمانوں کے خون بہیں گے اور آپ تقدیر کے فیصلے پر راضی رہے۔انہیں رسول اللہ ﷺ کی بشارت کی وجہ سے اپنی شہادت کا یقین تھا جیسا کہ گزرا۔ علاوہ ازیں مروی ہے کہ صحابہ کرام نے ان بلوائیوں سے لڑنے کی تیاری کر لی تھی تو ان کے پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ باوجود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے انہوں نے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے بھیجا جیسا کہ ان کی شہادت کے واقعہ میں مذکور ہے۔

چھبیسواں شبہ: ان کا کہنا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر، غزوہِ احد اور بیعتِ رضوان میں حاضر نہ تھے اور یہ ان کے حق میں واضح نقص ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ غزوہ احد میں حاضر تھے مگر (پیچھے سے اچانک حملے کے وقت) ثابت قدم نہ رہ سکے اور اللہ عزوجل نے ان کے اس عمل کو معاف فرما دیا''اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ'' (آل عمران:155) (ترجمہ:)''بے شک وہ جو تم میں سے پھر

گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے لغزش دی اُن کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرمادیا''۔غزوہ بدر میں حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ بنی کہ آپ کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ و رضی اللہ عنہا بیمار تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا'' تمہارے لیے بدر میں شریک ہونے والے ایک شخص کے برابر اجر ہے اور مال غنیمت سے حصہ ہے''پس وہ گئے اور ان کو آپ علیہ السلام نے ایک حصہ عطا فرمایا پس وہ بلاشک وشبہ بدری ہیں۔اس وجہ سے امام رئیس المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری نے انہیں بدری صحابہ کرام میں شمار فرمایا ہے۔بیعتِ رضوان میں یہ حاضر نہ تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکہ سفیر بنا کر بھیجا تھا پس جب آپ علیہ السلام سے صحابہ کرام نے بیعتِ رضوان کی تو آپ علیہ السلام نے اپنا ایک ہاتھ لے کر دوسرے پر رکھا اور کہا یہ عثمان کا ہاتھ ہے تو رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خود ان صحابہ کے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔یہ تینوں سوالات مکمل اور ان کے جوابات عثمان بن عبداللہ بن موہب کی حدیث میں مذکور ہیں؛ جس کو امام بخاری نے روایت کیا۔[1] اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مصری شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی تین سوال پوچھے اور انہوں نے وہی جواب دیے جو ہم نے ذکر کیے تو مذکورہ سوالات مکمل طور پر دور ہو گئے۔

ستائیسواں شبہ: رسول اللہ ﷺ نے مروان بن حکم کو مدینہ مقدسہ مطہرہ سے نکال دیا تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس بلالیا اور پھر اس سے بڑے بڑے فتنے ظاہر ہوئے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے مدینہ میں ان کو داخل ہونے سے نہی ایک وقتِ معین سے مقید ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس وقت کی اطلاع ہو یا یہ نہی ان میں صلاح کے عدم ظہور سے مقید ہو اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس کا ظاہر صلاح سے مزین ہے تو اسے مدینہ میں داخل کر دیا اور انہیں آئندہ اس سے ظاہر ہونے والے امور پر اطلاع نہ تھی۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی کی طرف رجوع اور لوٹنا ہے۔

تقیہ کا ردّ

اٹھائیسواں شبہ: شیعہ کی خرافات میں سے ہے کہ وہ ہمارے نبی کریم ﷺ اور ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر تقیہ کو واجب کرتے ہیں۔یہ ان کے بڑے بنیادی اصول میں سے ہے اور اس پر وہ کثیر امور متفرع کرتے ہیں۔(ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:)

پہلا امر یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔دوسرا یہ کہ حضرت علی کا حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے اپنا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق طلب نہ کرنا۔تیسرا یہ ہے کہ خلفا ثلاثہ کے حق میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ عزوجل: ان الذین تولوا، الخ، ج5، ص98

کی طرف سے جو تعریف وثنا اور ان کے فضائل کا ذکر وارد ہوا۔ چوتھا امر یہ ہے کہ اہل بیت سے وہ امور ظاہر نہ ہونا جو روافض نے ظاہر کیے۔ پانچواں یہ ہے کہ قتل کے خوف سے نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کفر کے اظہار کو جائز قرار دینا۔ ان بے شرموں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا اور کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ "تقیہ میرا اور میرے آبا کا دین ہے" اور اللہ عزوجل کے فرمان: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات:13) (ترجمہ:) "بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے" کی تفسیر ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ مطلب تم میں جو زیادہ تقیہ کرنے والا اور لوگوں سے شدید خوف کھانے والا ہو۔ روافض کے فقہاء میں سے ایک نے روایت کی کہ "حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاں خاص خلوت میں رات گزاری، اس طرح کہ وہاں ایسا کوئی نہ تھا جس کے رافضی ہونے میں شک کیا جا سکے۔ پس آپ نماز تہجد کے لیے اٹھے، وضو کیا، اپنے کانوں کا مسح کیا، اپنے پاؤں دھوئے، اپنے ہاتھ باندھ کر نماز ادا کی، سجدہ کیا حتی کہ ہم نے ایک چیخ سنی کہ اچانک ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے آپ کو ان کے قدموں پر گرایا ہوا ہے اور روتے ہوئے ان سے معذرت کر رہا ہے۔ ہم نے اس کا ماجرا دریافت کیا تو اس نے کہا "خلیفہ وقت اور اس کے درباری آپ کے بارے میں شک میں مبتلا تھے اور میں بھی انہیں میں شامل تھا۔ تو میں گھر میں داخل ہوا اور اپنے آپ کو اس طرح چھپا لیا کہ مجھ پر کوئی مطلع نہ تھا۔ پس تعریف ہے اس رب کی جس نے مجھ سے میرے برے گمان کو دور کر دیا اور اے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے شہزادے! آپ کے بارے میں میرا اعتقاد اچھا ہو گیا۔ راوی کہتا ہے کہ "آپ کا یہ عمل تقیہ تھا اور ہم نے جان لیا کہ اللہ عزوجل معصوم سے کچھ پوشیدہ نہیں رکھتا"۔[1] انتہی!

((اس کے کئی جوابات ہیں، ان میں سے پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اہل ایمان سے جرات وشجاعت اور حق گوئی کا مطالبہ کیا ہے۔ چنانچہ اپنے محبوب بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (المائدہ54) (ترجمہ:) "اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے" نیز اپنے انبیاء کرام کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا (الاحزاب 39) (ترجمہ:) "وہ جو اللہ کے پیام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ کرتے اور اللہ بس (کافی) ہے حساب لینے والا"۔ ان فرامین سے ثابت ہوا کہ انبیا کرام فریضہ رسالت کی ادائیگی میں اللہ تعالی کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے نیز اس بات پر بھی دلالت ہے کہ انبیا کرام کا احکامات الہی کی ادائیگی میں تقیہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ لہذا شیعہ کا یہ اصول اسلامی تعلیمات کے سراسر مخالف اور باطل ہے کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ ہی تقیہ فرمائیں تو لوگوں میں حق کو کون واضح کرے گا؟ انبیاء کرام کی بعثت ہی احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ہوتی ہے۔ ایک کامل مومن سے اسلام کا یہی تقاضا ہے کہ وہ علی الاعلان اپنے عقیدے کا اظہار کرے۔ اسلامی تاریخ راہ عزیمت اختیار کرنے والوں کی لازوال شجاعتوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہے خصوصاً

۱۔ الرکھنۃ علی قمر الرافضۃ، ص158

امام حسین رضی اللہ عنہ تا صبح قیامت راہ عزیمت اختیار کرنے والوں کے لیے اسوہ کاملہ ہیں۔

اگر تقیہ جائز ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نمرود کے بھرے دربار میں اعلانِ حق فرما کر آگ میں نہ کودتے بلکہ تقیہ کر لیتے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو نہ للکارتے، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام حق بات کا اعلان کرتے ہوئے اپنی جان قربان نہ کرتے، اسی طرح حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ چلچلاتی دھوپ میں تپتی ریت پر ایک بھاری پتھر کے نیچے لیٹ کر احد احد نہ پکارتے اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا بے پناہ ظلم سہتے ہوئے شہید نہ ہوتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں تمام ملتِ اسلامیہ کا عقیدہ ہے کہ سوائے حالتِ اضطرار کے، اسلام کے منافی اور حق کے خلاف کوئی قول یا فعل اختیار کرنا ہرگز حلال نہیں۔ جب ایسا فعل کسی عام مسلمان سے متصور نہیں تو اہل بیت کرام اور خصوصاً شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ سے کیسے متصور ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے کتمانِ حق کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے اور حق چھپانے والوں کے متعلق فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ (البقرہ 159) (ترجمہ:) ''بے شک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لیے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کتمانِ حق بڑا جرم اور لعنت کا مستوجب ہے۔ مگر ان روافض کی بدبختی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے تقیہ کے فضائل تک گھڑ لیے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ایسی روایات کو ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر دیا۔ بظاہر روافض نے اپنے باطل مذہب کو ثابت کرنے کے لیے یہ عقیدہ گھڑا ہے مگر اس سے ائمہ اہل بیت کی ثقاہت پر ایسے ایسے اعتراضات اٹھا دیئے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ ہم یہاں ان کے عقیدہ تقیہ کے تناظر میں چند سوالات قائم کرتے ہیں۔

01) کیا تقیہ جرأت و بے باکی کے منافی نہیں؟

02) تقیہ اور جھوٹ میں کیا فرق ہوگا؟

03) اہل عزیمت کا کیا حکم ہوگا جنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا دی اور آپ کے مطابق دین کے اہم ستون یعنی تقیہ کا سہارا نہ لیا؟

04) کیا تقیہ مسلمانوں کی صداقت کو مجروح نہ کرے گا؟

05) اہل تقیہ کی کس بات پر اعتبار ہوگا؟

ان سوالات کی روشنی میں قارئین خود فیصلہ فرمالیں کہ تقیہ کو اصل دین کہنے والے یہ لوگ کس طرح غیر مسلموں کے سامنے دین کو صداقت وحق گوئی سے محروم کر کے پیش کر رہے ہیں؟ اور محبتِ اہل بیت کی آڑ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اہل بیت کی شجاعت و بہادری کا کس طرح انکار کر رہے ہیں۔[1]

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان'' میں لکھتے ہیں ''شیعہ حضرات تو پیغمبرانِ خدا

[1] مسلک یا سازش ملخصاً، باب ششم، ص 168 تا 212

کو بھی تقیہ کی زد میں لے آئے اور یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ خوف کے وقت ان کے لیے کفر کا اظہار کرنا جائز ہے۔ پھر ان کی جرات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے دل میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے مگر خوف کے مارے اس کا اظہار نہ کیا۔ جب یہ لوگ اس قسم کے احتمالات کو حضور نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے گریز نہیں کرتے تو دوسروں کے معاملات میں کیا کچھ نہیں کہیں گے؟ اللہ ان کا ستیاناس کرے کتنے جاہل لوگ ہیں! اور ان کے عقیدے کتنے گندے ہیں! اگر انبیاء کرام علیہم السلام حق کو چھپانے لگ جائیں تو اظہار حق کیسے ہوگا؟[1]))[2] آپ کے علم میں ہوگی قوم نمرود کی سرکشی، قومِ فرعون کا تکبر، قومِ نوح کی ہٹ دھرمی اور قریش کا نبی کریم ﷺ کو ایذا دینا اور وہ کفار تھے اللہ انہیں رسوا کرے اور مارے، حتی کہ بعض اقوام نے اپنے انبیا کرام علیہم السلام کو قتل کر دیا مگر اس کے باوجود ان انبیاء میں سے کسی نے کفر کا اظہار نہ کیا بلکہ ان کی تکالیف جتنی بڑھتیں تو ان کا اظہار اسلام اور اسلام کی دعوت بھی بڑھ جاتی تھی۔ کیا آپ کے علم میں نہیں؟ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو اتنی تکالیف دی گئیں کہ ان کی مثل کسی نبی کو تکالیف نہ دی گئیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے مدینہ مقدسہ کی طرف ہجرت فرمائی مگر تقیہ نہ کیا؛ باوجود اس کے کہ انہوں نے اس طرف انہیں مجبور کر دیا اور کہا اسلام سے رجوع کر لیں وگرنہ ہم ضرور آپ کو قتل کر دیں گے۔ بعض اقوام نے اپنے نبی کو کہا اگر تم باز نہ آئے تو ہم آپ کو رجم کریں گے مگر وہ پھر بھی دعوت اسلام سے نہ رکے۔ اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں جیسا کہ کتب سیرت و تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے تو لازم آئے گا کہ انبیا کرام علیہم السلام اور ائمہ کرام سے اعتماد اٹھ جائے کیونکہ وہ جب بھی کوئی بات کریں گے تو اس میں احتمال ہوگا کہ انہوں نے خوف اور تقیہ کے طور پر کہی ہو اور وہ سچ اور حق نہ ہو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات شہرت و تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امرِ حق کے اظہار میں کوتاہی کرنے والے اور اس کے اعلان میں مداہنت برتنے والے نہ تھے، کیونکہ وہ اللہ غالب کے شیر ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بہادر، با رعب اور عظیم شوکت کے مالک ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جو دانوں کو اگانے والی اور جانوں کو عدم سے وجود میں لانے والی ہے، اگر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کا حکم نہ دیا ہوتا تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے محمد مصطفیٰ ﷺ کے منبر کے مرتبوں میں سے تھوڑا سا مرتبہ بھی نہ چھوڑتا لیکن نبی کریم ﷺ نے جب انہیں ہمارے دینی معاملے کے لیے چن کر نماز کا حکم دیا حالانکہ میں وہاں حاضر تھا تو وہ ہمارے دنیاوی امر کے لیے زیادہ حق دار تھے؛ تو ان سے جھگڑے کی مجھ میں مجال نہیں''۔

ا۔ تکمیل الایمان فارسی، ص 139، 140۔

۲۔ اصل مخطوط میں اس مقام سے عبارت ساقط ہے مصنف نے اس شبہ کے 6 جواب دیئے ہیں جن میں سے 5 جواب مکمل ہیں مگر پہلا جواب مکمل نہیں بلکہ جواب کا آخری حصہ موجود ہے۔ ہم نے جواب کا ابتدائی حصہ اپنی طرف سے شامل کیا تاکہ قاری کا ربط برقرار رہے۔

اور مروی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدتِ تاخیر میں فرمایا: "تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں تمہاری بیعت کروں حتی کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا نے اپنے بھتیجے کی بیعت کر لی"[۱] اور حضرت سفیان اموی رضی اللہ عنہ نے کہا، حالانکہ زمانہ جاہلیت میں اور زمانہ اسلام میں بنوامیہ سے بڑھ کر بہادر کوئی قبیلہ نہ تھا: "اے عبد مناف! کیا تم اس پر راضی ہو گئے کہ تم پر تیمی حاکم ہو؟ (ان کا اشارہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کیونکہ وہ بنو تیم سے تھے جو کمزور قبائل میں سے تھا۔) اگر تم مجھے دعوت دو تو میں اس وادی کو گھڑسواروں اور پیدل فوج سے بھر دوں" تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے انہیں منع کر دیا اور کہا "اے مسلمانوں کے عدو! کیا تم فتنہ چاہتے ہو؟"[۲، ۳]

نیز بنوہاشم اپنی طاقت وشوکت کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی تھے اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمام مخلوق میں پسندیدہ تھے، ان کے بیٹے تھے۔

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو صحابہ کرام کی موجودگی میں بلایا پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا پھر کہا "یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ میری بیعت کریں، جب تم کسی دوسرے امام کو تقرر کے لیے چن لو گے تو میں سب سے پہلے اس کی بیعت کروں گا" تو انہوں نے کہا کہ "ہم آپ سے بڑھ کر کسی کو خلافت کا حق دار نہیں گردانتے" پس انہوں نے بیعت کر لی۔ شیعہ پر تعجب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اسد اللہ کہتے ہیں اور ان کی طرف بزدلی کو منسوب بھی کرتے ہیں حالانکہ اعلاء کلمۃ اللہ میں وہ مضبوط شخصیت کے مالک اور مداہنت سے بری تھے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت سے مروی ہے کہ وہ تقیہ سے بری ہیں۔ جیسا کہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ آپ شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ تو فرمایا "میں ان سے ٹوٹ کر محبت کرتا

۱۔ رسالۃ فی رد الروافض لاحمد السرھندی، ص11

۲۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں ایسے الفاظ کا استعمال کبھی کبھار کر لیتے تھے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر اجازت طلب فرمائی یا رسول اللہ ﷺ! اس منافق کی گردن نہ مار دوں۔۔؟ اسی طرح ایک شخص کے گھر میں رات کے وقت دیوار پھلانگ کر گئے اور اسے خطاب کیا کہ اے دشمن خدا! کیا تجھے گمان تھا کہ تجھے کوئی دیکھنے والا نہیں؟ یہاں عدوئے اہل الاسلام کہنا حقیقت میں اسلام کا دشمن مراد لینا نہیں ہے کیونکہ اس رائے میں مسلمانوں کی خیر خواہی نہ تھی بلکہ ایک طرح کا خاندانی تعصب تھا اور یہ بات واقعی ان لوگوں کے لیے حیران کن تھی دو بڑے قبیلے جو دنیاوی سیادت یا روحانی سیادت رکھتے تھے ان کو چھوڑ کر ایک چھوٹے قبیلے کا فرد حکمران بن جائے۔ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کے اس ارشاد میں اس جانب اشارہ ہے "اب حکمران کا انتخاب پرانے طریقے پر نہیں بلکہ اسلام کے معیار پر ہوگا اور اسی میں اہل اسلام کی خیر خواہی ہے۔]

۳۔ ان الفاظ سے تو ہمیں یہ روایت نہیں ملی لیکن "تاریخ دمشق لابن عساکر" حرف الصاد، صخر بن حرب بن امیہ، ج23، ص421، میں اس کے ہم معنی ملی ہے، اس میں "یا عدو اھل الاسلام" کے الفاظ نہیں ہیں۔ واللہ اعلم!

ہوں" عرض کی گئی کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ یہ بطور تقیہ کے فرماتے ہیں تو کہا "خوف زندوں سے ہوتا ہے نہ کہ فوت شدہ افراد سے، پھر انہوں نے ہشام بن عبدالملک کی مذمت اور برائی کرنا شروع کر دی جو اس وقت بادشاہ تھا۔ اس سے انہوں نے اس طرف اشارہ کیا کہ ہم منافقین سے نہیں کہ دل میں برائی رکھیں اور ظاہر اس کے خلاف کریں اور ہم سوائے اللہ عزوجل کے کسی سے نہیں ڈرتے اور لوگوں کے خوف سے حق بات نہیں چھپاتے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خوف اور تقیہ کی وجہ سے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تو ان پر لازم آتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی جنگ نہ فرماتے پس یہ دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حق پر تھے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے جھگڑا نہ کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے امر کا دعویٰ کیا جو ان کے لیے مناسب نہ تھا تو ان کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ نے قتال فرمایا حالانکہ بنو امیہ دور جاہلیت اور اسلام دونوں میں، قریش کے قبائل میں سے تعداد میں کثیر اور خوب سخت تھے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ اظہار حق واجب ہے اور باطل پر رضامندی گناہ ہے تو حق کو بطور تقیہ پوشیدہ رکھنا کیسے جائز ہوگا؟ جب کہ اظہار پر قدرت ہو نیز لوگوں سے ڈرنا اور اللہ عزوجل کے حکم کی نافرمانی کرنا کیسے جائز ہوگا؟ حالانکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ:44) (ترجمہ:) "لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو"۔[1]

بارہ اماموں والی حدیث کی بحث

انتیسواں شبہ: شیعہ امامت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں منحصر کرتے ہیں۔ ان کے بعض حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں اور بعض ائمہ اثنا عشریہ میں حصر کرتے ہیں۔ بہر حال ان کا امام کو اولادِ علی میں منحصر کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے

[1] "اسی وجہ سے ایک فقیہ نے کہا" گستاخ نبی کی توبہ قبول ہے اور شیخین کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں کیونکہ نبی کی گستاخی کسی کا مذہب نہیں جب کہ شیخین کی گستاخی تو مذہب ہے حتی کہ رافضی ان دونوں کی گستاخی کو واجب سمجھتے ہیں۔ اللہ کی ان پر لعنت ہو، اللہ انہیں رسوا کرے اور بھونکنے والے کتوں جیسی جزا دے۔ علاوہ ازیں نبی کی گستاخی اگر کسی سے ظاہر ہوگی تو وہ غصے کی حالت میں ہوگی اور یہ بات واضح ہے کہ حالت غضب میں انسان سے ایسی بات بھی صادر ہو جاتی ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہوتی پھر وہ اس حالت میں اپنے کیے پر نادم بھی ہوتا ہے پس اس کی توبہ قبول ہوگی کیونکہ اس کا یہ فعل اس شخص کے فعل کی طرح ہے جو بے اختیار ہو اور یہ توبہ توبہ نصوح اور منافقت سے پاک ہوگی۔ برخلاف شیخین کی گستاخی کرنے والا کہ جو نبی سے کفر کے اظہار کو جائز قرار دے بلکہ اس پر تقیہ کو واجب کرے تو کیسے قتل کے خوف سے اس سے توبہ ظاہر نہ ہوگی؟ کیونکہ یہ تو اپنے اوپر اس کام کو واجب سمجھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کا باطن نفاق سے بھرا ہو"۔ (مخطوطہ کے صفحہ 77 پر حاشیے میں یہ عبارت موجود ہے اور یہ عبارت مصنف کی معلوم ہوتی ہے اور اس پر دو قرینے ہیں؛ پہلا یہ ہے کہ اسی صفحہ پر موجود مسئلہ سے مطابقت ہے اور دوسرا یہ ہے کہ جس طرح مخطوط میں بہت سے مقامات پر تقدیم و تاخیر اور حذف و سقوط موجود ہے تو ممکن ہے کہ اس مقام پر بھی ناقل سے یہ عبارت رہ گئی ہو جو اس نے حاشیے میں شامل کر دی ہو نیز کتاب میں کسی اور مقام پر حواشی کا اہتمام نہیں اگر یہ کسی اور کا حاشیہ ہوتا تو ضرور دیگر مقامات پر بھی حواشی موجود ہوتے۔)

اور رہا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں منحصر کرنا تو وہ اس وجہ سے کہ بقول ان کے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی کوئی اولاد نہ چھوڑی اور یوں ان کی نسل ختم ہوگئی اور اس پر ان کا اجماع ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس کو ثابت کرنا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ ان میں سے بعض کا دعویٰ ہے کہ حجاج بن یوسف نے ان کی اولاد کو قتل کر دیا تھا۔ اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ یہ تواتر کا انکار ہے پس اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ رہا ان کا بارہ اماموں میں انحصار، تو اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ امامت کے لیے نص ضروری ہے نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''دین قائم رہے گا جب تک بارہ خلفاء ہوں گے''۔ جواب یہ ہے کہ ان کا امامت کو علویت یا حسینیت میں منحصر کرنا تو دعویٰ بلا دلیل ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ ابوداؤد اور ان کے علاوہ نے ذکر کیا کہ ''امام مہدی رضی اللہ عنہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے''۔ رہا ان کا حدیث سے بارہ اماموں پر استدلال تو یہ باطل ہے کیونکہ حدیث میں بارہ سے مراد یہ حضرات کریمہ نہیں ہیں کیونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ ان میں سے بعض ہم ذکر کرتے ہیں۔ ابوداؤد نے روایت کی ''اس دین کا معاملہ قائم رہے گا جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے، ان تمام پر امت کا اتفاق ہوگا''[1] اور ترمذی نے روایت کیا ''میرے بعد بارہ امیر ہوں گے''[2] بغوی نے تخریج کی کہ ''میرے پیچھے بارہ خلفاء ہوں گے''۔[3] ائمہ حدیث کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی صحت متفق علیہ ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ان شیعہ کے مذکور قول پر حدیث کو محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے اور اس کی کچھ وجوہات ہیں۔

وجہ اول یہ ہے کہ اس حدیث کے ایک طریقہ میں لفظِ امیر وارد ہے اور اس لفظ کو جب بولا جائے تو تبادر ذہنی فوراً اس ظاہری امارت کی طرف جاتا ہے جس کا صاحب تلوار والا اور احکام کو نافذ کرنے والا ہو اور اس کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے جو بعض روایات میں وارد ہوئے ہیں کہ ''یہ معاملہ جاری رہے گا جب تک بارہ امیر قائم نہ ہو جائیں''[4] اور شیعہ و سنی سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس صفت سے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوئی موصوف نہیں۔ ہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس کا کچھ حصہ ملا۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جو اس امت کے امور کا حاکم ہوگا''[5] اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو یہ وصف نہ ملا کیونکہ یہ لفظ ظاہری سلطنت میں استعمال ہوتا ہے جس کا صاحب دبدبے اور اوامر ونواہی کو جاری کرنے وغیرہ کے معاملات پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب المہدی، ج04، ص106

۲۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب الفتن، باب ما جاء فی الخلفاء، ج04، ص71

۳۔ شرح السنۃ للبغوی، کتاب الفتن، باب اشراط الساعۃ، ج15، ص30

۴۔ مسند احمد مخرجا، اول مسند البصریین، حدیث جابر بن سمرۃ، ج23، ص398

۵۔ المعجم الکبیر، باب الصین، ج10، ص157

وجہ ثالث یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ "ان تمام پر امت کا اتفاق ہوگا"[1] اور امت کا ان بارہ اماموں میں سے سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے کسی پر اتفاق نہیں ہوا۔

وجہ رابع یہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہیں اور اس پر بغوی کی روایت دلیل ہے تو ان شیعہ کا دعویٰ باطل ہوگیا۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ ابوجعفر القمی نے کچھ احادیث کی تخریج کی ہے جو اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ اس حدیث میں مراد وہی بارہ مشہور ائمہ ہیں اور یہ شیعہ کے شیوخ میں سے ہے جس سے امام بخاری نے بھی استشہاد کیا ہے۔اس کا رد کیا گیا کہ وہ قمی جس کے بارے میں کہا گیا کہ امام بخاری نے اس سے استشہاد کیا ہے وہ ابوالحسن یعقوب بن عبداللہ ہے جو سنی ہے۔رہا ابو جعفر قمی تو یہ گمراہ شیعوں کی پیداوار ہے جس نے من گھڑت اور باطل روایات کی ہیں،جن میں سے کچھ شرائطِ امامت میں گزر چکیں،تو اس طرف رجوع کریں۔

اعتراض:اگر آپ کہیں کہ پھر حدیث میں بارہ خلفاء سے کیا مراد ہے؟جواب:تو میں کہوں گا کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔پہلا قول یہ ہے کہ بعض نے کہا مراد ابوبکر صدیق،عمر فاروق،عثمان غنی،علی المرتضی رضی اللہ عنہم اور وہ ہیں جن پر لوگوں کا اتفاق ہوا اور انہیں غلبہ،قوت اور استقرار ملا اور وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ،یزید،عبدالملک،اس کے چار بیٹے ولید،سلیمان، یزید اور ہشام اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے بعد اسلامی مملکت میں کمزوری ظاہر ہوئی حتی کہ ابھی تک باقی ہے اور اس کے بعد فتنوں کی وجہ سے لوگ کسی خلیفہ پر متفق نہ ہو سکے۔اور ان بارہ کی حکومت میں اسلام قوی تھا اور یہ پوری مملکتِ اسلامیہ کے حاکم تھے کہ ان کے لشکروں میں سے ایک اندلس کو فتح کر رہا تھا تو دوسرا ترکیوں سے برسرِ پیکار تھا اور تیسرا سندھ کے علاقوں میں تو چوتھا روم کے شہروں میں لڑ رہا تھا۔یہ قول قاضی عیاض کا پسندیدہ ہے اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں شیخ الاسلام نے اس کی تحسین کی اور فرمایا"قاضی کا کلام عمدہ ہے جس کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ"ان تمام پر لوگ متفق ہوں گے"یعنی ان کے تابع ہوں گے۔اس بات کو جان لینا ضروری ہے کہ یہاں خلیفہ سے مراد وہ ہے جو لوگوں پر حاکم ہو،برابر ہے کہ نیک ہو یا ظالم،جیسا کہ بعض فضلا نے ذکر کیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بارہ خلفا سے مراد قیامت تک مکمل زمانے میں ان کا پایا جانا ہے جو حق پر عمل کریں گے اگرچہ لگاتار نہ ہوں۔اس قول کی تائید بعض کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ"میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے جو سب قریش سے ہوں گے پھر ہرج ہوگا"۔ہرج سے مراد بڑے فتنے ہیں جیسے دجال کا نکلنا وغیرہ۔اس قول کے مطابق بارہ خلفا،خلفا اربعہ،حضرت حسن،امیر معاویہ،ابن زبیر،عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم،عباسی خلیفہ مہدی اور ظاہر عباسی ہیں۔باقی دو رہتے ہیں جن کا انتظار ہے۔بعض نے آخری دو عباسی خلیفوں کا ذکر نہیں کیا اور کہا چار باقی ہیں جن کا انتظار ہے۔

---

[1] اکمال المعلم بفوائد المسلم،کتاب الامارۃ،باب الناس تبع لقریش الخ،ج06،ص217

تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں وہ خلفا مراد ہیں جو امام مہدی کی وفات کے بعد چھ امام حسن رضی اللہ عنہ اور پانچ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے اور ان میں سے ایک ان کے علاوہ سے ہوگا۔ فتح الباری اور الصواعق المحرقہ میں ہے کہ یہ روایت شدید ضعیف اور بے کار ہے سو اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ بعض نے کہا مراد وہ خلفاء ہیں جو ایک ہی زمانے میں ظاہر ہوں گے۔ اس کے باطل ہونے میں شک نہیں کیونکہ یہ فتنہ کو بھڑکانے کا موجب ہوگا اور فتح الباری میں ہے حدیث صحیح کا یہ فرمان ''ان تمام پر لوگ متفق ہوں گے'' اس قائل کا رد کر رہا ہے۔ بعض نے کہا بغیر دلیل کے نبی کریم ﷺ کے فرمان کی مراد کو متعین کرنا کذب کی ایک قسم ہے۔ واللہ اعلم، حاصلِ کلام یہ کہ شیعہ کا دعویٰ عقلا اور نقلا باطل ہے۔

تیسواں شبہ: شیعہ کے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت فاحشہ کی طرف کرتے ہیں۔ معاذ اللہ، جن کی طہارت پر قرآن اترا ہے اور یہ قرآن کا انکار اور کفر ہے۔ سورہ نور کی ابتدا کی کثیر آیات آپ رضی اللہ عنہا کی براءت میں نازل ہوئی ہیں۔ عبدالرزاق، احمد، عبد بن حمید، بخاری، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، سعید بن منصور، بزار اور طبرانی نے روایت کیا کہ ''ان آیات سے مراد پاک بی بی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں'' نیز یہی بات عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، عمرہ بنت عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف، قاسم بن محمد بن ابی بکر، اسود بن یزید اور عباد بن عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے۔ ابن عساکر نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ ''کسی نبی کی بیوی نے کبھی فجور نہیں کیا''[1]۔ نیز اس بات سے لازم آئے گا کہ لوگ نبی کریم ﷺ کی اہانت اور ان سے نفرت کریں حالانکہ نبی کریم ﷺ نفرت کو ثابت کرنے والے امور سے پاک ہیں خصوصا جو ازواج مطہرات سے ہوں۔ نیز اس سے تو شبہ ہوگا کہ معاذ اللہ آپ کی اولاد حلالی نہ ہو اور یہ بات کمینگی اور گھٹیا پن کو ثابت کرے گی جبکہ نبی تو اپنی قوم کے انتہائی باعزت قبیلے سے مبعوث ہوتا ہے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ یہ اللہ عزوجل کے اس فرمان: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا (التحریم:10) (ترجمہ:) ''اللہ کافروں کی مثال دیتا ہے نوح کی عورت اور لوط کی عورت وہ ہمارے بندوں میں دو سزاوار قرب (مقرب) بندوں کے نکاح میں تھیں پھر انہوں نے ان سے دغا کی''، کے مخالف ہے تو میں کہوں گا کہ عبدالرزاق، فریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے روایت کیا کہ ''ان دونوں نے زنا نہیں کیا بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں کو کہا کرتی کہ یہ مجنون ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کی خیانت یہ تھی کہ وہ کفار کو آنے والے مہمانوں پر راہ دکھاتی تھی''۔[2]

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف النون، ص265، ج62

[2] تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ التحریم آیت:10، ج10، ص3362

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والا کا حکم

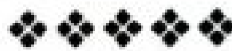
کہا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ تہمت لگانا کفر اور ارتداد ہے اور فقط کوڑے مارنے پر اکتفا نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ قرآن کی سترہ آیات کو جھٹلا رہا ہے۔ رہا نبی کریم ﷺ کا اس تہمت لگانے والوں کو صرف کوڑے مارنے پر اکتفا کر لینا تو وہ اس وجہ سے تھا کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں قرآن کا نزول نہیں ہوا تھا سو اس میں قرآن کی تکذیب نہیں تھی اور جب کتاب اللہ کی آیات کا ان کی طہارت پر نزول ہو چکا تو اب تہمت لگانا ارتداد ہے۔

الحمدللہ عزوجل اس کتاب کے ترجمہ کی ابتدا مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفا وتعظیما کی مسجد نبوی میں گنبد خضرا کے سائے میں جمعۃ المبارک کے دن کی برکات لیتے ہوئے بعد نماز عصر کی اور یہ 16 جمادی الاولی 1445ھ بمطابق 01 دسمبر 2023 کی تاریخ تھی۔ اس سے فراغت مع نظر ثانی وتصحیح 01 رجب المرجب 1446ھ بروز جمعرات کو ہوئی۔

ابو محمد علامہ عبد الواحد کبیری

مدرس جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ ملتان

یکم رجب المرجب 1446ھ



علامہ پرہاروی کے حالات وافکار

نام ونسب:

حضرت علامہ اپنی کتاب ''التمییز فی التنقیح'' کے آخر میں اپنا نام ونسب یوں تحریر فرماتے ہیں: قال المؤلف عبدالعزیز بن احمد بن حامد احسن اللہ الیھم۔[1]

تاریخ ولادت:

اس میں مورخین کا اختلاف ہے بعض نے 1206 ہجری بمطابق 1792 اور بعض نے 1207 ہجری ذکر کیا اور ایک قول 1209 ہجری کا بھی ہے۔ آپ کی جائے پیدائش کوٹ ادو شہر کے قریب ''پرہاڑ'' نامی بستی ہے۔

حفظِ قرآن

علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے قرآن پاک کیسے حفظ کیا؟ تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

(1) آپ نے اپنے والد صاحب سے باقاعدہ حفظ کیا۔

(2) مقابیس المجالس المعروف ''اشاراتِ فریدی'' جو خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور ان کو لکھنے والے ان کے خلیفہ مولانا رکن الدین ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ خواجہ صاحب نے فرمایا ''مولوی عبدالعزیز پرہاروی جو حضرت صاحب حافظ جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے، کا حافظہ بھی بہت قوی تھا۔ ایک دفعہ وہ حافظ جو رمضان شریف میں قرآن مجید سنایا کرتا تھا بیمار ہوگیا اور ماہِ رمضان سر پر آگیا۔ مولوی صاحب نے علمِ نجوم کے ذریعے پہلے رمضان شریف کے دن معلوم کیے۔ ان کو معلوم ہوا کہ تیس دن کا مہینہ ہے۔ پس وہ ہر روز ایک سپارہ یاد کرتے تھے اور رات کو تراویح میں پڑھتے تھے''۔[2]

تحصیل علم:

علامہ کے بچپن کے حالات اور تحصیل علم سے متعلق تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ آپ کے اساتذہ میں یہ نام ملتے ہیں۔

01: ان کے والد محترم احمد بن حامد رحمۃ اللہ علیہ جن سے انہوں نے بعض ابتدائی کتب اور علم الحساب پڑھا۔

02: حافظ جمال اللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] التمییز ص133 مخطوط

[2] اشاراتِ فریدی، ج04، ص259

03: حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوری رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے پیر بھائی بھی تھے۔ ان کو علامہ کے اساتذہ میں ڈاکٹر شریف سیالوی نے ''الیاقوت'' پر اپنے مقالے میں ذکر کیا ہے۔

04: حضرت سید زین العابدین نقش بندی رحمۃ اللہ علیہ ان کو علامہ کے اساتذہ میں رائے عمر کمال نے ''فقہائے ملتان'' میں درج کیا ہے۔

تلامذہ:

آپ کے شاگردوں میں تین افراد کے نام ملتے ہیں جن کا ذکر متین کاشمیری صاحب نے ''احوال و آثار'' کیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

01: رائے پرہوت پڑہاروی یہ اسی بستی کے رہنے والے تھے اور ان کی قبر بھی علامہ کے قریب ہی ہے۔ ان کی اولاد در اولاد ابھی بھی اس بستی میں موجود ہے۔

02: سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی بڑی عمر تھی حتی کہ علامہ احمد سعید کاظمی شاہ صاحب نے ان کی زیارت بھی کی۔

03: شاہ نواز خان جو ملتان کے آخری مسلمان حاکم مظفر خان سدوزئی شہید کے فرزند تھے۔ ان کا ذکر علامہ نے اپنی کتاب الصمصام، زمرد اخضر اور کوثر النبی میں کیا ہے۔

04: حضرت سید سلطان احمد ہاشمی ان کا ذکر علامہ نے ایمان کامل میں کیا ہے اور یہ کتاب انہیں کے لیے علامہ نے لکھی ہے۔

تصانیف:

علامہ نے کئی علوم وفنون میں تالیفات کیں ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں یکتا تھے۔ آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے مگر آپ کی اکثر کتب پردہ خفا میں چلی گئیں۔ اس کی ایک وجہ تو حوادث زمانہ ہیں۔ دوسری وجہ ان کو ایسے شاگرد نہ مل سکے جو ان کے علوم کو آگے پھیلاتے۔ تیسری وجہ ان کی اولاد نہ تھی جو ان کے علوم کی وارث ہوتی اور ان کی علمی تراث کی محافظ و ناشر بنتی۔ ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موصوف کے علاقے میں ان کے حاسدین اور دشمن ان کی تصانیف کے ضیاع کا سبب بنے۔ آج ہمیں ان کی چند تصانیف کا پتہ چلتا ہے چند ایک مطبوعہ ہیں۔ اور اکثر مخطوط ہیں۔ کچھ کا ذکر میں کرتا ہوں جو میرے علم میں آئیں۔ ان تصانیف کو دیکھ کر جہاں علامہ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ اگر ان کی تمام تصانیف منظر عام پر ہوتیں تو علمی دنیا میں ان کا مقام اس سے بھی بلند ہوتا جو آج ہے۔

1- السلسبیل فی تفسیر التنزیل:

یہ تفسیر عربی زبان میں تفسیر جلالین کی طرز پر؛ ایک مختصر تفسیر ہے اس کے دو نسخے ملتے ہیں۔ ایک انتیس پاروں تک ہے جب کہ دوسرا اکمل قرآن کی تفسیر پر مشتمل ہے یہ تفسیر ایجاز و اختصار کا مرقع ہے۔ اس میں مشکلات کی وضاحت ہے اور جو

آسان آیات ہیں ان کی تفسیر نہیں کی گئی اور احکام کی آیات کی تفسیر مصنف نے مذہب حنفی کے مطابق فرمائی ہے۔

2-سدرۃ المنتہیٰ:

یہ کتاب فارسی میں ہے۔ اس کے موضوع کا پتا نہ چل سکا۔ علامہ نے اپنی آخری تصنیف ''النبراس'' میں پانچ مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر جزء لایتجزی کے عدم ثبوت پر دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''وقد استقصینا ابحاثها فی کتابنا سدرة المنتهیٰ''۔[1] پھر دوسرا مقام افعال عباد کی بحث میں اشاعرہ اور معتزلہ کے دلائل ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''استقصاء هذه المباحث فی کتابنا سدرة المنتهی''[2] پھر تیسرا مقام قضاء وقدر کی بحث ذکر فرما کر رقم طراز ہیں: ''ولعلك تجد فی سدرة المنتهیٰ ابسط منها''[3] پھر چوتھا مقام توبہ کی بحث ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''واستیفاء مباحث التوبه فی کتابنا سدرة المنتهیٰ''[4] اور پانچواں مقام اعجاز قرآن کے حوالے سے تفصیلی بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''ویطلب تمام هذه المباحث من کتابنا سدرة المنتهیٰ''۔[5] ان عبارات سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب علم کلام پر ہی علامہ کی کوئی تصنیف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

3۔مرام الکلام:

یہ کتاب عقائد پر ہے اور مکتبہ حقانیہ ملتان سے چھپی ہے علامہ نے اس کا ذکر بھی اپنی آخری کتاب نبراس میں دو مقام پر کیا ہے۔ رؤیت باری تعالیٰ کی بحث ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''وقد فصلنا هذا فی مرام الکلام فراجعه والله اعلم''[6] دوسرا مقام حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر خیر کر کے فرماتے ہیں ''وذکرنا فی مرام الکلام ابسط منه''۔[7] یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ فرید بک سٹال سے شائع ہو چکی ہے۔

4-سرالسماء:

یہ کتاب علم فلکیات اور زائچہ سے متعلق ہے راقم کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس کی ابتدا کچھ یوں ہوتی ہے:

''یارب العرش الکریم صل وسلم علی النور العظیم وعلی الآل والاصحاب عدد ما احصی ام الکتاب امابعد فهذا سر

۱۔ النبراس، ص85

۲۔ النبراس، ص177

۳۔ النبراس، ص194

۴۔ النبراس، ص233

۵۔ ایضاً، ص233

۶۔ ایضاً، ص170

۷۔ ایضاً، ص315

السماء وملخص رصد الحکماء انموذج المسائل مجرداً عن الدلائل "۔[۱] علامہ نے اپنی آخری تصنیف نبراس میں اس کا ذکر اسی نام پر کیا ہے۔ چاند گرہن سے متعلق کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وتمام بسط الکلام فی مؤلفاتنا ککتابنا سر السماء "۔[۲]

یہی وہ کتاب ہے جس کی تلاش شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کو بھی تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنے ایک دوست کو ایک مکتوب میں لکھا: [۳]"مخدومی جناب میر صاحب السلام علیکم! ایک بزرگ علامہ عبدالعزیز پرہاروی تھے۔ جن کا انتقال 1239 ہجری میں ہوا۔ انہوں نے ایک رسالہ سر السماء نام کا لکھا تھا؛ جس کی تلاش مجھے ایک مدت سے ہے تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ علامہ موصوف کا کتب خانہ ایک بزرگ مولوی شمس الدین بہاولپوری کے قبضہ میں چلا گیا تھا شاید مولوی شمس الدین ان کے کوئی عزیز تھے یا کیا؟ بہر حال اس عریضے کا مقصود یہ ہے ازراہ عنایت آپ مذکورہ بالا رسالے ۔۔۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ کیا علامہ عبدالعزیز مرحوم کا کتب خانہ بہاولپور میں محفوظ ہے؟ ممکن ہے مولوی شمس الدین صاحب کے خاندان میں اس کتب خانے کی کتابیں محفوظ ہوں اگر مولوی شمس الدین صاحب کے خاندان میں وہ کتابیں محفوظ ہیں تو مذکورہ بالا ۔۔۔ ان کتب میں مل جائے آپ مہربانی کر کے اپنے اثر ورسوخ کو اس مقصد کے لیے کام میں لائیں جس کے ۔۔ ممنون ہوں گا اس کے علاوہ جو مقصد میرے زیر نظر ہے وہ قومی ہے انفرادی نہیں ۔۔۔ اس خط کے جواب کا انتظار رہے گا۔ (مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور)

5- ماغسطن:

علامہ نے حکمت ریاضیہ میں یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ نبراس میں اس کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "وتمام بسط الکلام فی مؤلفاتنا الریاضیة ککتابنا ماغسطن ورسائلنا فی معرفة الخسوف والکسوف "۔[۴]

6- المنطاسیہ فی علوم المختلفہ:

الٰہیات کے موضوع پر کتاب ہے۔ نیز اس کے علاوہ مختلف علوم فلسفہ، کیمیا، طبعیات پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس کا نسخہ بھی فقیر کے پاس موجود ہے اور اس پر کام جاری ہے۔ جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: "صدق اصحاب النوامیس وکذب اتباع ارسطاطالیس ولا کلمته الاشرائع الاسلام والمعلم الاول نبینا علیه السلام صلی الله تعالیٰ علیه وعلی سائر المنسوبین الیه ۔۔۔ الخ"[۵] علامہ نے نبراس میں جزء لا تجزی کے عدم ثبوت پر دلائل ذکر کرتے ہوئے اس کا ذکر

۱۔ سر السماء، ص 1، مخطوط

۲۔ النبراس، ص 44

۳۔ اس خط کی تصویر نیٹ پر موجود ہے اور اسلامیہ یونیورسٹی کی لائبریری میں اس کا عکس موجود ہے۔

۴۔ ایضاً، ص 44

۵۔ المنطاسیہ، ص 1، مخطوط

فرمایا چنانچہ لکھتے ہیں: ''وقد استقصینا ابحاثہا فی کتابنا نبطاسیا''۔[1]

7-التمییز فی التنقیح:

یہ کتاب علامہ نے فلسفہ یونان کے موقف کی تنقیح میں لکھی درست کی تائید اور غلط و قرآن وسنت کے خلاف کا رد فرمایا۔ آپ نے افراط وتفریط سے ہٹ کر راہ اعتدال کو اپنایا ہے۔ علامہ نے نبراس کے ایک مقام پر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''ان علوم الحکمة الموجودة فی زماننا مشتملة علی حق وباطل وقد الفت کتبا جلیلة القدر فی امتیاز حقھا عن باطلھا''۔[2] اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن مع اردو ترجمہ فرید بک سٹال سے شائع ہو چکا ہے۔

8-الیاقوت:

یہ عربی زبان میں فلسفہ کے موضوع پر اہم کتاب ہے۔ تین جلدوں میں ہے۔ علوم قدیمہ وجدیدہ کا جامع تعارف ہے۔ اس پر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مقالہ تحریر فرمایا۔ علامہ نے نبراس میں اس کا ذکر ایک مقام پر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''وَاَمَّا مَا ذھب الیه بعض المتشرعین من ابطال علوم الفلسفة کلھا وتحریم الاشتغال بھا فتعصب ومن نظر فی مقدمة کتابنا المسمی بالیاقوت ظھر علیه الحق الله سبحانه اعلم''۔[3]

9۔-الناھیہ عن ذم معاویہ

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب پر عربی زبان میں ایک محققانہ کتاب ہے۔ جس کے کئی اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور سترہ فصول پر مشتمل ہے۔ اس میں احادیث، صحابہ، تابعین، فقہا اور محدثین کے اقوال کی روشنی میں صحابی رسول سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ترکی استنبول سے بھی چھپی ہے۔ علامہ نے نبراس میں ایک مقام پر اس کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''وقد الفنا فی ھذا الباب رسالة وسمیناھا الناھیة عن ذم معاویه''۔[4]

10۔-کوثر النبی:

کتاب کا مکمل نام 'کوثر النبی و ذلال حوضه الروی'' ہے۔ علامہ ''النبراس'' میں خبر واحد کے قبول کی شرائط کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''ومحل استقصائھا کتابنا کوثر النبی''۔[5] جیسا کہ خود اس کتاب کے شروع میں فرماتے ہیں: ''اما

۱۔ النبراس، ص85

۲۔ النبراس، ص22

۳۔ ایضاً، ص22

۴۔ النبراس، ص330

۵۔ النبراس، ص282

بعد فهذا کوثر النبی وزلال حوضه الروی اطیب من المسك الا ذفر واحلی من العسل و السکر"۔[1] اس کا موضوع اصول حدیث ہے یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلا حصہ مصطلحاتِ فن، دوسرا مختلف احادیث پر تحکیم اور تیسرا اسماالرجال کی بحث پر مشتمل ہے۔اس کے مختلف نسخے کچھ ناقص اور کچھ کامل ملتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

01: جمیعت اشاعت اہل سنت کراچی کی لائبریری میں موجود نسخہ جو مکمل نہیں ۔ اس میں روات والا حصہ نہیں۔

02: اجمیری کتب خانہ چوک فوارہ ملتان کے قریب غلام محمد نظامی سے خرید کیا گیا مخطوط؛ جو پانچ اجزا پر مشتمل اور مکمل ہے۔

03: مکتبہ الشیخ زمین گل خان کوئٹہ کا نسخہ جو مکمل ہے۔

04: سندھ آرکائیو کلفٹن کراچی کا نسخہ یہ مکمل نہیں ہے۔ابتدا کے کچھ صفحات نہیں نیز روات پر کلام والا حصہ نہیں۔

اس کتاب کا صرف اول حصہ مصطلحات والا ہی مطبوع ہوا ہے،سب سے پہلے مکتبہ قاسمیہ ملتان نے ماضی بعید میں اسے شائع کیا جو باغ لانگے خان لائبریری ملتان میں موجود ہے۔پھر اس کے بعد ماضی قریب میں مکتبہ حقانیہ ٹی بی روڈ ملتان نے شائع کیا ہے۔

اس پر منہاج القران یونیورسٹی میں ایم فل مقالے کے سلسلے میں کافی عرصہ قبل کام ہوا ہے ۔یہ کام تین طلبا میں صفحات تقسیم کر کے کروایا گیا اور تینوں نے تین مقالوں کی صورت میں اس پر کام کیا۔ یہ کام منہاج القرآن کی لائبریری میں موجود تھا۔

11۔السر المکتوم مما اخفاہ المتقدمون:

عربی زبان میں علم تکسیر وجفر سے متعلق کتاب ہے۔مطبوعہ ہے اور اردو ترجمہ بھی ملتا ہے اس کا عربی نسخہ فقیر کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:"یا الله المحمود فی کل افعاله صل علی سیدنا محمد وآله واصحابه مقتبس انوار جماله وبعد فهذه الاوراق اِنتَخَبتُهَا من الرسائل المکنونة والکتب المخزونة"۔[2]

12-زمرد اخضر:

علم طب سے متعلق یہ اہم کتاب ہے۔نواب شاہ نواز خان کی فرمائش پر تصنیف فرمائی۔ اس کے فارسی اور اُردو میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔ علامہ پرہاروی کو علم طب میں یدطولی حاصل تھا۔آپ نواب مظفر خان کے شاہی طبیب تھے۔آپ انسانی صحت کے حوالے سے مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ وہ مشورے آج کے حفظان صحت کے جدید اُصولوں سے ہم آہنگ ہیں۔

---

[1] کوثر النبی،ص1،مخطوط

[2] السر المکتوم،ص1،مخطوط

13-مشک عنبر:

اس کے مختلف نام ہیں۔ العنبر ، مشک عنبر، عنبر الاشعب، مشک اذفر وغیرہ۔ یہ بھی علم طب پر بنیادی کتاب ہے۔ اس میں تین باب ہیں۔ پہلا باب نظریات وکلیات کی بحث پر مشتمل ہے۔ دوسرا معالجات کے متعلق ہے۔ اور تیسرا باب ادویات کے بارے میں ہے۔ یہ رسالہ طب کی مبادیات پر مشتمل ہے۔ زمرد اخضر اور مشک عنبر ان دونوں کتابوں کا ترجمہ اردو زبان میں مظفر گڑھ کے عالم حکیم محمد یار خان سعیدی صاحب نے کیا ہے۔

14-التریاق:

یہ بھی علم طب کے موضوع پر علامہ پر ہاروی کی عمدہ تصنیف ہے اور دو جلدوں میں ہے۔ اس کا ترجمہ بھی حکیم محمد یار خان سعیدی مظفر گڑھی نے کیا ہے جو انہوں نے مکتبہ دانیال لاہور کو تمام حقوق کے ساتھ دے دیا ہے۔

15-ایمان کامل:

یہ فارسی زبان میں منظوم علم کلام ہے۔ اس کے ایک سو دس اشعار ہیں۔ یہ رسالہ مطبوع ہے اس کا ترجمہ مولانا غلام محمد ولد مولوی فقیر بخش صاحب نے 1416ھ میں اور دوسرا ترجمہ مولانا محمود حسن سعیدی رضوی نے 1445 میں کیا ہے۔

16-النبراس شرح شرح العقائد:

عقائد نسفیہ کی شرح جو مسعود بن عمر تفتازانی نے کی ہے علامہ نے اس کی شرح فرمائی ہے۔ یہ علامہ کی سب سے مشہور اور متداول کتاب ہے۔ یہ کتاب انتہائی مفید اور علمی نکات پر مشتمل ہے۔ علامہ کی سب سے آخری تصنیف بھی ہے۔ یہ کتاب مصر سے شائع ہوئی ہے۔ پاکستان میں کئی مکاتب نے اس کو شائع کیا ہے۔ 1977ء میں مکتبہ قادریہ لاہور نے اس کو شائع کیا اور 1988ء میں عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال سرگودھا نے شائع کیا۔ اس پر مولانا محمد برخوردار نے حاشیہ لکھا۔ اس میں صفحہ نمبر 2 پر لکھتے ہیں: ''وَأَلَّفَ هذا الكتاب النبراس في 1239ھ وَعَاشَ بعده قليلاً رحمه الله'' اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے علامہ نے لکھا: ''وسميته نبراس اذهو نيروفي الليلة الظلماء يهدي ويوصل''۔[1]

علما و فضلا اس کتاب سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں علامہ نے منظوم مقدمہ لکھا جس میں اس شرح کے لکھنے کی وجہ اور طرز تحریر کو بیان کیا۔ اسی طرح کتاب کے آخر میں بھی اشعار لکھے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

17-الصمصام فی اصول تفسیر:

یہ مختصر رسالہ اُصول تفسیر سے متعلق ہے یہ رسالہ مکمل دستیاب نہ ہو سکا۔ یہ بھی اردو ترجمہ کے ساتھ فرید بک سٹال سے شائع ہو چکا ہے۔

---

[1] النبراس، ص2

18-نعم الوجیز فی اعجاز القرآن العزیز:

علوم بلاغت پر عمدہ متن ہے۔علامہ نے علم معانی، بیان، بدیع کی اصطلاحات کی امثلہ قرآن کریم سے بیان فرمائی ہیں۔ یہ بھی اردو ترجمہ کے ساتھ فرید بک سٹال سے شائع ہو چکا ہے۔

19-گلزار جمالیہ:

اس کتاب میں علامہ نے اپنے شیخ مرشد اور استاد حافظ جمال اللہ ملتانی رحمہ اللہ کے احوال، اقوال اور مناقب ذکر کیے ہیں۔اس کا علامہ نے کوئی نام نہ رکھا بلکہ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:''فهذه الخصال الرضية والشمال السنيه مولانا و مرشدنا وهادينا قدس سره العزيز''۔[1] لیکن یہ رسالہ انوار جمالیہ، اسرار جمالیہ، گلزار جمالیہ، خصائل رضیہ مختلف ناموں سے ملتا ہے۔اس کا اردو ترجمہ فرید بک سٹال سے شائع ہو چکا۔

20۔عالم المثال:

علامہ پرہاروی کا یہ مختصر رسالہ عالم مثال کے ثبوت پر ہے،صوفیا کے نزدیک اس عالم رنگ و بو کے علاوہ ایک اور عالم ہے جس میں اس عالم کے تمام جواہر و اعراض کی مثال موجود ہے علامہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کے ثبوت پر شواہد پیش کیے ہیں اس لی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے''یا من له المثل الاعلى ولا مثال لذاته العليا'' اور اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:''قال المؤلف المعتصم بالله الواحد عبد العزيز بن احمد بن حامد ،هذا ما تيسر لى فى هذا الزمان، بعون الواحد الحنان المنان''۔یہ رسالہ انہوں نے یکم ربیع الاول 1233ھ میں تحریر کیا۔

21۔الالھامیۃ:

چالیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ علامہ کا یہ رسالہ کسوف اور خسوف سے متعلق ہے اس کا پورا نام''الالهامية فى الكسوف والخسوف''ہے۔

22۔الاکسیر:

علامہ کی یہ کتب علم طب کے موضوع پر ہے جو انتہائی ضخیم ہے کیا جاتا ہے کہ یہ تین جلدوں پر مشتمل تھی جس کے ایک حصے کا ترجمہ''مخزن سلیمانی''کے نام سے حکیم مولوی شمس الدین بہاولپوری صاحب نے کیا،اس کا ایک ایڈیشن ملتان سے پھر انڈیا سے دوسرا ایڈیشن ماہ شعبان 1308ھ مطبع منشی نولکشور انڈیا سے شائع ہوا۔

23۔مجموعہ رسائل:

اس مجموعہ میں علامہ کے چار رسائل شامل ہیں ،رسالہ علم الحروف،رسالہ علم الرمل ،رسالہ علم الوقوف اور رسالہ حکمۃ الاشراق شامل ہیں۔ان کے موضوعات ناموں سے ہی ظاہر ہیں۔

---

[1] گلزار جمالیہ،ص 1،مخطوط

یہ علامہ کی 23 کتب کا اجمالی تعارف ہے۔ علامہ کی تصانیف کی تعداد کافی ہے۔ ''احوال وآثار علامہ پرہاروی'' میں متین کاشمیری نے علامہ کی 126 تصانیف کا نام ذکر کیا ہے۔ علامہ کی سوانح پر متین کاشمیری کی یہ کتاب جامع ترین اور بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ ہر آنے والا مورخ اور علامہ پر کسی جہت سے بھی کام کرنے والا اس کتاب سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اس کتاب سے استفادہ کئے بغیر علامہ کی سیرت پر خاطر خواہ روشنی ڈالنا قریب بمحال ہے۔ اللہ عزوجل متین کاشمیری کو اس کی اچھی جزا عطا کرے۔

آج کل اہل علم اور اہل تحقیق علامہ کی تالیفات کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اس کے نتیجے میں ادھر اُدھر سے متعدد کتب دستیاب ہو چکی ہیں۔ ملتان، بہاولپور، کوٹ ادو اور ڈیرہ غازی خان کے اطراف سے لوگوں کی ذاتی لائبریریوں، گھریلو کتب خانوں اسی طرح سرکاری لائبریریوں، خانقاہوں اور بعض مساجد و مدارس سے کتابیں ملی ہیں۔ چونکہ علامہ کی کتب مختلف مقامات پر بکھری ہوئی ہیں اور اکثر کتب گردش زمانہ سے معدوم ہوگئی ہیں۔ اسی لیے ہم صرف ان کے ناموں سے واقف ہیں۔

علامہ پرہاروی کا مسلک و مذہب:

علامہ پرہاروی مذہبا سنی مسلکا حنفی اور مشربا چشتی تھے۔ آپ حافظ جمال اللہ ملتانی کے مرید وخلیفہ تھے۔ اور وہ قبلۂ عالم نور محمد مہاروی کے مرید وخلیفہ تھے۔ علامہ کے عقائد ومسلک کے حوالے سے بعض لوگوں نے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بدمذہبوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ جب کسی صاحب علم کو اپنے حلقے میں ڈالنا چاہتے ہیں تو ان کی تحریرات میں تحریف وتبدیل کا گھناؤنا عمل شروع کردیتے ہیں۔ یا غلط باتیں اس شخصیت کے نام سے منسوب کردیتے ہیں۔ ایک اور حربہ یہ ہے کہ اہل حق کے مصنفین کے نام اڑا کر ان کی کتب کو چھاپ دیتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کو یہ گمان ہو کہ مصنفین اسی ناشر کی جماعت سے ہوں گے۔ درسیات کے ساتھ یہی آخری حربہ زیادہ استعمال کیا گیا اور اس کو اپنے طبقہ کی علمی ودینی خدمت کے روپ میں شہرت دینا اور یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کردیا کہ درسیات کی تحریر واشاعت کے کام کا سہرا صرف انہیں کے سر ہے۔ اہل حق کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں۔ اس مسلسل پروپیگنڈے کے باعث اہل حق کے طلبا اور عام قارئین غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔

کتب میں تحریف کے حوالے سے ماضی میں غنیۃ الطالبین، روح المعانی اور شیخ اکبر کی کتب فتوحات وفصوص خصوصاً قابل غور ہیں۔ اسی طرح علامہ عبدالعزیز پرہاروی کے ساتھ بھی ہوا اور یہ باور کروانے کی کوشش کی گئی کہ علامہ ہماری جماعت کے عالم ہیں ان پر ہمارا حق ہے اور بعض نے تو ان کے فقہی مسلک پر بھی ہاتھ ڈالا اور اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی حالانکہ علامہ کی تصانیف خصوصاً ان کی زندگی کی آخری تصنیف النبراس ان کے سنی اور حنفی ہونے کا بانگ دہل اعلان کررہی ہیں کہ ان کے عقائد وہی ہیں جو اہل حق کے ہیں۔ ہم قارئین کے سامنے ان کی کتابوں سے حوالہ جات پیش کرتے ہیں جس

سے ثابت ہوگا کہ علامہ پکے سنی، عاشق رسول وعاشق صحابہ واہل بیت ہیں۔ امام اعظم کے مداحوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

علامہ پرہاروی اور عقیدۂ توحید وصفات:

علامہ عبدالعزیز پرہاروی اللہ عزوجل کی توحید وصفات سے متعلق وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو اہل سنت کا ہے۔ آپ کی آخری کتاب النبراس اس پر شاہد عدل ہے۔ آپ نے اس کتاب میں معتزلہ اور دور حاضر کے گمراہ فرقوں کا خوب رد فرماتے ہوئے شرک کے اصل مفہوم سے روشناس کیا ہے۔ نبراس میں الٰہیات کی بحث میں جابجا ان کے اعتراضات اور دلائل کا رد فرمایا اور ذات وصفات کے مسئلہ کو مبرہن فرمایا ہے۔

علامہ پرہاروی اور مسئلہ امکان کذب:

وہابیوں میں سے بعض لوگوں نے کذب باری تعالیٰ کو ممکن بالذات اور محال بالغیر قرار دیا۔ جیسا کہ اسماعیل دہلوی اور رشید احمد گنگوہی بلکہ ثانی الذکر نے تو وقوع کذب کا قول کیا۔[1] علامہ نے نبراس میں صفت کلام پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: ''واعلم ان اهل الملل اجمعوا على ان الكذب من الله سبحانه محال مستدلين بوجوه الخ''[2] جان لو تمام ادیان کا اجماع ہے کہ اللہ عزوجل سے کذب محال ہے۔ پھر اس کے بعد آپ نے پانچ دلائل ذکر فرمائے چوتھی دلیل یوں ذکر کرتے ہیں: ''لو كذب لكان كذبه قديما فيمتنع عليه الصدق لان القديم لا ينعدم''۔[3] یعنی اگر اللہ عزوجل سے کذب کا صدور ہو تو اس کا کذب قدیم ہوگا تو صدق اس پر ممتنع ہو جائے گا کیونکہ قدیم منعدم نہیں ہوتا۔

[1] یہ قول گنگوہی نے اپنے ایک تحریری فتوٰی میں کیا تھا۔ وہ اصل فتوٰی مولانا نذیر احمد رامپوری کے پاس تھا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا کہ یہ فتوٰی میرے پاس ہے۔ بعد ازاں اس کی نقول تیار ہوئیں۔ مولانا نذیر احمد رامپوری (جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ ہیں) نے اپنی کتاب ''اعطار الحق'' اور ''السیف المسلول'' میں اس فتوٰی کا رد کیا۔ ہندوستان کے بہت سے علما پندرہ سال تک اس کا رد کرتے رہے مگر نہ تو گنگوہی صاحب نے اس فتوٰی کے جعلی ہونے یا اپنی طرف منسوب ہونے کا کبھی انکار کیا اور نہ ہی اس کا جواب دیا۔ پھر مولوی مرتضیٰ حسن کو کہا گیا کہ تم آؤ اور فتوٰی خود دیکھ لو، ہم دکھا دیتے ہیں مگر وہ مکر گیا اور کہا کہ میں بریلی جاؤں اور میں فتوٰی دیکھ لوں مگر یہ کیسے پتا چلے گا کہ یہ فتوٰی اصلی ہے؟ بہرحال آج ان کے متبعین اس کا انکار کرتے ہیں مگر ہمارا یہی سوال ہے کہ اگر یہ فتوٰی جعلی تھا تو گنگوہی صاحب کو کون سی چیز مانع تھی کہ وہ اس سے انکار نہ کر سکے؟؟؟۔ نیز یہ فتوٰی ان کے خود ساختہ اصول کے مطابق بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ دیوبندی خلفِ وعید کے وقوع کے قائل ہیں اور امکان کذب کو اس کی فرع مانتے ہیں تو اگر خلفِ وعید کا وقوع ہو سکتا ہے تو امکان کذب اس کی فرع ہے تو اس کا وقوع کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہی استدلال غلام دستگیر قصوری نے تقدیس الوکیل میں کیا ہے۔ فقیر ایک اور بات عرض کرتا ہے کہ وقوع کذب یہ امکان کذب کی فرع ہے اور جب اصل جائز ہے تو فرع میں کیا زہر گھل گیا کہ وہ واقع نہ ہو سکے؟؟ اسی وجہ سے گنگوہی نے کہا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے، نعوذ باللہ من ذلک!

[2] النبراس، ص143

[3] النبراس، ص143

وہابی باری تعالیٰ کے امکان کذب پر لوگوں کے دلوں میں جو وسوسہ ڈالتے ہیں وہ مغالطہ عامۃ الورود سے ہے کہ اگر اللہ عزوجل کذب پر قادر نہ ہو تو انسان کی قدرت بڑھ جائے گی۔ علامہ نے نبراس میں اس کا بھی رد فرمایا۔ آپ رقم طراز ہیں کہ محال تحت قدرت نہیں ہوتا۔ پھر اس مغالطہ کا یوں رد فرماتے ہیں: ''والعامۃ اذا سمعوا ذلک انکروا انکاراً عظیماً زاعمین انہ مستلزم العجز حتی سمعتُ بعض الموسومین بالعلم یقول ھو قادر علی خلق شریکہ وھکذا کمن بنی قصرا وھدم مصرا اذا بطل التوحید الذی ھو اعظم اصول الاسلام بمراعاۃ القدرۃ علی حسب وھمہ الفاسد وانت تعلم ان تعلق ارادۃ اللہ سبحانہ بالمحال محال والعجز انما یلزم فیمن اراد ولم یستطع؛ فاحفظہ''۔[1]

یعنی عوام جب یہ مسئلہ (کہ محال تحت قدرت نہیں) سنتے ہیں تو اس کا بڑا انکار کرتے ہیں۔ یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ تو عجز کو مستلزم ہے۔ حتی کہ میں نے بعض نام نہاد عالموں کو سنا؛ کہ اللہ اپنے شریک کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور ان کی مثال ایسی ہے جو محل بنائے اور پورے شہر کو گرا دے تو اس صورت میں اسلام کا سب سے بڑا اُصول توحید ان کے گمان فاسد کے مطابق قدرت کی رعایت میں باطل ہو گیا حالانکہ تو جانتا ہے کہ محال کے ساتھ اللہ عزوجل کے ارادے کا متعلق ہونا ہی محال ہے اور عجز تو تب لازم آتا کہ وہ ارادہ فرماتا اور کرنے کی استطاعت نہ رکھتا۔ تو اسے محفوظ کر لے۔

نوٹ: امکان کذب باری تعالیٰ کے رد پر مکمل دلائل اور تفصیل کے لیے علامہ زماں معلم رابع فی المنطق والفلسفہ علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب مستطاب ''امتناع النظیر'' اور امام اہل سنت مجدد دین وملت علامہ المتکلم احمد رضا خاں قادری کی کتاب ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' جو فتاوی رضویہ جلد 15 میں شامل ہے؛ کا مطالعہ کیا جائے۔

علامہ پرہاروی اور مسئلہ علم غیب:

بعض لوگ علامہ پرہاروی کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کے لیے ''مرام الکلام'' کی ایک عبارت سے استدلال کرتے ہوئے یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ علامہ انبیا و اولیا کے لیے علم غیب کے قائل نہیں تھے اور ان کا وہی موقف تھا جو وہابیہ کا ہے اس پر وہ مرام الکلام کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں کہ علامہ پرہاروی علم غیب کے عنوان کے تحت قرآنی آیت قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل 65) ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ''وھو مما اجمع علیہ المسلمون''۔[2]

مرام الکلام کی جس عبارت سے انہوں نے استدلال کیا اس میں یہ خیانت کی کہ ''لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' بیان کر دیا اور ''وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى'' کو چھوڑ دیا حالانکہ آگے کی مکمل بحث انبیا اور اولیا کے لیے علم غیب پر دلالت کرتی ہے اس کو سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے۔ علامہ پرہاروی نے سورہ نمل کی جو آیت ذکر کی تو علامہ کے نزدیک بھی یہاں علم غیب ذاتی ہے اور اس کے اللہ کریم کے ساتھ خاص ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اس پر دلیل ان کا اگلا کلام ہے، فرماتے ہیں: ''فاحدھا اخبار الانبیاء

[1] النبراس، ص 100

[2] مرام الکلام فی عقائد الاسلام ص 364

المغیبات و الحل انها مستفادة من الوحی او مشاهدة اللوح ''یعنی انبیا کرام نے جو غیب کی خبریں دیں تو وہ وحی سے یا لوح محفوظ کے مشاہدہ سے دی ہیں۔ نیز لکھتے ہیں: ''و ثانیها اخبار الاولیاء بها ''یعنی دوسرا امر اولیا کرام کا غیب کی خبر دینا۔ پس جی کیا یہ علم غیب عطائی کا ثبوت نہیں؟ کیا علم غیب کے ذاتی اور عطائی ہونے پر اہل سنت کا اتفاق نہیں؟۔

علامہ پرہاروی اور عصمت انبیا:

علامہ پرہاروی عصمت انبیا کے حوالے سے اہل سنت و جماعت کے مطابق عقیدے پر کاربند تھے۔ آپ نے نبراس میں واشگاف الفاظ میں اس عقیدہ کو مبرہن فرمایا ہے اور عامۂ متکلمین نے جو تشقیق اور اقسام بنا کر اس مسئلہ کو ذکر کیا؛ جس کا علامہ نے علامہ نے اس کا رد فرمایا۔ نبراس میں مسعود بن عمر تفتازانی علیہ الرحمہ کے کلام کی شرح فرما کر لکھتے ہیں: ''بقی ههنا تنبیهان، التنبیه الاول المذکور فی کلام الشارح هو مذهب عامة المتکلمین وخالفهم جمهور جمع من العلماء فذهبوا الی العصمة عن الصغائر والکبائر قبل الوحی وبعده وهو مختار ابی المنتهی الشارح الفقه الاکبر والشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی ''۔[1] یعنی یہاں پر دو تنبیہات باقی ہیں، پہلی تنبیہ یہ ہے کہ شارح کے کلام میں جو مذکور ہے یہ عام متکلمین کا مذہب ہے اور جمہور علما کی ایک جماعت نے ان کی مخالفت فرمائی ہے اور ان کا موقف یہ ہے کہ انبیا وحی سے پہلے اور بعد تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اور یہ مذہب ابو المنتہی شارح فقہ اکبر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مختار ہے۔
اس کے بعد علامہ نے اس مذہب مختار پر 9 مختلف مشائخ مثلاً ابو منصور ماتریدی، علامہ قاضی عیاض مالکی اور علامہ نسفی کے اقوال ذکر فرمائے اور دوسری تنبیہ میں علامہ نے امام رازی سے استفادہ کرتے ہوئے عصمت انبیا پر دس (10) دلائل ذکر فرمائے۔

علامہ پرہاروی اور شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ:

علامہ پرہاروی سرکار ﷺ، انبیا کرام، اولیا وعلما کرام کے لیے بروز قیامت ثبوت شفاعت پر بھی یقین رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب ''النبراس'' میں تفصیلاً دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کا اثبات فرمایا اور وہابیوں کے نظریات کو دلائل سے رد فرمایا۔ تفصیل کے لیے نبراس کا وہی مقام ملاحظہ کریں۔[2]

علامہ پرہاروی اور مسئلہ ایصال ثواب:

علامہ ایصال ثواب کے قائل ہیں آپ نے النبراس میں اپنے عقیدے کا اظہار دلائل سے فرمایا۔ احادیث وآثار کی روشنی میں مسئلہ کی کامل وضاحت فرمائی اور منکرین کے دلائل کا رد بھی ذکر کیا۔ مثلاً ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ قضا وقدر میں تبدیلی نہیں ہوتی اس کا رد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں اس کے دو جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ شارع نے ایصال ثواب

---

[1] النبراس، ص285

[2] النبراس، ص238 تا 245

کے نفع دینے کی خبر دی ہے تو اس پر ایمان لانا واجب ہے اگرچہ عقل قضا وقدر کے رازوں سے عاجز ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر قضا اسباب کو باطل قرار دے تو زندگی کے تمام اسباب کو ترک کرنا لازم آئے گا۔ جیسے زراعت، تجارت، سانپوں، درندوں سے حفاظت، جنگوں میں اسلحہ اور لوہے کے لباس اور علاج وغیرہ سب ترک کر دیئے جائیں۔[1] حاصل کلام یہ ہے کہ علامہ نے اس مسئلہ کو عقلی ونقلی دلائل سے مزین کر کے اپنے عقیدے کا خوب اظہار فرمایا۔

علامہ پرہاروی اور مسئلہ عذاب قبر:

آج کے دور میں منکرین حدیث عذاب قبر کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کا انکار کرتے ہیں جبکہ علامہ نے اس مسئلہ کو بھی آیات واحادیث سے مبرہن فرمایا ہے۔ آپ نے نبراس میں عذاب قبر پر قرآن وحدیث سے استدلال کر کے لکھا "پھر عذاب قبر اور سوالات قبر کے بارے میں احادیث صحابہ کی ایک عظیم جماعت سے مروی ہیں اس کے بعد آپ نے انیس صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اسما مبارکہ ذکر کیے اور فرمایا: پھر ان انیس سے کئی قوموں نے روایت کیا جن کی تعداد کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے احوال قبر وآخرت کے بارے میں دو کتابیں تالیف فرمائی "شرح الصدور باحوال القبور، البدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ" جو ان دو کتابوں کو دیکھے گا تو وہ عجائبات کو پائے گا۔[2]

علامہ پرہاروی اور ایمان ابوین کریمین:

علامہ پرہاروی نے اس مسئلہ میں بھی جمہور اہل سنت کے موافق اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے اور دلائل سے اس کو مبرہن فرمایا چنانچہ جانبین کے موقف کو تحریر کر کے لکھتے ہیں علامہ سیوطی نے سرکار ﷺ کے والدین کریمین کے اور نبی کریم ﷺ کے حضرت آدم علیہ السلام تک تمام آباواجداد کے ایمان میں چھ رسائل تالیف فرمائے اور علی بن سلطان قاری نے ان کا معارضہ کیا۔ اور اس کے برعکس موقف اپنایا تو ملا علی قاری کے استاد نے خواب دیکھا کہ علی قاری چھت سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی کسی کہنے والے نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کی اہانت کی جزا ہے؛ جو خواب دیکھا گیا ویسا ہی واقع ہوا۔ جو شخص اس مسئلہ کے مشکلات کے کشف کا ارادہ رکھتا ہے وہ علامہ سیوطی کے رسائل کو دیکھے[3]۔

نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیل اور ایمان افروز دلائل کے لیے مجدد دین وملت علامہ مفتی احمد رضا خان کی تصنیف "شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" جو فتاوی رضویہ جلد 30 میں شامل ہے کا مطالعہ مفید ہے۔

علامہ پرہاروی اور ایمان ابی طالب:

علامہ کے نام نہاد خیر خواہ اور نام لیواؤں نے زبردستی ان کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کے لیے ان کی کتب میں تحریف

ا۔ النبراس، ص346

۲۔ النبراس، ص208

۳۔ النبراس، ص316

وتبدیل کے گھناؤنے جرم کا ارتکاب بھی کیا مگر وہ حقیقت کو چھپا سکے؛ نہ چھپا سکتے تھے۔ صرف علامہ پرہاروی ہی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا بلکہ اس طرح کی مذموم کوششیں عرصہ دراز سے علما اہل سنت کے ساتھ جاری ہیں علامہ محمود آلوسی کی ''روح المعانی''، حضور غوث اعظم کی ''غنیۃ الطالبین''، محی الدین ابن عربی کی فتوحات وغیرہ اور خصوصاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتب میں تحریف اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ باطل اوچھے ہتھکنڈوں سے حق کے چہرے کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کرتا رہتا ہے مگر ''اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا'' (بنی اسرائیل،81) کا فرمان صادق ہے۔

شاہ ولی اللہ کے عقائد حقہ پر پردہ ڈالنے کے لیے ان کی سیرت پر لکھی گئی کتاب ''القول الجلی فی اثار الولی'' کو مارکیٹ سے ہی عرصہ دراز تک پر اسرار طریقے سے غائب کر دیا گیا۔ بہر حال علامہ پرہاروی کے ساتھ بھی کچھ ایسا کرنے کی کوشش کی گئی علامہ نے اپنی تصنیف ''مرام الکلام فی عقائد الاسلام'' میں ایمان ابی طالب کے حوالے سے محدثین کے اقوال کو ذکر فرمایا تو اس مقام سے اس بحث کو ہی حذف کر دیا گیا۔ اب مرام الکلام کے تمام دستیاب نسخوں میں اس جگہ بیاض ہے۔

ہم علامہ کی زندگی کی آخری کتاب النبراس سے علامہ کے موقف کو واضح کرتے ہیں۔ شرح عقائد میں وارد آیت ''اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ'' (القصص،56) پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو نبی کریم ﷺ کے چچا ہیں۔ سرکار ﷺ ان کے مسلمان ہو جانے کو محبوب رکھتے تھے۔ ابو طالب نے بچپن میں آپ کی پرورش کی تھی اور نبوت کے اعلان کے بعد قریش کی تکالیف سے آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی مدح میں ان کے قصائد بھی ہیں اور آپ کی نبوت کا اعتراف بھی ہے لیکن ان سے تسلیم واذعان اور کفر کو ترک کرنا نہیں پایا گیا، وہ کہا کرتے تھے! اے بھتیجے تم سچے نبی ہو لیکن میں نے عار پر نار کو اختیار کر لیا۔ یوں ہی ایک سے زائد مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔[1]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''ابو طالب والد علی رضی اللہ عنہ کان یحب النبی ﷺ ویحفظه ولکن مات علی الکفر کما فی صحیح البخاری ومسلم خلافاً للشیعة''۔[2] یعنی ابو طالب یہ حضرت علی کے والد ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے اور آپ کی حفاظت فرماتے تھے۔ لیکن کفر پر مرے جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے اور شیعہ کا اس میں اختلاف ہے۔

علامہ پرہاروی اور صحابہ واہل بیت:

اہل سنت وجماعت کا مسلک، مسلک حق ہے۔ ہم اہل بیت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان تمام کا ادب اور ان سے محبت کو جزو ایمان جانتے ہیں۔ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے، رفض ونصب سے منہ موڑتے ہوئے ان میں سے کسی کی شان میں

1۔ النبراس، ص200

2۔ النبراس، ص317

تنقیص و توہین کو قابل تعزیر جرم جانتے اور مخل بالایمان جانتے ہیں ان دونوں سے محبت علامت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی نشانی ہے۔ یہی مسلک حق و معتدل و مستقیم ہے۔علامہ کی تصانیف خصوصاً النبر اس میں اسی کی جھلک دکھائی دیتی ہے جب امامت کی بحث میں مسعود بن عمر تفتازانی ائمہ اہل بیت کا نام ذکر کرتے ہیں تو علامہ پرہاروی ان میں سے ہر ایک کی سیرت پر سیر حاصل کلام فرماتے ہیں اور جہاں خلفائے راشدین کا ذکر خیر آتا ہے تو محبت بھرے انداز میں علامہ ان کا ذکر اور فضائل تحریر فرماتے ہیں اور پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آتا ہے تو علامہ ان کے فضائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ تفتازانی کو بھی آڑے ہاتھوں لیتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ کے فضائل ذکر نہ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرماتے اور اس کو علامہ تفتازانی کی تقصیر شمار کرتے ہیں۔طوالت کے خوف سے ہم مکمل عبارت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔آپ نبراس کے صفحہ نمبر 330 سے امامت کی بحث کو مکمل پڑھیں آپ پر واضح ہوگا کہ علامہ کس مسلک کے علمبردار ہیں۔آپ نے جہاں شیعہ کا رد بلیغ فرمایا وہاں ناصبیت و خارجیت کو بھی خوب سبق سکھایا اور مسئلہ خلافت، مشاجرات صحابہ نیز محبت صحابہ و اہل بیت کو خوب واضح فرمایا۔

علامہ پرہاروی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام:

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی آباو اجداد کے حوالے سے جمہور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک تمام مومن و موحد تھے۔آپ کا نور پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا آیا۔وہ تمام شرک کی آلودگی سے پاک تھے۔اس پر بظاہر قرآن کریم کی اس آیت سے اعتراض ہوتا ہے جس میں آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ''اب'' کہا گیا حالانکہ وہ مشرک تھا تو جمہور نے اس کا جواب دیا کہ یہاں ''اب'' سے مراد والد نہیں بلکہ چچا ہے یہی موقف علامہ پرہاروی کا بھی ہے چنانچہ آپ اپنی تفسیر السلسبیل میں سورۃ انعام کی آیت نمبر 74 ''وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ'' میں لفظ آزر کے تحت لکھتے ہیں: ''عَمُّ ابراهيمَ على الصحيح عند السيوطی''، اسی طرح نعم الوجیز میں توابع کا بیان کرتے ہوئے آپ نے لکھا: ''وقد يكون البدل للتاكيد نحو اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ'' پھر لکھتے ہیں: ''والمحقق انّه عطف فتعين الايضاح''۔[1]

علامہ پرہاروی اور کرامات اولیا:

علامہ نے کرامات اولیا کے حوالے سے وہی روش اپنائی جو اہل حق کا حصہ ہے آپ نے اس مسئلہ میں بھی اہل حق کی تائید اور وہابیوں کی بیخ کنی فرمائی ہے آپ کی کتاب النبر اس میں اگر چہ صراحۃً کلام وہابیوں کی طرف راجع نہیں مگر علامہ نے جو رد معتزلہ کا کیا وہی ان کا بھی ہوگا کیونکہ کرامات کے معاملہ میں بلکہ اکثر عقائد مثل شفاعت، استمداد، ایصال ثواب و رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ میں یہ لوگ انہیں معتزلہ وغیرہا فرق باطلہ کے فضلہ خوار ہیں۔علامہ کے نام نہاد نام لیوا اور ان کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کے شوقین فقط ان کی کتاب نبراس کو ہی غور سے پڑھ لیں تو کافی ہے۔یا ایمان لے آئیں گے ورنہ لاحول پڑھتے

---

[1] نعم الوجیز، الفصل الرابع فی التوابع، ص 8

ہوئے ان سے بھی برات کا اعلان کریں گے۔ آپ نے کرامات اولیا کی بحث کے تحت ان کا خوب اثبات فرمایا چنانچہ ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں: ''قد اجمع المحققون من اهل السنة علی حقیقة الکرامات''[1] یعنی اہل سنت کے محققین کا کرامات کی حقیقت پر اجماع ہے۔ پھر لکھتے ہیں: ''قال الشیخ ابو عبدالله الیافعی امام مکة ان الشیخ رکن الدین ابا الفتح القرشی الملتانی والشیخ نصیر الدین دهلوی یصلیان فی المسجد الحرام وامثاله فی تواریخ المشائخ اکثر من ان یحصیٰ''۔[2] یعنی شیخ ابو عبداللہ یافعی جو مکہ میں امام ہیں؛ فرماتے ہیں شیخ رکن الدین ابوالفتح قرشی ملتانی اور نصیر الدین چراغ دہلوی مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہیں اور مشائخ کی تواریخ میں اس طرح کی کرامات بے شمار ہیں۔

علامہ پرہاروی اور محبت صوفیا و اولیا:

وہابیوں کو صوفیا و اولیا سے اللہ واسطے کا بیر ہے وہ صوفیا کے سخت منکر اور ان کے اقوال و احوال پر طعن کرنے والے ہیں جب کہ علامہ صوفیا کے مداح خواں، ان سے حسن اعتقاد رکھنے والے اور ان کی کرامات کے معتقد نظر آتے ہیں اور سب سے بڑی قیامت تو یہ ہے کہ علامہ خود ایک صوفی بزرگ اور ولی اللہ حافظ جمال الدین ملتانی کے مرید صادق و خلیفہ ہیں اور وہ قبلۂ عالم نور محمد مہاروی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو علامہ نہ صرف صوفیا کا دفاع کرتے ہیں بلکہ ان کا ذکر احسن انداز میں کرتے اور ان کی رائے کو اختیار بھی فرماتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں، ''الصمصام'' میں صوفیا کے تفسیری نکات کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اشارات الصوفیه وهی مخصوصة باهل المکاشفة والموهبة کالشیخ العارف محی الدین ابن عربی وابی عبدالرحمٰن السلمی صاحب الحقائق وینکر علیه کثیر من العلماء زعما منه انه صرف للالفاظ عن ظاهرها کما یفعله الباطنیة الملاحدة وهذا ظن السوء بهؤلاء الاعلام الکرام فانهم اعتقدوا الالفاظ علی ظاهرها وانتزعوا من باطنها نکاتا غیر مخالفة للشرع''۔[3] یعنی صوفیہ کے اشارات اہل کشف کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے شیخ محی الدین ابن عربی اور ابو عبدالرحمٰن السلمی اور اس پر کثیر علما نے یہ گمان کرتے ہوئے اعتراض کیا کہ یہ تو الفاظ کو ان کے ظاہر سے پھیرنا ہے۔ جیسے کہ فرقہ باطنیہ کرتا ہے۔ یہ ان عزت والے اعلام پر سوئے ظن ہے کیونکہ وہ الفاظ کے ظاہر پر ہی اعتقاد کرتے ہیں اور ان کے باطن سے ایسے نکات نکالتے ہیں جو شرع کے خلاف نہیں ہوتے۔

یوں ہی علامہ نعم الوجیز میں علم بدیع کی ایک صنعت ''التمکین'' کی تعریف اور مثال دے کر لکھتے ہیں: ''وللصوفیة الصافیة ید طولیٰ فیه ودیوان الشیخ عفیف التلمسانی والحافظ الشیرازی غایة فی هذه الصنعة''۔[4] علامہ نے اپنی

[1] النبراس، ص296
[2] النبراس، ص297
[3] الصمصام، ص3
[4] نعم الوجیز، ص30

کتاب ''التمیز'' میں کئی مقامات پر صوفیا اہل کشف کے اقوال کو نہ صرف پیش کرتے بلکہ ان کی تائید بھی فرماتے ہیں۔ مثلاً عالمِ مثال کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اصحاب مکاشفہ کے نزدیک یہ عالم، عالم اجساد اور عالم ارواح سے زیادہ لطیف ہے''۔[1] ستاروں کے احکام کو تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں'':جب تو اعمال و وظائف کی کتب جیسے جفر، تکسیر، اوقات، اسماء الحسنیٰ، آیات متبرکہ اور ادعیہ ماثورہ کو دیکھے گا مثلاً امام ابو العباس احمد کی جواہر خمسہ وغیرہ تو، تُو جان لے گا۔ جو آثار اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ان ستاروں میں ہیں بلکہ یہ عظیم اعمال ان ستاروں کے اوقات کی رعایت کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتے''۔[2]

علامہ پرہاروی کا فقہی مسلک:

علامہ پرہاروی حنفی بزرگ ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کے سچے پیروکار ہیں۔ آپ تقلید پر یقین رکھتے اور اس پر عامل تھے۔ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے فقہ حنفی کی بھرپور ترویج کی اور اس کے مطابق فقہی احکام کو بیان فرمایا۔ بعض لوگوں نے علامہ کو غیر مقلدین میں شامل کرنے کی کوشش کی اور یہ الزام عائد کیا کہ آپ تقلید چھوڑ کر غیر مقلد ہو گئے تھے۔ یہ رائے عبدالحیٔ ندوی نے اپنی کتاب ''نزھۃ الخواطر'' میں قائم کی چنانچہ لکھتے ہیں: ''وکان شدید المیل الی اتباع السنۃ السنیۃ و رفض التقلید''۔[3] یعنی علامہ پرہاروی روشن سنت کی اتباع کی طرف خوب مائل تھے اور آپ نے تقلید کو ترک کر دیا۔ مگر یہ رائے درست نہیں ہے ہم یہاں پر اس رائے کا تجزیہ کرتے ہوئے آپ کے مقلد حنفی ہونے کے دلائل بھی ذکر کریں گے۔

عبدالحیٔ ندوی نے علامہ کی چند عبارات کو دلیل بنایا ہے۔ ان میں سے ایک عبارت یہ ہے ''اختلف الفقھا فیما یجد المقلد حدیثاً صحیحاً یخالف فتوی امامہ فعن ابی یوسف محمول علی العامی الصرف الذی لا یعرف معنی الحدیث وعن ابی حنیفۃ قیل لہ اذا قلت قولا وخبر الرسول یخالفہ قال اترکوا قولی بخبر الرسول وشنع صاحب الفتوحات المکیہ علی من یترک الحدیث بقول امامہ وقال ھذا نسخ الشریعۃ بالھوی مع ان صاحب مذھب قال اذا عارض الخبر کلامی فخذوا بالخبر''۔ یعنی مقلد جب اپنے امام کے فتویٰ کے خلاف حدیث صحیح پائے تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ یہ عامی پر محمول ہے جو معنی حدیث کی معرفت نہیں رکھتا اور امام اعظم ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ ان سے عرض کی گئی جب آپ ایک فتوی دیں اور خبر رسول اس کے خلاف ہو؟ تو آپ نے فرمایا خبر رسول کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو۔ صاحب فتوحات مکیہ نے اس شخص کی مذمت کی جو اپنے امام کے قول کے مقابل حدیث کو ترک کر دے اور فرمایا یہ شریعت کو خواہش

---

[1] التمیز، ص15

[2] التمیز، ص81

[3] نزھۃ الخواطر۔ ج: 7، ص284

سے منسوخ کرنا ہے حالانکہ صاحب مذہب کا فرمان تو یہ ہے کہ جب خبر میرے کلام کے معارض آجائے تو خبر کو لو۔

عبدالحی ندوی کا اس عبارت سے ترک تقلید پر استدلال درست نہیں کیونکہ علامہ پرہاروی نے اس عبارت میں تقلید سے برات کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے ایک مسئلہ میں دو اقوال پیش کیے اور وہ بھی امام ابو یوسف اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے اور ان میں سے امام اعظم کے قول کو ترجیح دے کر اپنے مقلد ہونے پر صراحت فرمائی اگر اس عبارت سے تقلید کو چھوڑنا لازم آئے تو ''عن ابی حنیفة'' کا کیا محمل ہوگا؟ عبدالحی ندوی نے دوسری عبارت کوثر النبی کی لے کر اس کو مستدل بنایا ہے، ہم طوالت کے خوف سے صرف اس کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں۔علامہ پرہاروی فرماتے ہیں ''اللہ ہی کی بارگاہ میں معاصرین اور متعصب قاصر علما کی شکایت ہے جنہوں نے علم حدیث کو پیٹھ دے دی اور تخریج کو نسیاً منسیا کر دیا ان میں سب سے زیادہ اعلم وہی ہے جو ترغیب وترہیب میں زیادہ کاذب ہے اور یہ پہلا برتن نہیں جو اسلام میں ٹوٹا بلکہ گزشتہ ایام سے یہ برائی بہت قدیم ہے شیاطین نے وضع حدیث اور جھوٹ کے ذریعے فساد پھیلایا''۔[۱] اس عبارت میں سے کہیں بھی یہ بات مترشح نہیں ہوتی کہ آپ نے تقلید کو خیر آباد کہہ دیا بلکہ علامہ یہاں پر علمائے ہند کی علم حدیث سے عدم توجہی کا رونا رو رہے ہیں کہ انھوں نے علم حدیث کو پس پشت ڈال دیا اور ترغیب وترہیب کے لیے من گھڑت احادیث کو بیان کرتے ہیں اس میں فقہ حنفی سے بے زاری کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

علامہ پرہاروی کے مقلد ہونے پر چھ دلائل

پہلی دلیل:

علامہ اپنی زندگی کی آخری تصنیف النبراس میں تقلید پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''جو مجتہد نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''۔(الانبیاء،7) اور اسلاف کے اجماع کی وجہ سے مجتہد کی اتباع واجب ہے اور اس اتباع کو تقلید سے موسوم کیا جاتا ہے علما کا اس پر اتفاق ہے کہ مقلد پر ایک مجتہد کی اتباع لازم ہے۔[۲] اس عبارت کو پڑھ کر کیا اب بھی علامہ پر تقلید کے چھوڑنے کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟ جبکہ آپ بمطابق نص قرآنی اور اجماع سلف کے مقلد پر ایک مجتہد کی تقلید کو واجب قرار دے رہے ہیں۔

دوسری دلیل:

علامہ نے علم کلام پر اپنی دوسری کتاب'' مرام الکلام فی عقائد الاسلام'' میں مذاہب اربعہ پر بحث کرتے ہوئے تقلید مجتہدین پر اجماع کو نقل فرمایا اور اسے برقرار رکھا چنانچہ لکھتے ہیں ''وفی فتح الرشید شرح جوهرة التوحید انعقد الاجماع الیوم علی امتناع الخروج عن المذاهب الاربعة''۔[۳] یعنی ''فتح الرشید شرح جوهرة التوحید'' میں ہے کہ ہمارے زمانے

۱۔ کوثر النبی،ص1،مخطوط

۲۔ النبراس ص72

۳۔ مرام الکلام،ص112

میں مذاہب اربعہ سے خروج کے ممنوع ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا۔

تیسری دلیل:

علامہ مقلد کی تعریف کرتے ہوئے نبراس میں لکھتے ہیں: "والمقلد من لايستدل على الحكم ولكن يعتقده اتباعا لمن يحسن الظن به كاتباعنا في الفقه ابا حنيفة"۔ یعنی مقلد وہ جو حکم شرعی پر استدلال نہ کرے لیکن اس حکم کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اُس کی اتباع میں جس سے وہ حسن ظن رکھتا ہے جیسے ہمارا فقہ میں ابو حنیفہ کی اتباع کرنا۔[1] اس سے بڑھ کر علامہ پرہاروی کے حنفی اور مقلد ہونے پر کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ علامہ نے خود صراحۃً اتباع امام کا اقرار فرمایا ہے۔

چوتھی دلیل:

علامہ کی تمام کتب کو دیکھ لیں آپ کو جہاں موقع ملا امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کو نہ صرف بیان کیا بلکہ اس کو ترجیح بھی دی اور آپ کو امامنا الاعظم امامنا ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔ نبراس کے 23 سے زائد مقامات راقم کی نظر میں ہیں جہاں حضرت نے امام اعظم کو "امامنا" فرمایا۔ اسی طرح "الناهية عن ذم امير معاويه، كوثر النبي صلى الله عليه وسلم، مرام الكلام" کی کئی عبارات اس حوالے سے پیش کی جا سکتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔

پانچویں دلیل:

غیر مقلدین اولیا، صوفیا اور طریقت کے سلاسل کو ناجائز و شرک کہتے ہیں جبکہ ہم دیکھتے ہیں علامہ خود سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے جلیل القدر شیخ ہیں آپ حافظ جمال اللہ ملتانی علیہ الرحمہ کے شاگرد و مرید اور خلیفہ ہیں۔ جو قبلۂ عالم نور محمد مہاروی علیہ الرحمہ کے خلیفہ ہیں۔ نیز علامہ صوفیا اور اولیا کے مداح ہیں جس کی تفصیل عقائد کے حوالے سے بحث میں اوپر گزری۔

چھٹی دلیل:

غیر مقلدین امام اعظم ابوحنیفہ کی تابعیت کا انکار کرتے ہیں جبکہ علامہ ان کی تابعیت کے قائل ہیں وہ امام اعظم کو برا بھلا کہتے ہیں جبکہ آپ ان کے مداح ہیں، وہ کہتے ہیں امام اعظم کو سترہ حدیثیں یاد تھیں اور علامہ کے نزدیک آپ کثیر الحدیث ہیں علامہ نے النبراس میں امام اعظم کے مناقب کو یوں بیان کیا ہے۔ "ابوحنیفہ امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کوفہ میں 80 ہجری میں پیدا ہوئے اور 150 ہجری میں وفات پائی۔ آپ کے تابعی ہونے میں اختلاف ہے اور صحیح تابعی ہونا ہے کشف المنار میں ہے آپ نے چھ صحابہ سے ملاقات کی انس بن مالک، عبداللہ بن حارث، عبداللہ بن انیس، عبداللہ بن ابی اوفی، واثلہ بن اسقع اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہم اجمعین اور جابر بن عبداللہ سے ملاقات میں اختلاف ہے۔ عبادت، تقوی، علم اور اجتہاد میں آپ کے مناقب بے شمار ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا فقہ میں تمام لوگ امام اعظم کے عیال ہیں شیخ عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ انہوں نے اپنے مکاشفات میں سے ایک کشف میں ایک سمندر دیکھا جس سے کئی نہریں

[1] النبراس، ص40

پھوٹ رہی ہیں انہوں نے اس کے بارے میں سوال کیا تو کہا گیا یہ شریعت کا سمندر ہے اور نہریں اس کے مذاہب اور سب سے بڑی نہر ابو حنیفہ کا مذہب ہے آپ کے بارے میں جو یہ مشہور ہے کہ آپ صاحب رائے تھے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح عامل حدیث نہ تھے تو یہ افترا ہے بلکہ آپ امام شافعی رحمہ اللہ سے زیادہ متبع حدیث تھے جیسا کہ اصول فقہ سے یہ بات ظاہر ہے"۔[1] حاصل کلام یہ ہے کہ ان تمام دلائل کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ علامہ پرہاروی اور غیر مقلدین میں نسبتِ تباین ہے، آپ پر ترک تقلید کا الزام درست نہیں ہے۔

وفات وتدفین:

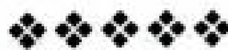
1239ھ ہجری بمطابق 1824ء میں بستی پرہاڑ میں ہی علامہ کا وصال ہوا عمر شریف صرف 33 برس تھی آپ کو اسی مسجد ومدرسہ کے احاطہ میں دفن کیا گیا جہاں آپ طلبا کو درس دیتے تھے آپ کی قبر منور غیر پختہ حالت میں موجود ہے۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی علیہ الرحمہ کی سنِ وفات میں اختلاف ہے نیز ان کی وفات کس ماہ اور تاریخ کو ہوئی اس حوالے سے بھی سیرت نگاروں نے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ ان کا عرس مبارک 8 اور 9 ذوالحجہ کو ہوتا ہے مگر اس سے ان کی وفات کی تاریخ اور ماہ کی تعیین نہیں ہوتی کیونکہ بقول متین کاشمیری صاحب کے ؛بعد میں کسی نے اپنی طرف سے مقرر کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ"آج سے تقریباً تیس سال پہلے رائے اللہ بخش پرہاڑ صاحب مجھے مولانا صاحب کے مزار اقدس پر لے گئے اور فرمایا کہ یہ جو آٹھ ذوالحجہ کو عرس ہوتا ہے یہ ہمارے بزرگوں نے مخصوص کیا ہے پہلے عرس میں قرآن خوانی ہوتی تھی اور اب غزالی زماں علیہ الرحمہ کے کسی شاگرد کے مدرسے میں با قاعدہ عرس ہوتا ہے ؛جس کی تشہیر کے لیے اشتہارات بھی لگائے جاتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان کی نماز جنازہ ان کے استادِ محترم خواجہ خدا بخش خیر پوری علیہ الرحمہ نے پڑھائی تھی جو کہ ان کے پیر بھائی بھی تھے"۔

مزید فرماتے ہیں کہ میں جب 1995 میں ؛میں وہاں گیا تو میں نے عرس کے اشتہار لگے دیکھے تھے، وہ 176 واں عرس تھا۔(اس اشتہار کی ایک تصویر بھی کاشمیری صاحب نے فقیر کو دی تھی) اس تصویر کے مطابق عرس کا اہتمام قریب ہی ایک مدرسہ دار العلوم سعیدیہ سلیمانیہ عزیز المدارس میں کیا گیا تھا جو زیر صدارت رائے احمد رمضان پرہاڑ صاحب کے منعقد ہو رہا تھا۔ علامہ پرہاروی کی قبر انور پر جو کتبہ لگا ہوا ہے وہ بقول متین کاشمیری کے سب سے پہلے میں نے لگایا ہے مگر بعد میں وہاں کے لوگوں نے اس میں ردو بدل کیا ہے۔

ابو محمد عبد الواحد کبیری مدنی

مدرس: جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ ملتان



---

[1] النبراس، ص325

الدرر فی فضل الصحابة واهل البیت

عربی متن

مصنف: عمدة المتکلمین علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمہ اللہ

درسہ وتحقیق: ابو محمد عبد الواحد کبیری مدنی

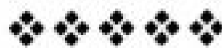
عملنا فی هذا الکتاب

الحمد لله قد اجتهدنا فی اخراج النص علی اقرب صورة وضعها المصنف لیسهل قراته ویمکن فهمه بغیر الزلة والخطاء۔

- ❖ هکذا عرضنا الآیات القرآنیة والأحادیث النبویة لیسهل قراتهما دون لحنة۔
- ❖ قمنا بتخریج الآیات القرآنیة من نسخة القرآن بالحاسوب۔
- ❖ قمنا بتخریج الأحادیث المبارکة من مصادرها من الصحاح الستة وغیرها۔
- ❖ قد التزمنا خط العربی الجدید واوردنا علامات الترقیم لتسهیل العبارة۔
- ❖ قد قمنا بتقسیم المتن الی الفقرات والابحاث بوضع العناوین مشیرا الی اغراض المصنف وانتقاله من بحث الی بحث آخر۔
- ❖ اضفنا فی آخر الکتاب فهارس الموضوعات۔
- ❖ اضفنا الحواشی المفیدة فیه۔
- ❖ اردفنا بفهارس المصادر والمراجع۔

وماتبرء نفوسنا عن الخطاء والنسیان والمرجو من الاحباء المکرمین ان یغطوه بجلباب الاصلاح والاحسان .اللهم اجعل هذا العمل خالصا لوجهك الکریم واجعله نافعا متقبلا للطالبین اللهم احسن ختامنا وارحم زلاتنا واغفر حوباتنا اللهم یاکریم یا رحیم اغفر لنا ولوالدینا ولمشائخنا ولجمیع المسلمین وصلی الله وسلم علی نبینا محمد ﷺ وعلی آله وصحبه اجمعین۔

آمین بجاه خاتم النبیین صلی الله علیه وسلم



خطبة الكتاب

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدا ارشدنا الى مذاهب الشرعة السوية و اساليبها و شكرا لمن ابعدنا عن عياب بدعة سيئة و غرابيبها و عظمت نعماه فلا يحصيها امد و عمت آلاؤه فلا يدريها عدد و زخرت بحار افضاله فنسقى مزابيبها و انابيبها بلطفه العميم و ظهرت انوار جلاله فيحرق صواعقها و بوارقها[1] بقهر عظيم[2]. المومن يريد فضله و رحمته و يعذّب من يشاء بعدله و سطوته. عليم يعلم الغيوب و الخفايا. حليم يغفر الذنوب و الخطايا. لا ابتدأ لوجوده و لا انتهاء لجوده وله الاشكال فى عجائب مصانعه وله الانظار فى غرائب بدايعه هام من رام يصف[3] بصفاته. غوى من سعى ان يصرف الى كنه ذاته ضرب العقلاء فى طلب ماهيته اكباد مطايا العقول فاعتزلوا من غير الوصول اليها بزوايا الخمول. موصوف بصفات العلو و الكمال. منزه عن سمات النقص و الزوال. تعالىٰ من ان يكون جاهلا او نسيا. حاشا من ان يفعل قبيحا اوفريا. هو الذى اصطفىٰ لنا دينا زكيا و الا لسلكنا فى ظلم الضلال غيا.

هدانا بفضله العميم صراطا سويا و ارتضى لنا ملة بيضاء و امرا رضيا. ارسل الينا سراجا و نورا عليا حبيبه محمدا المصطفىٰ رسولا و نبيا شفيعا للمذنبين شفيقا حفيا المؤيد باسطع البينات و اوكدها المحمد بارفع الصفات و امجدها. علا برفعة انوار الهداية و الكمال. محى بسطوته آثار الغواية و الضلال كانها كواكب[4] فغابت بعظمة لمعات نوره اوقطع الثلج فذابت برفعة شمس[5] ظهوره و هو الذى احق الحق بلا ريب و عوج و فاق الخلق بمعجزات و حجج و نوّرسناه القرى و البلاد و اكثر نوره الهدىٰ و الرشاد لاتبلىٰ دينه بمرور الايام و

---

[1] وفى الاصل لم يذكر مفعول يحرق ولذالم يفهم معناه بتمامه۔

[2] وفى الاصل "بقهر العظيم" باضافة موصوف الى صفة والقياس بغير اضافة ولذا حذفت اللام من "العظيم"۔

[3] وفى الاصل "يصفه" والاولى حذف ضمير المنصوب۔

[4] وفى الاصل "كوكب" والقياس "كواكب" لانه مشبه به والمشبه "آثار الغواية والضلال"

[5] وفى الاصل "الشمس" باللام والقياس حذفه لانه مضاف الى مابعده۔

الشهور و لاتفنى بمرور الازمنة و الدهور.

عليه ازكى التحية و السلام ابدا مستمرا الى يوم القيام بمساء اليالى وصباح الايام. صلوة بريئة عن الانكتام بعيدة عن الانتهاء و الانصرام عدد ما احصاه علم الله العلام و على آله العظام ذوى القدر العظيم الفخام المصطفين على جميع الانام. الحريين بالتعظيم و الاكرام و على اصحابه العظام هم الذين ايّدوا بالاسلام حتى صار متعال الاعلام بعد النبى ﷺ افضل[1] الخواص و العوام رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين و جعلنا ببركتهم من الصالحين آمين يارب العالمين.

بيان سبب التاليف

و بعد فان افضل ما الهم الى و اجل ما انعم على هو العلم المرجو منه الصلاح و الاعمال عاجلا و الفلاح من الوبال آجلا و به الفوز بالسعادة فى الدنيا و الآخرة و هو سيد الاوصاف الفاخرة و العضّ بالنواجز فى تحصيل العلوم المنقولة و الكشف عن الساق فى تكميل الرسوم المعقولة[2] حتى كانّى ما رأيت على صفحة الايام الا الكتاب و ما وقع بصرى الا عليه حيث اصاب فحفظت الكلام المعجز الفصيح و حصلت شرح المواقف و التلويح و تفكرت فى التواريخ و العمليات و الدواوين و الاشعار فقدرت على اخراج دررها من بحر الفكر بشط الاظهار فعزمت على ان اصنف كتاباً وابتده به[3] فصولا و ابواباً و اورد فيه مايسنح بخاطرى القاصر و ادرج فيه مايظهر على ذهنى القاص لما كنت ذات يوم انظر فى نفحات الانس للفاضل الجامى قدس سره العزيز[4] على ذكر الامام الهمام القمقام حجة الدين و الاسلام الامام الغزالى اسكنه الله بدار السلام فوجدت انه قال رأيت فى المنام اشرف الخلق عليه افضل التحية و السلام و حوله علماء امته ابقاهم الله تعالىٰ فى الاسلام فى ايديهم كتب مجلدة كتبت فيها عقائدهم و يحققون بين يدى رسول الله ﷺ مقاصدهم فاذا جاء رافضى فى يده عدة من الاوراق مملوة مما يخترعونه من عندهم بالاختلاق فاخذوه و

---

[1] هكذا فى الاصل ولم افهمه.

[2] "العض و الكشف الخ كنايتان عن كثرة السعى.

[3] هكذا فى الاصل ولعل الصواب "ارتبه".

[4] فى هذا المقام لم يتضح لنا نص المخطوط.

ضربوہ مقبوحا و حرّقوا ما اتی بہ مطروحا فدنوت من خیر البریۃ علیہ اکمل الصلوۃ و التحیۃ لاصحح ما عندی من العقائد الدینیۃ و احقق ما ھی من المقاصد الیقینیۃ و فی یدی کتاب صنف [1] فی علم الاعتقاد فسألنی علیہ الصلوۃ و السلام (ای کتاب ھذا؟ [2]) فقلت ھذا الکتاب صنّفہ الغزالی یاخیر الخلائق فقال من الغزالی؟ فقلت اماما ذا القدر الفائق و قال اقرءھا و انا واقف بین یدیہ فشرعت فی قرائتھا و املاءھا علیہ فلما بلغت فی مدحہ دعانی بالخیر و فرح سرورا و حسن ما صنفہ و ظھر البشریٰ فی وجھہ ظھورا۔ انتھی [3]

بیان اسم الکتاب وماخذہ

فعزمت علی تصنیف کتاب فی عقائد الایمان طلبا لرضاء رسول اللہ سید الانس و الجان، فألّفت ذلک الکتاب من مصنفات العلماء و جمعتہ بعون اللہ تعالیٰ من مؤلفات الفضلاء و سمیتہ بمرام الکلام فی عقائد الاسلام و حذفت الکتب الماخوذۃ منھا روماً للاختصار ای لاختصار الکلام فجعلت علامۃ الکرمانی "کر" و نور الحق "نو" و الزرکشی شرح بخاری "کشی" و القسطلانی شرحہ "قسط" و شرحہ السیوطی "طی" و عبدالحق شرح المشکوۃ "حق" و الکشاف "کش" و البیضاوی "ب" و المدارک "م" و المعالم "مع" و الجلالین "جل" و قران القرآن "قر" و التوضیح "تض" و التلویح "تل" و شرح المواقف "شمو" و الطوالع "طو" و شرح التجرید لاھل السنۃ "شج" و تکمیل الایمان للشیخ عبدالحق الدھلوی "تک" و شرح العقائد النسفیۃ و العضدیۃ لنور الدین الفاروقی "شر" وبحر المذاھب "بح" و تھذیب الکلام "تہ" و صواعق المحرقۃ "صو" و الرکفۃ فی ظھر الرفضۃ "ضو" و رسائل الدوانی فی اثبات الواجب و صفاتہ "نی" و شرح عقائد لہ "ح" و بستان الفقیہ "بس" و تمھید ابی شکور السالمی "تم" و رسالۃ الفاضل احمد جند "سا" و غنیۃ الطالبین لسیدنا و مولانا الشیخ محی الدین جیلانی قدس سرہ العزیز "غن" و تذکرۃ الموضوعات لعلی القاری عفی عنہ و رسائلہ الآخر "عل" و العروۃ الوثقیٰ للشیخ کمال الدین "عر" و رسائل الفاضل السندی فی ردّالروافض "فا" و مطالب الفقھاء "مطا" و

---

[1] فی الاصل "صنفتہ" والتصحیح بعد مراجعۃ نفحات الانس و "صنف" علی صیغۃ للمجہول۔

[2] لم یتضح لنا نص للمخطوط و "ای کتاب ھذا؟" منی

[3] نفحات الانس مترجم ص 403 شبیر برادر لاہور

شرح القصیدة الامالیة "قا"و شرح الفقه الاکبر لابی المنتهیٰ قدس سرہ "بل"و سواء السبیل و العشرة الکاملة لصاحب قران القرآن و ھو سیدنا و مولانا افضل المتاخرین کلیم الله جھان آبادی قدس سرہ" کل"و حواشی تھذیب العقائد "ذب".

بیان موضوع الکتاب

و طوّلت الکلام فی ردّ الشیعة لما مرّ و لانه قدفشا منھبھم بین الناس و ظھر فی حق الصحابة (فی)قلوب الانام وساوس الخناس و اجتھدت فیه غایة السعی و الاجتھاد و لم اٰل فی تحقیق مسئلة من مسائل الاعتقادیة و ما اردت ان اشتھر بالتصنیف او ان یقول الناس بان فلانا من ارباب التصنیف بل اردت رضاء رسول الله ﷺ و توسلّت الی جناب الاکرام المعلی الاعظم و اسئله ان یشفعنی یوم الجزاء عند الرحمٰن و ان یغثنی فی مصائب الدنیا و حوادث الزمان و ھو ملجائی و شفیع العصاة علیه اکمل الصلوة و التحیات.

قصیدة فی مدح النبی ﷺ و توسّله

نبیا کسراج لاح فی الظلم ۔۔۔ وشاح فانتقلت طرّا الی العدم
تبارك الله قدفاقت سناه ۔۔۔ الی ان انطفی کل نار کان بالفھم
وامرہ باھل النھیٰ اجمعھم ۔۔۔ کامر لیث (به[1]) جوع مع الغنم
قداصطفاہ الباری من بریّة ۔۔۔ بالقرب و الفضل و الادراك بالحکم
قدعز شان رسول الله ذی شرف ۔۔۔ عن وصف کل لبیب حاذق فھم
اتیته برجاء لا انتھاء له ۔۔۔ قداعتصمت بحبل غیر منفصم[1] [فی الاصل "المنفھم" والتصحیح منی بعد مراجعة الفضلاء کما جاء فی النص "لاانفصام لھا"]
فھل ترون حزینا یستغیث به ۔۔۔ من سوا غم و لاینجو من النقم[2]
فیارسول الله الخلق مرحمة[3] ۔۔۔ انت الطبیب و ائی مبتلیٰ السقم

---

[1] ھکذا فی الاصل والصحیح حذفه۔

[2] ھکذا فی الاصل، فانی غوصت کثیرا فی للمصرع الثانی من البیت ولکن لما بلغت الی بلغة الشیخ عبد العزیز قدس سرہ فراجعت مولانا حامد دین بزدار چشتی تونسوی فنظم للمصرع الثانی ھکذا "بلی قد غاثه فی الغم والنقم"۔

[3] مصدر لفعل محذوف "ارحم" ای ارحم الخلق مرحمة ویمکن ان یکون مرحمة اسم فعل و معناہ ارحم]

حرفت فلکی و بالاوزار قد ثقلت والبحر ذو عمق و الریح ذو عقم[1]
یکادیغرقنی موج و یهلکنی فیالافضل خلق الله کلهم
و ماوصلت بخیر قط من عمل فانت مسندی یاشافع الامم
یرجوک سیدنا عبدالعزیز فیا انظر الیه بعین اللطف والکرم

وشرعت فیه و قدمضیٰ من عمری سبعةعشر سنة ذات کمال و اسأل الله تعالیٰ العصمة و العون فی بقیة حیاتی علی کل حال و علیه التوکل و الاعتماد و به الاعتصام و الاعتقاد و رتبته علی اربعةاقسام و خاتمة .القسم الاول فی المقدمات و مایشتمل علی ابواب.

الامور المتعلقة بالملل والنحل

❖❖❖❖❖

ا۔ قد جاء فی النص "الریح العقیم"۔

الباب الاول

ففی الفرق بین اھل السنة و البدعة و ماینا سب ذلك ویشتمل علی فصول

بیان مبداء الافتراق بین الامة

الفصل الاول فی افتراق امتہ علیہ الصلاۃ و السلام الی اھل السنۃ و البدعۃ فی شرح المواقف و المقاصد انہ قال رئیس اھل السنۃ قالع رسوم البدعۃ سیف الدین آمدی قدس سرہ العزیز انہ کان الناس عند اقبال رسول اللہ ﷺ من الدنیا الی العقبیٰ علی عقیدۃ و طریقۃ واحدۃ الا اھل النفاق کانوا ینظرون الوفاق و یطنون انشقاق ثم ظھر بینھم اختلاف فی الامور الاجتھادیۃ ولم یکن غرضھم من ذلك الا اقامۃ اعلام الشرع

کاختلافھم فی قول النبی ﷺ فی مرض موتہ ایتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ فقال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ قد غلب علیہ الوجع و عندنا کتاب اللہ الذی حسبنا فرفعت الاصوات فقال النبی ﷺ قوموا عنی

و کاختلافھم فی تجھیز جیش امتنع رضی اللہ عنہ و قصتہ ((ان رسول اللہ ﷺ اراد ان یرسل جیش اسامۃ رضی اللہ عنہ الی قوم من الکفار وقال جھزوا جیش اسامۃ (رضی اللہ عنہ) لعن اللہ من تخلف عنہا -))[1] وقال بعضھم یجب تجھیزہ لذلك و قال بعضھم نعم لکنہ یتوقف الی ان ینتھی مرض رسول اللہ ﷺ الی الصحۃ و غیرہ و للرافضی فی الاختلافین شبھات یجئ الکلام علیھا فی القسم الثالث من الکتاب ان ساعدنی توفیق الوھاب.

و کاختلافھم فی موت رسول اللہ ﷺ قال عمر رضی اللہ عنہ ((من قال ان محمدا مات قتلتہ بسیفی ھذا))[2] و ارجو ان یعرج بہ الی السماء کما عرج بعیسیٰ علیہ السلام فافھم ابو

---

[1] فی الاصل "انہ قال رسول اللہ ﷺ ان یرسل اسامۃ رضی اللہ عنہ الی قوم من الکفار و قال جھزوا جیش امتنع رضی اللہ عنہ من تخلف عنہ" والتصحیح منی۔

[2] وفی الاصل "ان النبی علیہ الصلوۃ و السلام قدمات" والتصحیح منی۔

بکر رضی الله عنهما فانتهى عما كان يقول و كاختلافهم فى دفنه ﷺ فقال بعضهم يوضع فى مسجده و قال بعضهم يدفن فى البقيع و قال ابوبكر رضى الله عنهما ان يدفن فى بيته روى فى ذلك حديثا

و كاختلافهم فى ارثه ﷺ و طلبته سيدة النساء و منع الصديق الاكبر رضى الله عنه وروى عنه عليه السلام و نحن معاشر الانبياء لانورث لنا احدوماتر كنا فهو صدقة

و كاختلافهم فى الامامة اراد العباس ان يبايع الحيدر الكرار كرم الله وجهه وعزم الانصار رضوان الله عليهم اجمعين ((ان يبايعوا رئيسهم سعد بن عبادة الانصارى رضى الله عنه)) و اتفق المهاجرون على امامة ابى بكر الصديق رضى الله عنه فطال الكلام حتى اتفق راى الكل على الصديق رضى الله عنه

و كاختلافهم فى قتال مانعى الزكوة و قصته و انه لمافات عليه الصلوة و السلام ابت العرب عن حكم الاسلام و منعوا الزكوة فاراد ابوبكر رضى الله عنه قتالهم فقال له عمر رضى الله عنه مهلاً ياخليفة رسول الله ﷺ كيف تقاتلهم ؟ و قد قال حبيب الله ﷺ - امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لااله الا الله فاذا قالوا عصموا منى دمائهم و اموالهم "فقال ابوبكر رضى الله عنه أليس قد قال ""الا بحقها و من حقها اقام الصلوة و ايتاء الزكوة"[1]

و كاختلافهم فى تنصيص ابى بكر رضى الله عنه فى خلافة عمر رضى الله عنه و قال بعضهم لاتومر عمر رضى الله عنه علينا فانه رجل فظ[2] غليظ وقال على رضى الله عنه لانرضى الابعمر رضى الله عنه و كاختلافهم فى امر الشورىٰ حتى استقر الآراء على عثمان رضى الله عنه و كاختلافهم فى خلافة امير المومنين على كرم الله وجهه و معاوية رضى الله عنه اللهم متعنى بحبهما و هكذا كان الاختلاف يتكثر حتى كثر فى آخر ايام الصحابة و ظهر الاختلاف المودى الى الضلال الموجب لانعكاس اعلام الاسلام فخالف بعض المبتدعة فى القدر و اسناد جميع الاشياء الى الحق سبحانه حتى تفرق اهل الاسلام على ثلث و سبعين فرقةً كلها هالكة الا واحدة و ظهر مصداق قوله عليه السلام "ستفرق امتى على ثلثة و سبعين فرقةً كلها فى النار الا واحدة"[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الحیاء من الایمان، ج 01، ص 14

[2] فی الاصل "فض" والتصحیح منی۔

[3] مسند احمد، مسند الشامیین، حدیث معاویہ بن ابی سفیان، جز 28، ص 134

فسئل عليه الصلاة والسلام عن تلك الواحدة فقال "هم على ما انا عليه و اصحابي"[1]

وجه تدوين علم الكلام و اصول الفقه

وكانت الصحابة لقلة الوقائع فى زمانهم و كثرة التفاتهم وبلوغ الاسلام فى القوة حدا كاملا لايشتغلون بتدوين العلوم الاسلامية و تهذيبها فصولا و ابوابا فلما مست الحاجة الى ذلك اشتغل العلماء بالنظر والاستدلال و الاجتهاد واستخراج المسائل و ايراد الدلائل ولما كان كمال النوع الانسان ينحصر فى قسمين، الكمال النظرى اعنى الاختصار بوحدة الواجب و تنزهه عن زوال النقص[2] و اتصافه بصفات الكمال و الايمان بحقيقة النبوة وسائر اركان الاسلام على الاجمال و الكمال العملى اعنى اتيان الصلوة والصوم والزكوة والحج ورعاية السنن و النوافل و غيرذلك من الاعمال الصالحة فدوّنوا علم الكلام و العقائد للاول و علم اصول الفقه و فروع الفقه للثانى و بسطوا الكلام فيها للرد على المخالف بتحقيق المسائل و تدقيق الدلائل.

كم عدد الفرق الضالة؟

الفصل الثانى فى تعداد الفرق الضالة . اعلم ان اهل التصنيف اختلفوا فى تعداد الفرق الضالّة و تعيين اصولها وضبط فروعها وتبيين اساميها وبلغ تعداد بعضهم ثلثا وسبعين وتجاوز بعضهم عن ذلك العدد ويبين فرقا اخرىٰ كصاحب المواقف.

اما الجواب عن الحديث المذكور فبوجوه الاول ان بلوغ عدد الفرق هذا العدد فى بعض الزمان كافٍ فى صدق الحديث. الثانى ان زاد على ذلك العدد فهو من فروعه. الثالث انه قد يذكر العدد المخصوص ويراد منه الكثرة كما يذكر العدد المخصوص ويراد منه القلّة هذا.

نحن ان بيّنّا تفصيل الفرق على راى كل العلماء لطال الكتاب فاخترت ما اورده المحقق نور الدين الفاروقى فى شرحه على العقائد النسفية و ابن السراج فى تذكرة المذاهب فنقول ان اصل المذاهب الباطلة التى هى اثنى وسبعون فرقةً.

ستّة هذا الرافضية و الخارجية و الجبرية و القدرية و الجهمية و المرجية فتفرق كل من تلك

---

[1] مستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، جز 01، ص 218۔

[2] هكذا فى الاصل ولعل العبارة هكذا "عن الزوال و النقص"۔

الفرق الی اثنی عشر فرقۃً فیحصل من ضرب الستۃ فی اثنی عشر اثنان و سبعون فههنا ستۃ مقامات۔

المقام الاول فی بیان الرافضة

قال قدوة العلماء و اسوة الفضلاء محمد بن عبد الكريم الشهرستانی قدس سره العزيز فی كتاب "الملل و النحل" ان يزدجرد بن شهريار بن كسرىٰ العادل لما ترك المدائن فی خلافة عمر بن الخطاب رضی الله عنه و ذهب الی بلاد خراسان فذهبت علماء المجوس و حكمائهم اليها فلما قتل يزدجرد بن شهريار قبلوا الجزية فدخلوا فی ايدی اهل الاسلام فشاوروا و قالوا نجتهد فی ايقاع الخلل فی اسلامهم فتاملوا فلم يجدوا فی امور الشريعة نقصاناً فقالوا لا سبيل لنا الا ان نقول ان ابابكر رضی الله عنه ظلم علياً و فاطمة رضی الله عنهما فوقع التفرقة من ذلك۔

ان الروافض من مجوس الامة يدل على انه عليه الصلوة والسلام قال "القدرية مجوس هذه الامة"[1] والروافض ينكرون القدر و يتفرقوا على اثنتی عشرة[2] فرقةً۔

الاول العلوية قالوا ان علياً رضی الله عنه نبی۔ الثانية الابدية قالوا انه شريك فی النبوة۔ الثالثة الشيعة من لم يحبه اكثر من سائر الصحابة كفر۔ الرابعة الاسحاقية ينكرون ختم النبوة و قالوا لا يخلو الارض عن نبی۔ الخامسة الزيدية قالوا لا يجوز الصلوة الا خلف اولاد علی كرم الله وجهه۔ السادسة العباسية قالوا لا يجوز الامامة الا اولاد عباس۔ السابعة الامامية قالوا لا يخلو الارض عن امام مطلع على الغيوب و لا يجوز الامامة الا للهاشمی و لا يصلی خلف الفاجر۔ الثامنة النادسية من فضّل نفسه على غيره كفر۔ التاسعة التناسخية قالوا اذا خرج الروح من بدن يدخل فی غيره۔ العاشرة اللاغية يلغون معاوية و طلحة و زبير رضی الله عنهم۔ الحادی عشرة ((السبائية)) قالوا ان علياً كرم الله وجهه يرجع قبل القيامة۔ الآن مستور فی السماء و الرعد عدو فرسه و البرق نار تظهر من خاتمه فاذا رؤوا سحاباً سلموا عليه۔

الثانية عشر المترابضة يجوزون البغی و الخروج على السلطان المسلم خذلهم الله تعالیٰ و

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، جز 04، ص 222۔

[2] وفی الاصل "اثنی عشر" والتصحیح منی۔

اتفقت كلهم على ترك الجماعة و منع مسح الخفين و طعن على الشيخين و طلحة و زبير رضى الله عنهم و تبرى عن الصحابة الا عن الحيدر و تفضيل الزهراء على الصديقة و وضع الشمال على اليمين فى الصلوة۔

المقام الثانى فى بيان الخارجية

تفرقوا ايضاً على اثنتى عشرة[1] فرقةً، الاولى الارقية انكرت الرؤيا الصالحة و قالت انها جزء الوحى و الوحى انقطعت۔

الثانية الاباحية القول و العمل و الفعل و النية مباح۔ الثالثة التعليلية قالوا اعمالنا بارادة الله تعالىٰ بتقديره۔

الرابعة الجازمية قالوا الايمان فرض مجهول و لم يعلم فرضيته۔ الخامسة الخلقية يكفرون تارك الجهاد مع الكفار۔ السادسة الكوفية يجهدون فى غسل الاعضاء و يدلكونها كثيرا۔ السابعة الكنزية ينكرون فرضية الزكوة۔

الثامنة المعتزلية قالوا الشرُّ ليس بقضاء الله تعالىٰ و لا يجوز الصلوة على الفاجر و القرآن محدث و العباد خالقوا افعالهم۔ ولا ينفع الدعاء و الصدقة للميت و لا ينفع الشفاعة و المعراج الى بيت المقدس فقط و الملائكة افضل من المومنين و ينكرون الرؤية و الميزان و الحساب و الصراط و الصفات و الكرامات للاولياء و علامات القيامة و غيرذلك و اكثر جدال اهل السنة مع المعتزلة كما سيجى ان شاء الله۔ و منشأ مذهبهم واصل بن عطاء اعتزل عن مجلس حسن البصرى فقال اعتزل عنا فسموا بالمعتزلة۔ التاسعة الميمونة الايمان بالقدر ليس بشيئ۔ العاشرة الممكنة قالوا ليس لله سبحانه حكم على المخلوقات۔

الحادى عشر الاخطية قالوا لا يجزى عبد بالخير و الشرّ بعد الموت الثانية عشر الشمراحية يبيحون الزنا۔

اتفقت كلهم على تكفير العاصى و وجوب الخروج على السلطان الظالم و عدم تجويز خروج على كرم الله وجهه على معاوية رضى الله عنه۔

المقام الثالث فى بيان الجبرية

تفرقوا ايضاً على اثنتى عشرة[2] فرقةً الاولى المضطربة قالوا الخير و الشرّ من الله تعالىٰ

---

[1] وفى الاصل "اثنى عشر" والتصحيح منى۔

[2] وفى الاصل "اثنى عشر" والتصحيح منى۔

ومالنافيهما اختيار.

الثانية الافعالية قالوا للانسان فعل لكنه ليس له قدرة عليه.الثالثة المنعية قالوا التعقل و القدرة للعبد لاصنع لعبد فيهما .الرابعة المفروعية قالوا جفّ القلم بماهو كائن فلايوجدالآن شيئ من احد.الخامسة النجارية قالوا ان الله يعذب الخلق على افعاله لا على افعالهم.السادسة المطمئنة قالوا الخير ماقرّعليه الخاطر و اطمانّ به.السابعة الكسبية قالوا لايزيد الثواب بالخير و الشرّ.الثامنة السابقية قالوا قدسبق الخير والشرّ فى الازل فلاينفع الطاعة و لايضر المعصية.التاسعة الحبيبية قالوا ان الله يحب العباد و المحب لايعذب المحبوب.العاشرة الخوفية قالوا ان الله حبيبنا و الحبيب لايخوف المحبوب. الحادى عشر الفكرية قالوا الفكر عبادة فاذا زادالعلم سقط العمل عنه.الثانيةعشر الجسمية انكروا الزوم الميراث وليس لهم اتفاق فى مسئلةٍ.

المقام الرابع فى بيان القدرية

تفرقوا على اثنتى عشرة[1] فرقةً ايضاً الاولىٰ الاحدية .المعراج بالروح ويجوزون رؤيته تعالىٰ فى الدنيا و يقولون العالم قديم و القيامة غيراتيةٍ.الثانية الثنوية قالوا الخير من الله و الشرّ من الشيطان.الثالث الكيسانية يقولون لايعلم ان افعالنامخلوقة ام لا.الرابع الشيطانية قالوا ان الشيطان لم يخلق يعنى ليس بموجود.الخامسة الشركية قالوا ان الايمان ليس بمخلوق.السادسة الوهمية قالوا افعالناوهم لايترتب عليها الثواب و العقاب.السابعة الرويدية ينكرون فناء الدنيا .الثامنة الناكسية جوّزوا التوقف فى الامام.التاسعةالمبترية ينكرون قبول توبةالعاصى.العاشرةالقاسطية يذمون الزهدا و يوجبون الكسب.الحاديةعشر النظامية قالوا ان الله تعالىٰ ليس بشيئ.الثانيةعشر المنزلة قالوا لانعلم ان الشرّ قدر ام لا واتفق كلهم على جواز ان يكون الشيئ عندالله كفرا و عند الخلق ايمانا و لايرون الجنازةفرضاو يشكون فى ايمانهم و يقولون لانعلم انا مؤمنون او كافرون و قد ورد فى حقهم "ان القدرية مجوس هذه الامة و انه ليس لهم حظ من الايمان".[2]

---

[1] وفى الاصل "اثنى عشر" والتصحيح منى۔

[2] السنة لابن ابى العاصم،جز 01،ص 147۔

المقام الخامس فی بیان الجهمية

تفرقوا علی اثنتی عشرة[1] فرقةً. الاولی المعطلية قالوا اسماء الله تعالیٰ و صفاته مخلوقة. الثانية المزابقية قالوا العلم و القدرة و المشيئة مخلوقة. الثالثة المزاقية قالوا ان الله تعالیٰ فی المكان. الرابعة الواردية قالوا من دخل النار لم يخرج منها قط والمومن لايدخله. الخامسة الحرقية قالوا ان جهنمی يحترق بحيث لايبقی منه شيئ ای اثر.

السادسة المخلوقية قالوا القرآن مخلوق. السابعة الغيرية قالوا ان محمداً ﷺ كان حكيماً لا رسولاً. الثامنة الفانية قالوا يفنی الجنة و النار. التاسعة الزنادقة قالوا المعراج بالروح و العالم قديم و هو غير فانٍ. العاشرة اللفظية قالوا اللفظ و الملفوظ و اللافظ واحد فالقرآن لفظ القاری لا كلام الله تعالیٰ.

الحادی عشر القبرية انكرت عذاب القبر. الثانية عشر الواقفية يتوقفون فی خلق القرآن و عدم خلقه.

اتفق كلهم علی ان الايمان باللسان لا بالقلب و انكار عذاب القبر و المنكر و النكير و الحوض و تكليم موسیٰ عليه السلام ربّه سبحانه.

المقام السادس فی بیان المرجية

تفرقوا ايضاً علی اثنتی عشرة[2] فرقةً. الاولیٰ التاركية قالوا لافرض بعد الايمان. الثانية انشائية قالوا من قال لااله الاالله محمد رسول الله فليعمل ان شاء صالحا و ان شاء سيئا. الثالثة الرجية قالوا لايقال لمن اطاع مطيعا و لالمن عصی عاصياً بل يحتمل خلافه. الرابعة الشكية يشكون فی الايمان. الخامسة المنقضية قالوا الايمان يزيد و ينقص. السادسة المستثنية قالوا نحن مومنون ان شاء الله تعالیٰ. السابعة الاسترية قالوا القياس باطل لايصلح دليلاً.

الثامنة البدعية قالوا ايطاع السلطان ((لازم)) و ان امر بالمعصية بلا كراه. التاسعة المستوية قالوا لافرق بين الواجب و السنة و المستحب لاتحاد الامر. العاشرة المشبهة قالوا ان لله تعالیٰ سبحانه صورة و خلق آدم عليه السلام علی صورته. الحادی عشر الجهية

---

[1] وفی الاصل "اثنی عشر" والتصحیح منی۔

[2] وفی الاصل "اثنی عشر" والتصحیح منی۔

قالوا مبنی الایمان علی العلم فمن لایعلم الاوامر و النواھی کلھا فھو کافر. الثانی عشر العملیة قالوا الایمان ھو عمل الجوارح و لیس لھم اتفاق فی مسئلة.

فان قلت لِمَ قدّمت بیان اھل البدعة علی بیان اھل السنة مع ان الاولیٰ ھو العکس؟

قلت بوجوہ. الاول ان الاطباء اذا ارادوا شفاء احد یبالغون فی اجتنابه من الماکولات و المشروبات المضرۃ ثم یشتغلون بالتداوی حتی ((لا)) یجتمع المواد الفاسدۃ فی البدن فیصعب زوالھا فلابدّ من بیان مذاھبھم اولا حتی یحترزعنھا ثم یورد مذھب اھل السنة حتی ینتقش علی صحائف الخواطر.

الثانی ان الاشیاء تبین باضدادھا و الباطل ضد الحق فلابد من الاطلاع علی الباطل حتی بتبیینھا تبین المقصود کما اذا قیل ان البیاض ضد السواد فلما لم یتبین السواد لایتبین البیاض.

الثالث متابعة کلام الله سبحانه قال "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔" (التغابن:02) و وقع فی کتب الفقه "کل اھاب اذادبغ فقدطھر الا جلد الخنزیر و الآدمی".[1]

من ھم اھل السنة؟

الفصل الثالث فی بیان اھل السنة. ھم اصحاب رسول الله ﷺ و الذین اتبعوھم باحسان رضی الله عنھم و رضواعنه و تبع التابعین کابی سعید الخدری[2] وابی سعید بصری و سفیان الثوری و الاوزاعی و علقمة بن الاسود و ابراھیم النخعی و الشعبی و المالک و الحماد و ابن ابی لیلیٰ و ابی حنیفة النعمان و تابعیھم من المتاخرین و تلامذتھم مثل ابی یوسف القاضی و محمد بن الحسن الشیبانی و زفر و حسن بن زیاد و داؤد الطائی و محمد ادریس الشافعی و ابی عبدالله المدنی و من فقھاء خراسان مثل ابی مطیع البلخی و ابی سلیمان الطبرانی و ابی حفص الکبیر البخاری و الشقیق و ابراھیم بن ادھم وھم تلامذۃ امام جعفر الصادق و ابی حنیفة و فقھاء دیار الاسلام من الھراۃ و ماوراء النھر و الفارس و الشیراز و البدخشان و غیر ذلک. ((ھم الذین)) اخذوا الدین من الثقات و نقلوہ من الصحابة من غیر انکار و تعصب و اجتھدوا فی المسائل طلباً للحق و ثبتوا علی ماثبت علیه الصلاۃ والسلام و انقسموا علی

---

[1] الھدایة، کتاب الطھارات، باب الماء الذی یجوز به الوضوء الخ، جز 01، ص 38۔

[2] ظاھر العبارۃ ان ابی سعید الخدری من تبع التابعی ولکن ھو من اصحاب رسول الله ﷺ کما ھو المشھور۔

طائفتین الاشعریة وهم اصحاب الامام الرئیس ابی الحسن الاشعری وهم اهل الشام و العرب و العراق و الخراسان و اکثر الاقطار و الماتریدیة هم اصحاب ابی المنصور الماتریدی هم حنفی المذهب و هم اهل ماوراء النهر و البدخشان و غیرهما.
والاشعر قبیلة من الیمن و قیل منسوب الی جده ابی موسیٰ الاشعری و الماتریدی قریة من قری سمرقند و بین الفریقین اختلاف فی بعض المسائل و یقال کلاً من الفریقین "الاشاعرة" رضی الله عنهم.

بیان معتقدات اهل السنة

الفصل الرابع فی معتقداتهم اجمالا. روی عن ابن عباس رضی الله عنهما من اعتقد بذلك العشرة فهو من اهل السنة. الاول تفضیل الشیخین. الثانی محبة الختنین. الثالث احترام القبلتین ((اعنی بیت المقدس والکعبة))[1]. الرابع اعتقاد المسح علی الخفین. الخامس عدم الحکم بأن فلانا من اهل الجنة او من اهل النار الا لمن بشره النبی ﷺ بالجنة. السادس تجویز الصلوة خلف کل فاجر وبرّ. السابع الاعتقاد بأن تقدیر الخیر و الشرّ من الله تعالیٰ. الثامن الصلوة علی کل برّ و فاجر. التاسع اداء الفرائض الخمسة من کلمة التوحید و الصلوة و الصوم و الزکوة و الحج و کذا الواجبات و السنن المؤکدة. العاشر اطاعة السلطان عادلا او ظالماً اذا کان امره موافقاً للشریعة اذلاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق.[2] [3]

هل الحنفیة من المرجیة ام لا؟

الفصل الخامس فی دفع سوال صعب. اعلم انه قدوقع فی الغنیة المنسوب الی سید الاولیاء و سلطان النقباء الشیخ الملقب بالبازی الاشهب محی الدین عبدالقادر الجیلانی قدس سره العزیز "تقسیم المرجیة الی اثنتی عشرة[4] فرقةً منها الحنفیة و فسّرها بأنها اصحاب ابی حنیفة نعمان بن ثابت الکوفی زعموا ان الایمان هو المعرفة و الاقرار بالله و رسوله و

---

[1] ما وجت هاتین الکلمتین هنا فادفتها النص بعد المراجعة من تذکرة المذاهب "تذکرة المذاهب لابن السراج".

[2] وفی الاصل هکذا "اذ لاطاعة فی معصیة للمخلوق الخالق" والتصحیح منی۔

[3] تذکرة المذاهب لابن السراج، نسخه خطی، ص 03

[4] وفی الاصل "اثنی عشر" والتصحیح منی۔

بما جاء من عند الله جملةً" انتهى.[1] وقد قال عليه السلام صنفان من امتى ليس لهما نصيب من الايمان المرجية و القدرية.[2] رواه ابن عباس.

و هذا امر التبس على كثير من الناس حتى اساء الادب بعضهم في شان شيخنا سيد سادات كعلى القارى عفى عنه وليت شعرى ما اجراه على اساءة الادب فى حق الاولياء و بعضهم فى شان امامنا رئيس المجتهدين فلابدّ ههنا من بيان شانهم و قد وجدت رسالةً فى حلّ ذلك الاشكال ((فاردت)) خلاصته و يخطر ببالى.

فنقول انه اجيب بوجوه. الاول ان المراد بالحنفية من ظن[3] من بعض اصحاب ابى حنيفة و لاهو فيهم كيف ؛ والسيد قد صرح فى الغنية بانهم سمّوا بالمرجية يقول لهم بان المومن لايدخل النار بسبب المعاصى اصلاً و الامام لايقول بذلك بل صرّح فى فقهه الا كبر تبرئة عن ذلك و قال "لانقول كذا و كذا كما يقول به المرجية و المراد من ذلك بعض اصحابه كقولهم بنو فلان قتلوا فان قيل الفرق تنسب الى من سيدهم و مقتدئ بهم فى مذهبهم قلت لا الاترى ان كل الفرق الضالّة ينسبون الى محمدﷺ و الروافض الى على كرم الله وجهه.

فان قلت الشائع فى الاستعمالات اطلاق صاحب على من حضر صاحبه و المنتسب يضل عن طريقة المنتسب اليه لعدم حضوره و اما الصاحب فبعيد ان يضل عن طريقته.

---

[1] غنية الطالبين، ص 230، نصه فى الغنية "فصل و اما المرجية ففرقها اثنى عشر فرقة، الجهمية و الصالحية الى ان قال و الحنفية" ثم قال بعد اسطر "اما الحنفية فهم بعض اصحاب ابى حنيفة النعمان بن ثابت زعموا ان الايمان هو المعرفة و الاقرار بالله و رسوله و بما جاء من عنده جملة على ما ذكره البرهوتى فى كتاب الشجرة" انتهى۔ قلت لما شرعت فى تحقيق هذا الكتاب و بلغت هذا المقام فتتبعت نص الغنية فلم اجد هذا النص فى "غنية الطالبين" الذى طبعت تحت اشراف "دار الكتب العلمية بيروت" فى مجلدين۔ و هذا الامر متعجب فيه جدا لان هذا النص مشهور بين المجادلين و الفضلاء، قاموا بالابحاث و الاسئلة و الاجوبة عليه قديما و حديثا فكيف يتصور خلو الغنية من هذا النص ؟ فى اثناء هذا التحير وجدت نسخة لها قد طبعت من "مكتبة امدادية لاہور" مع ترجمته بلغة فارسية للشيخ عبدالحق الدهلوى و هذا النص المذكور منها ولكن لا اشكال فيه، لانه قال "بعض اصحاب ابى حنيفة" و قول البعض ليس قول ابى حنيفة و جميع اتباعه، فكيف يتصور ابحاث و مناقشات للفضلاء و الاجوبة من الحنفية ؟ و الصحيح عندى الان ان هذه النص موجود فيه ثم تغير من بعض الناس، بعضهم حذفوا و بعضهم دخلوا "البعض" و اما جوابها فهو مذكور فى المتن و الله اعلم بالصواب۔

[2] الابانة الكبرى لابن بطة، الكتاب الاول الايمان، باب القول فى المرجئة الخ، جز 02، ص 905۔

[3] وفى الاصل "من ظل" و التصحيح منى۔

قلت اطلاق الصاحب علی المنتسب شائع و الابعاد المذکورۃ بعید من الصحبۃ الاتری کثیرا من اصحاب الانبیاء و هو مجالسهم ارتدوا عیاذاً باللہ۔

وفی قولہ "کیف الخ" نظر فانہ قدمرّ ان المرجیۃ لیس لھم اتفاق فی قول قط فلایستدل بمخالفۃ الامام المرجیۃ فی القول المذکور علی انہ لیس من المرجیۃ فأن کلام الغنیۃ ھذا "و انما سموا المرجیۃ لانھم زعموا ان واحدا من المکلفین اذا قال لااله الاالله محمدرسول الله لم یدخل النار اصلاً و ان الایمان قول مجردبلاعمل و الناس لایتفاضلون فی ایمان الملائکۃ و الانبیاء و عامۃ المومنین الایمان واحدلایزید و لاینقص و لایستثنی فیہ فمن اقرّبلسانہ و لم یعمل فھو مومن" انتھی و ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ یقول بعدم الاستثناء و مساواۃالایمان۔

الجواب انہ لایقول ان الایمان قول مجرد بل مع التصدیق کماذکرہ فی الفقہ الاکبر و مرادالمرجیۃ ان الایمان الکامل المنجی قول بلاعمل و الایمان الکامل لایزید و لاینقص و لایلزم من منعہ الاستثناء کونہ من المرجیۃ فأن البدعیین یوافقون اھل السنۃ کثیرا الاتری ان بعض المرجیۃ یستثنون فی الایمان فلوکانت الموافقۃ بالمرجیۃ فی بعض الاقوال ارجاء لم یتبع احدا الا کان من المرجیۃ۔

الثانی ان اباحنیفۃ لایقول بمانسبہ الی الحنفیۃ فان مراد المرجیۃ فی قولھم "جملۃً" انھم یقولون ان من قال اٰمنت بمحمدٍ صار مومنا کاملا سواء علم ان محمدا کان ھو فی العرب وخرج من مکۃ الی مدینۃ او محمدا آخر و کذا من قال اٰمنت بالقرآن و لم یعلم ان القرآن ھو الذی نزل علی نبینا محمدﷺ او قرآن آخر. و ابو حنیفۃ لایقول ذلک حاشاہ اللہ تعالیٰ. و ایضاً المعرفۃ و الاقرار کانا حاصلین لکافرین المنافقین فان المعرفۃ مجرد العلم لاالتصدیق لقولہ تعالی "یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَھُمۡ "(البقرۃ:146) و امامنا صرح بأن المومن ھو المصدّق المقرّ لا العارف المقرّ۔

الثالث ان ادراج الحنفیۃ من شیطنۃٍ للبعض و الاولی اثبات الغسانیۃ مکانہ و یؤیدہ مافی شرح المواقف "ان الغسانیۃ ھم اصحاب غسان الکوفی و غسان کان یحکی منھبہ من ابی حنیفۃ"[1] فھذا من تحریف الناس و التحریف قدوقع فی کتب اللہ تعالیٰ و فی کتب الاولیاء

[1] شرح مواقف،جز 08،ص 428۔

اهون.

الرابع ان الغنية ليست من تصانيفه بل كان رجل سميّته معاصره صنّفها و لايخفى انه خلاف المشهور.

الخامس ان السيد قدس سره اورد فيهما ماروا ه الرواة فلما سمع من بعض الناس ان اباحنيفة من بعض[1] المرجية اورده في كتابه و لاينافي ان من اولياء الله تعالىٰ و من اصحاب الكشف فكيف يخطي[2] لانه لايكشف على الولى كل الاشياء و الالهام ليس من اسباب العلم عند اهل الحق و بقية الكلام يأتيك ان شاء الله تعالىٰ ولايخفى ان الكف في مقالة الكشف احوط فانه سرّ غامض لانعلمه و لذا اجيب بأن السيد قدس سره صنّف الغنية و لم يبلغ مبلغ الكشف و ردّه بعض الفضلاء بأنه باطل.

بيان حكم المناظرة

الفصل في كيفية المناظرة مع اهل البدعة. اختلف العلماء في ذلك فقال بعضهم لايجوز و الاكثر على الجواز بل على الواجب ان كان احتمال الرجوع من البدعة وهو المختار.

استدلّ المانع بوجوه. الاول قوله تعالىٰ "مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا" (الزخرف:58) اى بينوا "وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا" (الكهف: 54) فلامهم الله تعالىٰ على المجادلة. الثانى قوله عليه السلام "ابغض الناس الى الله الدّ الخصام" روته عائشة الصديقة رضى الله عنها.[3] الثالث قوله عليه السلام "ماضلّ قوم بعد هدىً كانوا عليه الا كانوا يجادلون فلانهم قد ضلوا" رواه ابو امامة الباهلي رضى الله عنه.[4]

الرابع قوله عليه السلام "دع المرء ان كان محقا"[5] بس و بلفظ آخر "لايجد كم حقيقة الايمان حتى يدع المرء وهو محق".[6] الخامس انه يؤدى الى العداوة و العداوة بين

---

[1] هكذا في الاصل والاولى حذف "بعض".

[2] وفي الاصل "لايخطى" والاولى حذف "لا" ولذا حذفت في المتن.

[3] مختصر صحيح مسلم للمنذرى، كتاب القضاء و الشهادات، جز 02، ص 280

[4] سنن ابن ماجة، افتتاح الكتاب في الايمان الخ، باب اجتناب البدع والجدل، جز 01، ص 19، بلفظ: ما ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الجَدَلَ.

[5] بستان العارفين، باب المناظرة في العلم، ص 11.

[6] بستان العارفين، باب المناظرة في العلم، ص 11

المسلمین حرام۔

الجواب ان کل ذلک انماهو فی المناظرة التی لایکون لاظهار الحق بل یکون مکابرة وعنادا و لنافی اثبات مطلبنا وجوه. الاول مجادلة ابراهیم علی نبینا وعلیه السلام مع نمرود کما قال الله تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ (البقرة:257) تعجیب من مجادلة نمرود المردود المطرود فی اللهحاَجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ و قوله" اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ " "متعلق بحاجّ علی وجهین. احدهما حاجّ لان آتاه الله الملک علیٰ معنی ان ایتاء الملک له اورثه الکبر و العتوّ او من قبیل قولهم "عادانی فلان لانی احسنت الیه" یرید انه عکس ماکان یجب علیه۔

ثانیهما حاجّ وقت ان آتاه الله الملک کش.[1] اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ نمرود المطرود اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ای اعفو عن القتل و اقتل فان قلت ان جوابه هذا لغو محضا فان الله تعالیٰ یحیی الاشیاء بعد ماکانت معدومةً فلم قال ابراهیم علیه السلام "فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ "ولم یجادله فی الجواب؟ قلت لانه علی نبینا وعلیه السلام لما رای حماقته فی الجواب رای المناظرة معه فی ذلک ممالایفید فانتقل الی مایعجزه من الجواب کش.[2] "فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ" (البقرة:285). الثانی قوله تعالیٰ "وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ "(النحل:125) بطریقة الاسلام و اوعهم الیها۔ الثالث قوله تعالیٰ "فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا۪"(الکهف: 22) ای لاتجادل فی اصحاب الکهف الا بحجة ظاهرة کذانقل عن ابن عباس رضی الله عنهما. الرابع ان ابابکر الصدیق و عمر بن الخطاب رضی الله عنهما باحثافی مسئلة القدر و جاء عندرسول الله ﷺ فحکم بینهما و لم ینکر علیهما۔

فان قلت الیس قدروی ان رسول الله ﷺ سمع بعض اصحابه مباحثون فی مسئلة القدر فنهاهم عن ذلک؟

قلت لم ینهاهم عن الجدال مطلقاً بل عن جدال فی تلک المسئلة لغموضها کماسیجی ان شاء الله الاتری الی ماروای طلحة رضی الله عنه "ان الصحابة باحثوا فی لحم الصید فی حق المحرم فرفعت الاصوات فکان النبی ﷺ نائماً فاستیقظ و بین لهم الحکم "[3] فلو کان

[1] تفسیر کشاف سورۃ بقرہ آیت 258 جز ,01, ص 304۔

[2] المرجع السابق ص 306۔

[3] بستان العارفین، باب المناظرۃ فی العلم، ص 11

ممنوعا لنهاهم عن ذلك. بس

الخامس انه قال عمربن الخطاب رضی الله عنه "اذالقيتم اهل القدر فابدا وبالسوال".[1]

السادس ماقال عليه السلام لابن الزبعرى و قصة ذلك انه لما نزل "إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (الانبياء:98)قال ابن الزبعرى لرسول الله ﷺ قد عبدة الملائكة و المسيح افتراهما يعذبون ؟ فقال ما اجهلك بلسان قومك اماعلمت ان مايعبدمن غيرالله ((لايعقل)).[2] شمو

قال رجل لعلی كرم الله وجهه انی املك حركاتی و سكناتی و طلاق زوجتی فقال علی كرم الله وجهه مع الله او دون الله؛ فالاول (انت)مثبت شريك له تعالیٰ (فی)الملك و الثانی لايكون وراء له مالك.[3] شمو.

بيان فضائل الصحابة

الباب الثانی[4] من القسم الاول فيما ورد بفضلهم من الكتاب والسنة و فيه فصول.

بيان فضائل ابی بكر رضی الله عنه

الفصل ما ورد فی حق ابی بكر رضی الله عنه فقط من الآيات[5] قوله تعالیٰ "فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ" (٥) "وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ" (٦) "فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ" (٧) (اليل: 7.6.5)و روی عن ابن مسعود رضی الله عنه ان ابابكر رضی الله عنه لما اشتری بلالا رضی الله عنه من امية بن خلف واعتقه وكان يعذبه و يامره بالردة فنزل فی شانه ذلك الاية.[6] و منها قوله تعالیٰ "وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى" "الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ (١٨) وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ (١٩) إِلَّا ابْتِغَاءَ

---

[1] لم احد هذه الراوية بلفظها ولكن وجدت فی "الكامل فی ضعفاء الرجال" هاشم بن البريد الكوفی، جز 08، ص 420، بمعناها مرفوعا ونصها "لم تهلك الامة قط الا كان بدء هلاكها الكلام فی القدر فان لقيتم من اولائك احدا فلاتدعوهم يسئلونكم وكونوا انتم السائلين".

[2] لمعات التنقيح، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثانی، جز 01، ص 502۔

[3] روح البيان، سورة العنكبوت، جز 06، ص 478۔

[4] وفی الاصل "باب الثانی" بغير اللام والتصحيح منی۔

[5] وفی الاصل "من الآداب" والتصحيح منی۔

[6] تفسير ابن ابی حاتم، جز 10، ص 3440، تحت قوله "ان سعيكم"۔

وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ" (٢٠)(الیل:20،19،18،17)وسیاتی بیان الآیۃ ان شاء اللہ۔

ومنھا قولہ تعالیٰ "وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ" (سورۃ الرحمٰن:46)روی الحاکم ان الآیۃ فی شان ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

و منھا قولہ تعالیٰ " وَ الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ " (الزمر:33)روی ابن عساکر عن علی کرم اللہ وجھہ ان الآیۃ فی شان ابی بکر رضی اللہ عنہ[1]

و منھا قولہ تعالیٰ " وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا " (الاحقاف:15)ای بالمشقۃ "حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي "وفقنی و الھمنی "أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ "من الاسلام "وَ عَلَىٰ وَالِدَيَّ" من نعمۃ الحیوۃ و دین الاسلام فانہ لم یکن من المھاجرین احد اسلم ابوہ سوی ابوبکر رضی اللہ عنہ(ھکذا فی الاصل والقیاس ابی بکر)و ھذا دلیل مستقیم علی انھا فی شانہ و الھمنی "وَ أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَ أَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي "التی ثبت " إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ "و الحقنی من المسلمین" أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ "الاحقاف 15، 16روی ابن عساکر ان جمیع الآیۃ فی شان ابی بکر رضی اللہ عنہ و یؤید ما ذکرنا آنفا۔

منھا قولہ تعالیٰ" وَ لَا يَأْتَلِ " و شان نزولھا انہ لما رای مسطح رضی اللہ عنہ ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ عنھا بما وردالتنزیل بطھارتہ عنہ اقسم ابوبکر رضی اللہ عنہ علی ان لاینفق علی مسطح رضی اللہ عنہ تجاوز اللہ تعالیٰ عنہ وکان ینفق علیہ قبل ذلک لقرابتہ لہ ومسکنتہ فنزلت " وَلَا يَأْتَلِ "نھی ای لایقسم " أُولُو الْفَضْلِ " فی الدین " مِنْكُمْ " و اولو "وَ السَّعَةِ "فی المال" أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَ الْمَسَاكِينَ وَ الْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ لْيَعْفُوا وَ لْيَصْفَحُوا"-یتجاوزوا " أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ " الایۃ(النور:22) و استدل بعضھم علی فضلہ بھذہ الآیۃ۔

منھا قولہ تعالیٰ "إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ "الایۃ (التوبۃ:40) و روی ابن عساکر "ان اللہ عاتب بذلک جمیع المسلمین الا ابابکر رضی اللہ عنہ"۔[2]

---

[1] عمدۃ القاری،جز19،ص142۔

[2] تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف العین، ص 93، ج30۔

ومن الاحاديث فماروى الشيخان مماحاصله انه قيل له عليه السلام من هو احبّ اليك؛قال عائشة رضى الله عنها ـ قال فمن الرجال؛قال ابوها ـ[1]

و روى عبدالله بن حميد و ابو نعيم و غيرهما انه قال عليه السلام ماطلعت الشمس و لاغربت على احدافضل من ابى بكررضى الله عنه الاان يكون نبى و فى لفظ آخر ماطلعت الشمس على احدبعد النبى ﷺ او المرسلين افضل من ابى بكررضى الله عنه ـ[2]

منهاماروى الطبرانى رحمه الله من ان رسول الله ﷺ قال ان روح القدس جبرائيل اخبرنى خيرامتك بعدك ابوبكررضى الله عنه ـ[3]

منها روى الطبرانى انه قال عليه السلام ابوبكررضى الله عنه خيرالناس الاان يكون نبى ـ[4]

منهاماروى الديلمى انه قال عليه السلام ابوبكررضى الله عنه منى و انامنه و ابوبكر رضى الله عنه اخى فى الدنيا و الآخرة ـ[5]

منها ماروى ابوداؤدو الحاكم من حديث فيه انه قال عليه السلام له انك ياابابكررضى الله عنه اول من يدخل الجنة من امتى ـ[6]

منها ماروى الترمذى من انه قال عليه السلام مالاحدعندنايدا الاوقدكافيناه ماخلاابوبكر رضى الله عنه فان له عندنايد يكافئه الله بها يوم القيامة الحديث ـ[7]

و هذا الحديث مع قوله تعالىٰ "وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى و اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ" هو حجةظاهرة على افضليته من الصحابة كماسياتى ان شاء الله تعالىٰ.

منها ماروى الطبرانى من انه قال عليه السلام ان الله تعالىٰ اتخذنى خليلا و ان خليلى

ا؎ صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب فضائل اصحاب النبی، جز 5، ص 5

۲؎ حلیۃ الاولیا، فمن طبقۃ الاولی من التابعین، جز 03، ص 325

۳؎ للمعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، جز 06، ص 292

۴؎ للمعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، جز 06، ص 292

۵؎ الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، ج 01، ص 437

۶؎ سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب فی الخلفا، جز 04، ص 213

۷؎ سنن ترمذی شاکر، ابواب المناقب، جز 05، ص 609

ابوبکر رضی اللہ عنہ۔[1]

و لایعارض بقوله "لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر رضی الله عنه خلیلا"[2] فان المراد من ذلک الخلّة[3] الکاملة و من قوله "ان خلیلا ابوبکر رضی الله عنه" نوع الخلّة لا الخلّة الکاملة فانها مختصة بالله تعالیٰ۔

و منها ماروی المسلم و الترمذی و النسائی و ابن ماجة و الحاکم و البیهقی من انه قال علیه السلام ارحم امتی بامتی ابوبکر رضی الله عنه۔[4] منها ماروی ابن ابی حاتم من انه لما نزل قوله تعالیٰ "وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ" (النساء:66) فقال ابوبکر رضی الله عنه یارسول الله ﷺ "لو امرتنی لقتلت نفسه" فقال صدقت۔[5]

منها ماروی ابن عساکر من انه قال علیه السلام حبُّ ابی بکر رضی الله عنه و شکره واجب علی امتی۔[6] و روی هو انه قال علیه السلام کلهم المحاسبون الا ابابکر رضی الله عنه[7] و روی هو انه علیه السلام خصال الخیر ثلث مأة و ستون کلها فیک هیّناً لك یا ابابکر رضی الله عنه۔[8]

و روی هو انه علیه السلام "ما کلمت فی الاسلام من شیئ احدا الا ابی علیّ و راجعنی فی الکلام الا ابن ابی قحافة فانه لم اکلمه شیئا الا وقد قبله و استقام علیه"[9]

و روی الحافظ عن النبی ﷺ حبُّ ابی بکر رضی الله عنه واجب علی امتی۔[10]

---

[1] المعجم الکبیر، باب الصاد، جز 08، ص 201

[2] سنن ترمذی شاکر، ابواب المناقب، جز 05، ص 609

[3] وفی الاصل "الخلیة الکاملة" والتصحیح منی۔

[4] سنن ابن ماجه، افتتاح الکتاب فی الایمان و فضائل الصحابة والعلم، فضائل زیدی بن ثابت، جز 01، ص 55

[5] تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ نساء، جز 03، ص 995

[6] فضائل الخلفاء الراشدین، ذکر فضیلة اخری للصدیق، ص 89

[7] تاریخ دمشق، حرف العین، ج 30، ص 152

[8] تاریخ دمشق، حرف العین، جز 30، ص 104

[9] تاریخ دمشق، حرف العین، جز 30، ص 44

[10] فضائل الخلفاء الراشدین، ذکر فضیلة اخری للصدیق، ص 89

وجه التسمية بالصديق

و سمي صديقاً لما انه صدّق رسول الله ﷺ بلا تردد في دعوة الاسلام و في امر المعراج بلا انكار وقد سبق الحديث الدال على ذلك انفاً من قوله عليه السلام "ماكلمت الحديث". قيل ان ذلك لما كان يعلم قبل الدعوة دلائل نبوته عليه السلام.

و سئل عن بعضهم ان ابابكر رضي الله عنه سابق الاسلام او على كرم الله وجهه، فقال والله قد امن ابوبكر رضي الله عنه نبينا محمدا عليه السلام في بحيرا الراهب و كان قبل تولد على كرم الله وجهه[1] و روى الترمذي و ابن حبان ان ابابكر رضي الله عنه قال "الست احق الناس بها اى بالخلافة، الست اول من اسلم؟[2] الحديث"

و روى الطبراني انه سئل عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهما عمن سابق الاسلام فقال ابوبكر رضي الله عنه[3]

و قد ذهب اكثر من الصحابة و التابعين الى ذلك حتى ادعى بعضهم الاجماع و الجمع بين ذلك ماينافيه بان اول من دخل في الاسلام ابوبكر رضي الله عنه و اول من دخل من الصبيان على كرم الله وجهه و اول من دخل من النساء خديجة رضي الله عنه و اول من دخل من العبد بلال رضي الله عنه[4]

وجه التسمية بالعتيق

و سمي عتيقاً وقد كثر الاحاديث في ذلك منها حديث الترمذي انه قال عليه السلام "انت عتيق من النار"[5]

وحديث الحاكم و قد صحح انه قال عليه السلام "من سرّ ان ينظر الى عتيق من النار فلينظر

۱۔ الابانة الكبرى لابن بطة، الكتاب الرابع فضائل الصحابة، باب ذكر تصديق ابی بكر، جز 09، ص 481

۲۔ سنن الترمذی، باب مناقب ابی بكر الصديق، جز 05، ص 611، صحيح ابن حبان، باب ذكر البيان بان ابا بكر الصديق اول من اسلم۔۔۔ جز 15، ص 279

۳۔ لم اجد في الطبراني بهذا اللفظ ولكن وجدت بمعناه عن ابن عمروهو هذا "اول من اسلم ابو بكر" (للعجم الاوسط، باب فليم، جز 08، ص 190

۴۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، جز 06، ص 91

۵۔ سنن ترمذی، باب مناقب ابی بكر الصديق، جز 05، ص 616

الى ابى بكررضى الله عنه.[1] و ماروى انه لما اسلم هتف هاتف "يا ايها الصديق قداعتقناك من النار"[2] و قيل نزل جبريل عليه السلام ان الله تعالىٰ اعتق ابابكر عن النار.[3] و اسمه الاصلى عبدالله و لقبه عتيق الله تعالىٰ و كنيته ابوبكر رضى الله عنه.

بيان فضائل عمر رضى الله عنه

الفصل الثالث فيما ورد فى حق عمر رضى الله عنه من الكتاب والسنة. اما الكتاب فقد كثر نزول القرآن المجيد على وفق ما قال عمر رضى الله عنه. منها انه قال لحبيب الله و صفيّه محمد المصطفىٰ ان اتخذنا من مقام ابراهيم مصلىً لكان اولىٰ فنزل" وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى "(البقرة:125). منها حجاب النساء فى الاستار فنزل آية الحجاب. و((منها)) تجتمع امهات المومنين فى الغير فقال يارسول الله ﷺ ان طلّقهن بتلك الله تعالىٰ خيرا منهن فنزل "عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ" (التحريم: 05).[4] منها انه توفى عبدالله بن ابىّ فدعوه الى جنازته فقال عمر رضى الله عنه أتصلى يارسول الله ﷺ على عدوالله؟ فنزل وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ (التوبة: 84). منها ان لما كثر النبى ﷺ الاستغفار على المنافقين فقال عمر رضى الله عنه سواء عليهم الاستغفار و عدمه فنزل" سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ "(المنفقون:06).[5] منها انه لمّا اتهموا الصديقة رضى الله عنها فقال عمر رضى الله عنه لرسول الله ﷺ انها طاهرة فان الله تعالىٰ زوّجها بك فلو كانت موصوفة بذلك لما فعل الله تعالىٰ فنزل القرآن ببرأتها.[6] منها انه قال لعمر رضى الله عنه يهودى ان جبرئيل عدوّنا فقال من كان عدوالله و ملائكته و رسله و جبريل و ميكال فان الله عدو للكافرين فنزل القرآن كذلك.[7] منها انه التمس استيذان

---

1. مستدرک للحاکم، باب من فضائل خليفة الرسول ابى بكر بن ابى قحافه، جز 03 ص 64
2. لم اجد
3. لم اجد ايضا
4. صحيح بخارى، باب ماجاء فى القبلة و من لم ير الاعادة، جز 1، ص 89، مسند احمد، باب مسند عمر بن الخطاب، جز 1، ص 317
5. سنن الترمذى، باب من سورة التوبة، جز 05، ص 130
6. عمدة القارى، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى القبلة، جز 4، ص 144
7. فتح البارى، قوله باب من كان عدوا لجبريل، جز 08، ص 166

الدخول لماکان نائما فدخل علیه غلام بلاإذنه فنزل آیةالاستیذان.[1] و کذلك آیة تحریم الخمر نزلت بالتماسه[2] وسیأتیك الاحادیث الدالّة علی ماذکرنا والله سبحانه اعلم.

اما الاحادیث فمنها ماروی ابن عساکرمن انه قال علیه السلام "عمرسراج اهل الجنة"[3] قیل قدروی ذلك الحدیث عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه. منها ماروی هو انه قال ﷺ "ان الشیطان یفرق من عمر رضی الله عنه"[4] ای یخاف.

منها ماروی الطبرانی من انه قال ﷺ "ان الله باهی بالناس عشیة عرفة عامة وباهی بعمر خاصة[5]".[6]

منهاماروی هو من انه قال علیه السلام "الحق بعدی عمر رضی الله عنه حیث کان".[7]

وهذا دلیل علی حقیّة خلافة الصدیق فان عمر رضی الله عنه اطال فی انتصاره یوم بیعةابی بکر رضی الله عنه و بأحجهم علی انه خلیفة حق.

منها ماروی هو من انه قال علیه السلام "قال لی جبریل علیه السلام یبکی الاسلام علی موت عمر رضی الله عنه"[8].[9] و روی هو حدیثاً فیه انه قال علیه السلام "من ابغض عمر رضی الله عنه فقدابغضنی فانه لم یبعث الله نبیاً الاکان فی امته محدث و ان یکن من امتی منهم احد فهو عمر رضی الله عنه قالوایارسول الله ﷺ کیف محدث؛قال نتکلم الملائکة علی لسانه".[10]

---

[1] ارشادالساری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ الاحزاب، جز 07، ص 301

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الاشربه، باب فی تحریم الخمر، جز 03، ص 325

[3] سنن الترمذی، باب من سورۃ التوبة، جز 05، ص 130، تاریخ دمشق، حرف العین، جز 44، ص 166

[4] مصنف ابن ابی شیبه، کتاب الفضائل ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب، جز 06، ص 356

[5] العبارۃ فی الاصل هکذا "افتخر الملائکة باهل العرفان وبعمر خاصة" لکن لم نعثر علیه والتصحیح منی بعد مراجعة الطبرانی۔]

[6] معجم الاوسط، باب المیم من اسمه محمد، جز 07، ص 18

[7] معجم الاوسط، باب الالف من اسمه ابراهیم، جز 03، ص 104

[8] وفی الطبرانی لفظ الحدیث هکذا "لیبک الاسلام علی موت عمر"

[9] معجم کبیر، العشرۃ، نسبة عمر بن الخطاب، سن عمره و وفاته، جز 01، ص 67

[10] معجم الاوسط، باب المیم من اسمه محمد، جز 07، ص 18

منہا ماروی ہو انہ قال علیہ السلام "عمر معی وانا مع عمر حیث کان عمر رضی اللہ عنہ".[1]

منہا انہ روی ابن سعد من ایوب بن موسیٰ مرسلاً من ان النبی ﷺ قال "ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر رضی اللہ عنہ و قلبہ و ہو الفاروق فرق اللہ بہ بین الحق و الباطل".[2]

منہا ما روی البخاری من انہ قال علیہ السلام " الصدق[3] بعدی مع عمر رضی اللہ عنہ حیث کان".[4]

منہا ماروی ابن عدی من انہ قال علیہ السلام "رأیت شیاطین الجن و الانس فرّوا من عمر رضی اللہ عنہ".[5]

منہا ماروی ابن ماجۃ من انہ قال علیہ السلام "عمر اول من یصافح الحق و اول من یسلم علیہ (کنایۃ عن مزید الانعام و الالطاف علیہ) وَ اول من یاخذہ بیدہ فیدخل الجنۃ".[6]

ای من امۃ محمد ﷺ بعد ابی بکر رضی اللہ عنہ فالاولویۃ اضافیۃ فلاینافی ماذ کرنافی فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ من انہ اول من یدخلہا من امتہ۔

منہا ماروی الشیخان من انہ قال علیہ السلام "بینا انا نائم رایت الناس یعرضون علیّ و علیہم قمیص منہا مایبلغ الثدی و منہا مایبلغ دون ذلک فعرض علیّ عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرّہ قالوا فما اوّلت یارسول اللہ ﷺ؟ قال الدین".[7]

وجہ التسمیۃ بالفاروق

وسمی بالفاروق لانہ کان الاسلام قبل اسلامہ ضعیفاً فلما اراد الاسلام سمع ان رسول اللہ ﷺ مختفٍ فی بیت ارقم بن ابی ارقم فذہب الی بیتہ و اسلم فقال یارسول اللہ ﷺ الَسْنا علی الحق

۱۔ معجم الاوسط، باب الالف من اسمہ ابراہیم، جز 03، ص 104

۲۔ تاریخ المدینۃ لابن شبۃ، تسمیتہ بالفاروق، جز 02، ص 662

۳۔ وفی الاصل "الصدیق" والتصحیح منی

۴۔ التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الصاد، جز 02، ص 104]

۵۔ سنن الترمذی (شاکر)، ابواب المناقب، جز 05، ص 621

۶۔ سنن ابن ماجہ، باب فضائل اصحاب رسول اللہ، فضل عمر، جز 01، ص 77

۷۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال، جز 01، ص 13، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عمر، جز 04، ص 1859

فلم تختفی دینا فقسم اھل الاسلام بصنفین و فی احدہ ھو و فی الآخر حمزۃ رضی اللہ عنہ فدخلوا المسجدالحرام فرأواھم القریش فغلبھم علیھم[۱] حزن فسماہ رسول اللہ ﷺ فاروقاً فظھر الاسلام قوۃً و نزل فی ذلک الیوم " یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ "(الانفال: 4 6)ولم یمکن لھم قبل ذلک استطاعتہ ان یقیموا الصلوۃ فی مسجدالحرام فلما اسلم ظھرت الدعوۃ علانیۃً و قیل انہ مادام حیاً کان الاسلام مقبلاعلی القوۃ فاذامات اقبل علی الضعف وکان ذاشوکۃٍعظیمۃٍفانہ ماھاجر الی المدینۃ علانیۃً الاعمربن الخطاب رضی اللہ عنہ.جاء فی المسجدالحرام مع قوس وعدۃسھام فطاف حولہ سبعاوصلّی رکعتین خلف المقام فقال اشراف القریش من اراد ان یصیراولادہ ایتاماواھلہ بلاولدوزوجتہ بلافحل فلیأتینی فھاجرفلم یعقبہ احد.[۲]

بیان فضائل الشیخین

الفصل التاسع فی فضائل الشیخین علی سبیل الاشتراک .من الاحادیث روی الحاکم انہ قال علیہ السلام "ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھماخیرالاولین والآخرین و خیر السموات و خیر اھل الارض الاالنبیین والمرسلین".[۳]

روی البخاری انہ قال علیہ السلام "نعم الرجل ابوبکر و نعم الرجل عمر رضی اللہ عنھما"[۴].

وروی الترمذی انہ قال علیہ السلام "مامن نبی الاولہ وزیران من اھل السماء ووزیران من اھل الارض فاماوزیران فی اھل السماء فجبریل و میکائیل و اماوزیران من اھل الارض فابوبکروعمر رضی اللہ عنھما"[۵]

و روی ابو نعیم و الخطیب انہ قال علیہ السلام "ابوبکروعمر منی بمنزلۃالسمع والبصر من الراس".[۶]

---

[۱] ہکذافی الاصل والاولی حذف "علیھم او ضمیر منصوب ای ھم"

[۲] اسد الغابۃ (الفکر) باب العین والمیم، عمر بن الخطاب، جز 03، ص 650

[۳] تاریخ دمشق، حرف العین، عمر بن خطاب بن نفیل، جز 44، ص 195

[۴] سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب معاذبن جبل الخ، جز 06، ص 139

[۵] سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب صدیق اکبر، جز 06، ص 57

[۶] حلیۃ الاولیاء، باب الطبقۃ الاولی من التابعین، جزء 4، ص 93

وروی ابن عساکرانه قال علیه السلام "ان لکل نبی وزیران ووزیرای و صاحبای ابوبکروعمر رضی الله عنه". [1]

وروی ابن عساکر "خیر امتی بعدی ابوبکروعمر رضی الله عنهما". [2]

وروی الخطیب انه قال علیه السلام "ماقدمت ابابکروعمر رضی الله عنهماولکن الله قدمهما" [3]

وروی ابن نافع انه قال علیه السلام "من رأیتموه یذکر ابابکروعمر رضی الله عنهمابسوء فانمایریدهدم الاسلام" [4]

وروی الترمذی و الحاکم "انا اول من تنشق عنه الارض ثم ابوبکر و عمر رضی الله عنهما". [5]

وروی ابن عساکرعن انس مرفوعا "حبُّ ابی بکر وعمر رضی الله عنهماایمان[6] و بغضهما کفر". [7]

بیان فضائل الشیخین بلسان اهل البیت

الفصل العاشر فی فضائلهما[8] الواردة من اکابر اهل البیت . ولابدّمن ابطال التقیةوسیأتی فی فصل ردالاباطیل الشیعة. روی الدارقطنی انه قال زیدبن علی فی الرجل کان تبرءمن الشیخین "اعلم والله ان البرأةمن الشیخین البرأةمن علیّ رضی الله عنهم فیقدم او تأخر". [9] روی هوانه قال جعفربن محمدفی مرضه فقال "اللهم انی احبّ ابابکر و

---

[1] تاریخ دمشق، حرف العین عمر بن خطاب، جز 44، ص 64

[2] تاریخ دمشق: حرف الواؤ، جز 62، ص 427

[3] الجامع الصغیر وزیادته: 11905

[4] معجم الصحابة لابن قانع، ص 195، جزء1، ولکن لفظه "من رایتموه یذکر ابابکر وعمر بسوء فانمایرید الاسلام".

[5] سنن ترمذی (شاکر) باب مناقب ابی حفص عمر بن خطاب، جز 05، ص 622

[6] فی الاصل "واجب علی امتی" والتصحیح منی بعد مراجعة "تاریخ دمشق لابن عساکر"

[7] تاریخ دمشق، حرف العین عمر بن خطاب، جز 30، ص 144

[8] وفی الاصل "فی فضائلهم" والاولی بالضمیر المثنی ولذااثبته

[9] فضائل صحابه للدارقطنی، ص 75

عمر رضی الله عنهما واتولاهما. اللهم ان كان فی نفسی غير هذا فلا تنالنی شفاعة محمد ﷺ"[1] روی هو من جعفر الصادق "أيسبّ الرجل جده؛ ابوبكر جدی، لانالتنی شفاعة محمد ﷺ ان لم اكن اتولاهما و ابرأ من عدوهما"[2]

روی هو من ابراهيم بن الحسن رضی الله عنهما "انه قال والله لقد مرقت(خرجت) علينا الروافض كما خرجت الحرورية[3] على علی كرم الله وجهه".[4] روی هو عن حسن بن محمد بن الحنفية انه قال" ياأهل الكوفة! اتقوا الله تعالىٰ و لاتقولوا لابی بكر و عمر رضی الله عنهما ماليسا له بأهل، ان ابابكر الصديق كان مع رسول الله ﷺ فی الغار ثانی اثنين وان عمر اعزّ الله به الدين"[5]. و عن علی رضی الله عنه "لايقبل الله توبة عبد تبرأ من ابی بكر و عمر رضی الله عنهما".[6] و روی الدارقطنی عن جعفر الصادق رضی الله عنه انه قال "ان اكثر اهل العراق يزعمون انا نقع فی ابی بكر و عمر رضی الله عنهما و هما والدی".[7] روی هو عنه "من لم يعرف فضل ابی بكر رضی الله عنه فقد جهل السنة".[8]

وروی بعضهم انه قيل لعلی كرم الله وجهه انك تقول فی الخطبة "اللهم اصلح لنا بما اصلحت به الخلفاء الراشدين المهديين" فمن هم؟ فتقاطر عينا علی كرم الله وجهه وقال "حبيبای ابوبكر و عمر رضی الله عنهما اماما الهدیٰ و شيخا الاسلام ورجلا قريش المقتدیٰ بهما بعد رسول الله ﷺ من اقتدیٰ بهما عصم و من تبع آثارهما هدیٰ الصراط المستقيم و من تمسك بهما فهو من حزب الله تعالىٰ"[9] وذلك الحديث فی الصواعق نقله

۱۔ فضائل صحابة ص56

۲۔ المرجع السابق ص56

۳۔ طائفة من الخوارج

۴۔ المرجع السابق ص58

۵۔ المرجع السابق ص77]

۶۔ المرجع السابق، ص82

۷۔ المرجع السابق ص95

۸۔ المرجع السابق، ص 59

۹۔ الصواعق المحرقة جزء 1 ص 165

من الطیوریات و رواہ بعض اھل البیت. فأنظر الی عنادالروافض ینسبون العنادالی اصحاب صحیح القلب خذلھم اللہ تعالیٰ.

بیان فضائل عثمان رضی اللہ عنہ

الفصل الحادی عشر فی فضائل عثمان رضی اللہ عنہ. منھا ماروی الترمذی و ابن ماجۃ من انہ قال علیہ السلام "لکل نبی رفیق فی الجنۃ ورفیقی عثمان رضی اللہ عنہ".[1]

منھاماروی ابن عساکر من انہ قال رضی اللہ عنہ "لتدخلن بشفاعۃ عثمان رضی اللہ عنہ اثنان و سبعون الفا فنزل کلھم قداستوجب النار الجنۃ بغیر حساب"

منھاماروی الترمذی من انہ قال رسول اللہ ﷺ حین تجھیزہ جیش العسرۃ "ماعلی عثمان رضی اللہ عنہ مافعل بعدھذا"[2]

و روی ھو ماضرّ عثمان ماعمل بعدھذا الیوم"[3] وصححہ الحاکم.

منھاماروی ابن عساکر من انہ قال علیہ السلام "من اشبہ اصحابی بی خلقاً عثمان".[4]

منھاماروی الترمذی و صححہ الحاکم ماحاصلہ "انہ ذکر رسول اللہ ﷺ فتنۃً وقال انھاستقع فاشار الی عثمان رضی اللہ عنہ وقال ھذا یومئذٍ علی الھدیٰ".[5]

منھاماروی ابو نعیم من انہ قال النبی ﷺ احیا امتی و اکرمھاعثمان رضی اللہ عنہ"[6]

منھاماروی ھو من انہ قال علیہ السلام "مجمع ثیابہ و قال الااستحی من رجل یستحی منہ الملائکۃ".[7]

منھاماروی ابن عساکر من انہ قال علیہ السلام "مرّبی عثمان وعندی ملک من الملائکۃ فقال شھید یقتلہ قومہ انانستحی منہ".[8]

---

1. سنن ترمذی، باب مناقب عثمان، جز 06، ص 65، سنن ابن ماجہ، فضل عثمان، جز 01، ص 40
2. سنن ترمذی، جز 06، ص 66
3. سنن ترمذی، جز 06، ص 67
4. تاریخ دمشق، حرف العین، عثمان بن عفان الخ، جز 39، ص 97
5. سنن ترمذی (بشار)، باب مناقب عثمان، جز 06، ص 69، مستدرک للحاکم، ذکر مقتل امیر المؤمنین عثمان بن عفان، جز 03، ص 109
6. حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، عثمان بن عفان و ثالث القوم القانت الخ، جز 01، ص 56
7. فضائل الخلفاء الراشدین لابی نعیم، فضیلۃ اخری لامیر المؤمنین عثمان، ص 43
8. تاریخ دمشق، حرف العین، عثمان بن عفان الخ، جز 39، ص 94

وجه التسمية بذي النورين

و سمي بذي النورين لما زوّجه عليه السلام ببنتيه رقية و ام كلثوم رضي الله عنهما. ((قال العلماء لايعرف احد تزوج بنتي نبي غيره.))[1] قيل انما سمي بذي النورين لانه يصوم النهار ويقوم الليل رضي الله عنه.

وروى الطبراني انه قال عليه السلام "ما زوّجت عثمان رضي الله عنه ام كلثوم رضي الله عنها الا بوحي من السماء".[2] روى الخطيب و ابن عساكر هكذا "ان الله تعالىٰ اوحى اليّ ان ازوّج كريمتي من عثمان".[3] روى ابن عساكر عن عليّ كرم الله وجهه انه قال عليه الصلوٰة و السلام لعثمان رضي الله عنه "لو انّ لي اربعين بنتاً زوّجتك واحدةً بعد واحدةٍ حتى لا يبقى واحدة"[4] والله اعلم.

بيان فضائل عليّ كرم الله وجهه

الفصل الثالث عشر في فضائل علي كرم الله وجهه. ما روى الترمذي من انه قال عليه السلام له حين عقد المواخاة "انت اخي في الدنيا و الآخرة".[5]

منها ما روى الطبراني من انه قال عليه السلام "من احبّ علياً فقد احبني و من احبّني فقد احبّ الله تعالىٰ و من ابغض علياً فقد ابغضني و من ابغضني فقد ابغض الله".[6]

منها ما روي هو من انه قال عليه الصلوٰة والسلام "النظر الى وجه عليّ رضي الله عنه عبادة"[7]-[8]

---

[1] وفي الاصل هكذا "قيل لا اعرف واحدا زوّج بنتي نبي غير عثمان رضي الله عنه" وعبارة المتن يوخذ من "بحر للذاهب، ص 67" لان بحر للذاهب مصدر من مصادر هذا الكتاب۔

[2] معجم كبير، بنات رسول الله ام كلثوم بنت رسول، جز 22، ص 436

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر، حرف العين، عثمان بن عفان الخ، جز 39، ص 41

[4] تاريخ دمشق لابن عساكر، حرف العين، عثمان بن عفان الخ، جز 39، ص 42

[5] سنن ترمذی (بشار) مناقب علی بن ابی طالب، جز 06، ص 80

[6] معجم كبير، ابو طفيل عن ام سلمة، جز 23، ص 380

[7] وفی "للمستدرک علی الصحیحین: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «النظر إلى علي عبادة» هذا حديث صحيح الإسناد" و شواهده عن عبد الله بن مسعود"۔ وفی الصواعق المحرقه: "أخرج الطبراني والحاكم عن ابن مسعود رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال (النظر إلى علي عبادة) إسناده حسن"

[8] معجم كبير، باب العين، باب من روى عن ابن مسعود، جز 10، ص 76

قیل ان علیا رضی اللہ عنہ کان یظھر علی الناس و کانوا ینظرون فیہ و یتعجبون من شرفہ و علمہ وحسنہ و زھدہ و تقواہ و شجاعتہ ویھللون و یذکرون اللہ تعالیٰ فصار علی رضی اللہ عنہ باعث الذکر اللہ تعالیٰ فالحدیث لحق من نظر الیہ ذکر اللہ تعالیٰ۔

منھا ماروی الحاکم من انہ قال علیہ السلام "من سبّ علیا رضی اللہ عنہ فقد سبّنی"۔[1]

منھا ماروی الطبرانی من انہ قال علیہ السلام "علیّ مع القرآن والقرآن معہ لا یفترقان حتی یردا علی الحوض"۔[2] [3] وھذا معنی الحدیث او لفظہ۔

منھا ماروی الدارقطنی من حدیث فیہ انہ قال علیہ السلام لہ "انت قسیم النار یوم القیامۃ"۔[4]

منھا ماروی الترمذی من انہ قال علیہ السلام "ان الجنۃ تشتاق الی ثلثۃ علی و عمار وسلمان رضی اللہ عنھم"۔[5]

منھا ماروی الطبرانی من انہ قال علیہ السلام "ان اللہ امرنی ان ازوّج فاطمۃ من علی رضی اللہ عنھما"۔[6]

منھا ماوقع فی "فصل الخطاب" انہ لقی ابوبکر علیّا رضی اللہ عنھما فتبسم ابوبکر رضی اللہ عنہ فسألہ علی رضی اللہ عنہ عن ذلک فقال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یجوز ان یمرّ احد الصراط الا من کتب لہ علی رضی اللہ عنہ الجواز فقال علی رضی اللہ عنہ لا اکتب الجواز الا لمن احب ابابکر رضی اللہ عنہ۔[7]

و قیل انہ رجلان یختصمان عند رسول اللہ ﷺ فقال احدھما قتل بقرۃ ذلک الرجل حماری

---

[1] مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، اما قصۃ اعتزال محمد بن مسلمۃ، جز 03، ص 130

[2] للمعجم الصغیر، جز 2، ص 28۔

[3] وفی الاصل ھکذا "حتی یردان علیا علی الحوض" والتصحیح منی بعد مراجعۃ للمعجم الصغیر۔

[4] لم اجد فی الدار قطنی ولکن وجدت فی البدایۃ والنھایۃ (الفکر) قول علی رضی اللہ عنہ ولفظہ ھذا "انا قسیم النار اذا کان یوم القیمۃ" البدایۃ والنھایۃ سنۃ اربعین من الھجرۃ النبویۃ، باب ذکر شیئ من فضائل علی، جز 07، ص 355

[5] سنن ترمذی (بشار) ابواب للمناقب، باب مناقب سلمان فارسی، جز 06، ص 141

[6] معجم کبیر، باب العین، جز 10، ص 156

[7] الریاض النضرۃ، الفصل الثانی فی ذکر نبذ من فضائلہ، جز 01، ص 207

فأشار الی علیؓ رسولُ اللہ ﷺ بالقضاء بینهما فسأل علیؓ کیفیة القصّة فقال کان الحمار مشدودا و البقرة مطلقة فقال علیؓ رضی اللہ عنہ لصاحب البقر قضامن فقال رسول اللہ ﷺ "اقضاکم علیؓ".[1]

قدثبت احادیث فی فضله کثیرة جدّاً یطول ذکرها .قیل لم یرد الاحادیث فی فضل احدمثل ماوردفی فضل علیؓ رضی اللہ عنه و وجه ذلك علی مابیّن ان رسول اللہ ﷺ علم بالتعلیم الالهیٰ مایعقل امته به و مایفعل الخوارج من سبّه و اللعن علیه و غیرذلك من الخروج علیه فاقضی ذلك ذکرفضائله و نصیحة الامة. کرّم اللہ وجهه الکریم.

بیان فضائل خلفاء الاربعة

الفصل الرابع فی فضائل هؤلاء الاربعة مشترکا .روی الترمذی عن علی رضی اللہ عنه انه قال علیه السلام "رحم اللہ ابابکررضی اللہ عنه زوّجنی ابنته وحملنی الی دار الهجرةواعتق بلالاً من ماله.مانفعنی مال فی الاسلام الاما ل ابی بکررضی اللہ عنه و رحم اللہ عمررضی اللہ عنه یقول الحق و ان کان مرا.ترکه الحق و ماله من صدیق.رحم اللہ عثمان رضی اللہ عنه یستحی منه الملائکة و جهزة العسرة و زاد فی المسجدحتی وسعنا و رحم اللہ علیاً رضی اللہ عنه ادر الحق معه حیث دار".[2]

قوله ﷺ "لقدترکه الحق" یعنی لم یبق صدیق من کثرة قوله الحق لمرارة.

روی ابویعلیٰ هکذا "ارحم امتی ابوبکررضی اللہ عنه و اصلهافی الدین عمر رضی اللہ عنه واصدقهاحیاء عثمان رضی اللہ عنه واقضاها علی رضی اللہ عنه"[3] وهذا لفظ الحدیث او معناه[4] و روی انه قال علیه السلام "ان اللہ افترض علیکم حب ابی بکر وعمروعثمان و علی رضی اللہ عنهم کماافترض علیکم الصلوة و الزکوة والحج فمن انکرفضلهم فلاتقبل منه الصلوةوالزکوةولاالصوم ولاالحج".[5]

---

[1] الصواعق المحرقة،الفصل الثانی فی فضائله،جز 02،ص 358

[2] سنن ترمذی بشار ، ابواب المناقب ، باب مناقب علی بن ابی طالب ، ج 06 ، ص 75، لم اجد فی الترمذی هذا " جهزه العسرة و زاد فی المسجد حتی وسعنا"

[3] سنن ابن ماجه،فضائل زید بن ثابت، جز 01،ص 55

[4] ولفظ الحدیث "ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدهم فی دین اللہ عمر واصدقهم حیاء عثمان واقضاهم علی"

[5] الصواعق المحرقة،الفصل الثالث فی ذکر فضائل ابی بکر، جز 01،ص 233

و روی الطبرانی بکذا "ارحم امتی او بامتی ابوبکر وارفعها عمر و اصدقها حیاء عثمان و اعلمهم بعلم القضاء علی رضی الله عنهم ".[1] وهذا لفظ الحدیث او معناه.[2]

روی ابن عساکر انه قال علیه السلام "اربع لایجتمع حبّهم فی قلب منافق و لایحبهم الامومن ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی الله عنهم ".[3]

روی الطبرانی حدیثا فیه انه قال علیه السلام فی خطبةٍ حین رجع عن حجة الوداع "یا ایها الناس انی راضٍ عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی و طلحة و زبیر و سعد و عبدالرحمن بن عوف رضی الله عنهم ".[4]

فی البخاری الصحیح[5] عن ابی هریرة رضی الله عنه انه قال کنا جلوساً عند النبی ﷺ فجاء ابوبکر رضی الله عنه فقال النبی ﷺ مرحباً بمواسی ماله. مرحبا بموثری نفسه ثم دخل عمر رضی الله عنه فقال علیه السلام مرحبا لوزیری مرحبا بالمفرق بین الحق و الباطل و سماکم به المومنین مرحبا بمن اکمل الله تعالیٰ به الدین ثم جاء عثمان رضی الله عنه فقال النبی ﷺ بختنی و زوج ابنتی و الذی جمع النورین السعید الشهید ویل تقاتله بالنار ثم دخل علی رضی الله عنه فقال رسول الله ﷺ مرحبا باخی و ابن عمی واب ولدی والذی خلقت انا و هو من نور واحد معاشر الناس هؤلاء الاربعة لایتفق حبهم الافی قلب مومن و لایفرق فی قلب احد الامن کان منافقا فمن احبهم فبحبی احبهم و من ابغضهم فببغضی ابغضهم هؤلاء سادات المومنین فی الدنیا و الآخرة لایبغضهم الا شقی و لایحبهم الامومن تقی اللهم انی قد بلّغت فقالت جوانب الحیطان و عتبة باب المسجد اللهم العن من یبغضهم و قالت الجدران آمین فأمن فی ذلك الیوم ثلثون یهودی و خمسون منافقاً.[6]

---

[1] معجم صغیر، باب العین من اسمه علی، جز 01، ص 335

[2] ولفظ الحدیث "ارحم امتی بامتی ابو بکر وارفق امتی لامتی عمر بن الخطاب واصدق امتی حیاء عثمان واقضی امتی علی بن ابی طالب".

[3] تاریخ دمشق، حرف العین، جز 39، ص 128

[4] للمعجم الکبیر، باب السین، جز 06، ص 104

[5] هکذا فی الاصل لعل الصحیح "روی البخاری فی الصحیح"

[6] عجائب القصص، ص 16

بیان فضائل حسنین رضی اللہ عنہما

الفصل الخامس عشر فی ذکر فضائل حسن و حسین ابنی علی رضی اللہ عنہم .روی الشیخان انہ قال علیہ السلام للحسن "اللھم انی احبہ فاحبہ".[1] روی الترمذی انہ قال علیہ السلام "الحسن و الحسین سید شباب اھل الجنۃ".[2] روی البخاری انہ قال علیہ السلام "ھما ریحانتای من الدنیا یعنی حسنا و حسینا".[3] روی الترمذی انہ سئل علیہ السلام من احب اھل بیتہ الیہ فقال "حسن و حسین رضی اللہ عنہما".[4] روی ابن سعد ان رسول اللہ ﷺ کان یری حسنا رضی اللہ عنہ و ھو صبی لسانہ و کان الحسن رضی اللہ عنہ یری حمرۃ لسانہ و یفرح[5]. روی الشیخان انہ قال للحسن "اللھم احبہ و احب من یحبہ".[1] روی الامام محمد انہ قال علیہ السلام "من احبنی و احب ابنین رضی اللہ عنہما[7] معی حسنا و حسینا رضی اللہ عنہما و ابوھما و امھما کان معی فی درجتی یوم القیامۃ".[8] روی الحاکم ان الحسن حج خمس و اربعین حجاً و ھو راجل.[9]

روی ابونعیم ان الحسن رضی اللہ عنہ "قال انی لاستحی من القی اللہ تعالیٰ و لم یحج بیتہ راجلاً".[10]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب مناقب الحسن و الحسین، جز 05، ص 26

۲۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب حسن بن علی، جز 06، ص 117

۳۔ صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب مناقب الحسن و الحسین، جز 05، ص 27

۴۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب حسن بن علی، جز 06، ص 121

۵۔ لم اجد ھذہ الروایۃ بعینہ ولکن احد روایۃ بالمعنی فی شرح السنۃ للبغوی و نصہ "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، کان النبی ﷺ لیدلع لسانہ للحسن بن علی فیری الصبی حمرۃ لسانہ فیھش الیہ" (شرح السنۃ للبغوی، ح 3603، ص 180، ج 13)

۶۔ الادب المفرد، باب الاحتباء، ص 404

۷۔ فی ھذا المقام لم یتضح لنا کلمتان من المخطوط

۸۔ لم اجد ھذہ الروایۃ بعینہ ولکن اجد فی سنن ترمذی (بشار) بمعناہ و ھو ھذا "ان رسول اللہ ﷺ اخذ بید الحسن و الحسین فقال من احبنی و احب ھذین و اباھما و امھما کان معی فی درجتی یوم القیمۃ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، مناقب علی، جز 06، ص 90

۹۔ لم اجد

۱۰۔ معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، باب الحاء، من اسمہ الحسن، جز 02، ص 659

بیان مدۃ حیاتہم

الفصل السادس فی مدۃ حیاتہم ۔ عاش ابوبکر رضی اللہ عنہ ثلث و ستین سنۃً و مات شہیدا و سیاتی ان شاء اللہ تعالیٰ و عاش عمر رضی اللہ عنہ علی الاصح مثلہ و عاش عثمان رضی اللہ عنہ ثمانین سنۃً و زید اثنان و عاش علی رضی اللہ عنہ مثل الشیخین و قیل اربعاو ستین و قیل خمساو ستین و قیل سبعا و ستین و قیل ثمانیۃو ستین و عاش حسن بن علی رضی اللہ عنہ سبعاو اربعین سنۃً رضوان اللہ علیہم اجمعین۔وغفرنابرکتہم و حفظنا بحرمتہم فی جمیع الآفات و البلیات۔

بیان ذکر انسابہم

الفصل السابع عشر فی ذکر انسابہم ۔ابوبکر رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لؤی القرشی التیمی و عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب بن نفیل عبدالعزیٰ بن الرباح بن عبداللہ بن فہر بن کعب بن لوی و عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان بن العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدالمناف وعلی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔

بیان حلیتہم

الفصل الثامن عشر فی حلیتہم ۔ کان ابوبکر رضی اللہ عنہ رجلاً ابیض نحیف الاعضاء خفیف المعارضین و عمر رضی اللہ عنہ رجلاًضخماً و کان راسہ اصلع و کان عثمان رضی اللہ عنہ رجلا ضعیف اللحم طویل المحاسن صاحب الجمال و کان علی رضی اللہ عنہ رجلاسمینا ضخم البطن غلیظ العین و کان راسہ اصلع و کان حسن رضی اللہ عنہ اشبہ الناس برسول اللہ ﷺ حتی انہ لورای احد رسول اللہ ﷺ فی[1]—قالت الصحابۃ لہ رؤیتہ علی صورۃ حسن رضی اللہ عنہ رؤیۃً حقاً۔

بیان شہادتہم

الفصل التاسع عشر فی بیان شہادھم۔

شہادۃ ابوبکر

مات ابوبکر رضی اللہ عنہ بسم کان فی طعام اھدیٰ الیہ و کان ھو و حارث بن کلدۃ رضی اللہ

[1] لم یتضح لنا نص المخطوط

عنهما ياكلان منه فقال حارث رضي الله عنه لا تاكل منه فانه مسموم و موتك و موتي يقعان في يوم واحد فوقع كذلك و قد قيل ان هذا الحديث صحيح.[1] صو. فان قيل كيف شهيداً؛ وقد قال النبي ﷺ أثبت احد الحديث. فان ذلك في وقت صعد عليه هو و ابوبكر و عثمان و على رضوان الله عليهم فتزلزل فقال اثبت احد فان عليك نبي ﷺ و يريد نفسه و صديق يعني ابابكر رضي الله عنه و شهيدان يعني عثمان و عليا رضي الله عنهما[2] فان ابابكر لومات شهيدا ذكر رسول الله ﷺ شهادته.[3] قيل كان صديقيته[4] اخص اوصافا فخصه بها كما ان النبوة من اخص اوصاف رسول الله ﷺ فخص نفسه بها مع انه مات بسم كان في طعام اهدي اليه في خيبر كما روى بحديث صحيح انه صرح عليه السلام في مرض موته بذلك.

شهادة عمر

مات عمر رضي الله عنه شهيداً و قصته ذلك انه دخل المدينة المطهرة رجل اسمه ابولؤلؤ و كان عبد مغيرة بن شعبة ارسله الى مدينة و كان اميرا بالكوفة لما انه كان يعلم صناعات كثيرة كالحدادي و نقاشي و غيرذلك حتى ينتفع به المسلمون و كان خراجه اربعة دراهم فشكي الى عمر رضي الله عنه من ذلك فقال عمر رضي الله عنه ان ذلك الخراج ليس بثقيل لكثرة صناعتك فغضب عليه و ذهب حتى اختفى ذات يوم في زاوية مسجد النبي وقت الصبح فخرج عمر رضي الله عنه يأمر الناس بالصلوة فاذا جعل يأمرهم بتسوية الصفوف جاءه ابولؤلؤ و ضربه بخنجر مسموم فجرح ثلثة عشر رجلاً فمات منهم ستة فاتصل عمر رضي الله عنه بجنبات حبيبه محمد ﷺ.

شهادة عثمان

مات عثمان رضي الله عنه شهيدا قد اخبر رسول الله ﷺ انه يقتل مظلوماً و قصة ذلك انه كان يحبّ اقاربه و يومربهم و يعطيهم مالا امتثالاً لامر صلة الرحم فعزل كل احد سوى بني

---

[1] الصواعق المحرقة جزء 1 ص 253

[2] فضائل الصحابة لاحمد، هذه الاحاديث من حديث ابي بكر، جز 01، ص 217

[3] وفي الاصل "شهادتها" والتصحيح مني۔

[4] وفي الاصل "الصديقة" والتصحيح مني۔

اعمامه و امرّ بعض من لم يدرك صحبة النبى ﷺ فاذا شكى الناس اليه لم يعزلهم و امرهم بالتقوىٰ و الاجتناب عن الظلم حتى امر عبدالله بن ابى سراح على مصر فشكى اهل مصر عنه فكتب عثمان اليه كتاباً نهاه و يزجره عن الظلم فاذا وصل الكتاب اليه قتل من جاء به فشكى اهل مصر الى اصحاب رسول الله ﷺ فقال بعض الصحابة منهم على رضى الله عنه ان القوم شكوا عنه و يريدون عزله فاعزله فقال عثمان رضى الله عنه لعلىّ رضى الله عنه انصب من يختارونه فاختار محمد بن ابى بكر رضى الله عنهم و عن اخوانهم من الصحابة فولّاه فتوجّهوا مع محمد رضى الله عنه الى مصر و بعض الانصار و المهاجرين معهم حتى ينظروا امر ابى عبدالله فجاء من دبرهم غلام ركب على جمل يذهب بتعجيل ففتشوا عن حاله فعرف بعضهم فقال انه غلام عثمان رضى الله عنه و وجدوا معه كتاباً بخط مروان بن الحكم من عثمان رضى الله عنه الى ابى عبدالله و مضمونها انه رجع اهل مصر مع محمد رضى الله عنه فاسعى فى قتلهم فرجعوا الى المدينة و حصروا دار عثمان رضى الله عنه فغضب الناس عليه فسأله على رضى الله عنه و جمع من اهل بدر رضوان الله عليهم اجمعين من ذلك فقال عثمان رضى الله عنه والله لم اكتب الكتاب و لم اُمر احداً بذلك و لاعلم لى بذلك فقالوا ان كتبه عثمان رضى الله عنه نعزله و ان كتب مروان فليسلمه الينا نباحثه فلم يسلمه اليهم خوفاً من قتله. فان قيل لم لم يخالع نفسه عن الخلافة من القتل؟ اقول عملاً بالحديث رواه احمد و الترمذى و ابن ماجة و الحاكم من انه قال عليه السلام له "ياعثمان ان الله مقمصك قميصاً فان ارادك المنافقون على خلعه فلا تخلعه حتى تلقانى".[1] او نقول انه لم يتيقن ان الناس يقتلوه فقتلوه بغتةً. رجعنا الى القصة فخرج الاصحاب من عنده شاكين عنه فاخبر على رضى الله عنه بان الناس يريدون قتله فارسل الحسن و الحسين رضى الله عنهما الى عثمان رضى الله عنه و قال لهما اذهبا بسيفكما[2] ((حتى تقوما على باب عثمان فلا تدعوا أحداً يصل إليه" وبعث الزبير ابنه، وبعث طلحة ابنه، وبعث عدة من أصحاب النبى -صلى الله عليه وسلم- أبناءهم يمنعون الناس أن يدخلوا على عثمان، ويسألونه إخراج مروان. فلما رأى الناس ذلك رموا باب عثمان بالسهام حتى خضب الحسن بن على بدمائه وأصاب مروان سهم

[1] مسند احمد (الرسالة)، مسند الصديقة عائشة، جز 41، ص 13

[2] وفى الاصل انتهت العبارة هنا ولكن القصة لم تتم ولذا اوردت بقيته من "الرياض النضرة" تتميماً للفائدة۔

وهو في الدار. و كذلك محمد بن طلحة وشج قنبر مولى علي. ثم إن بعض من حصر عثمان خشي أن يغضب بنو هاشم لأجل الحسن والحسين فتنتشر الفتنة. فأخذ بيد رجلين فقال لهما: إن جاء بنو هاشم فرأوا الدم على وجه الحسن كشفوا الناس عن عثمان وبطل ما تريدون. ولكن اذهبوا بنا نتسور عليه الدار فنقتله من غير أن يعلم أحد. فتسوروا من دار رجل من الأنصار حتى دخلوا على عثمان وما يعلم أحد ممن كان معه، لأن كل من كان معه كان فوق البيت ولم يكن معه إلا امرأته. فقتلوه وخرجوا هاربين من حيث دخلوا. وصرخت امرأته فلم يسمع صراخها من الجلبة فصعدت إلى الناس فقالت: إن أمير المؤمنين قتل. فدخل عليه الحسن والحسين ومن كان معهما فوجدوا عثمان مذبوحا فأنكبوا عليه يبكون. ودخل الناس فوجدوا عثمان مقتولا فبلغ عليا وطلحة والزبير وسعدا ومن كان بالمدينة. فخرجوا وقد ذهبت عقولهم حتى دخلوا على عثمان فوجدوه مقتولا. فاسترجعوا وقال علي لابنيه: كيف قتل أمير المؤمنين وأنتما على الباب؛ ورفع يده فلطم الحسن وضرب صدر الحسين وشتم محمد بن طلحة ولعن عبد الله بن الزبير)).[1]

شهادة علي[2]

((قال الزبير بن بكار: كان من بقي من الخوارج تعاقدوا على قتل علي ومعاوية وعمرو بن العاص. فخرج لذلك ثلاثة. فكان عبد الرحمن بن ملجم هو الذي التزم لهم قتل علي. فدخل الكوفة عازمًا على ذلك، واشترى سيفا لذلك بألف وسقاه السم فيما زعموا حتى نفضله. وكان في خلال ذلك يأتي عليا يسأله ويستحمله فيحمله. إلى أن وقعت عينه على قطام -امرأة رائعة جميلة كانت ترى رأي الخوارج- وكان علي قد قتل أباها وأخوتها بالنهروان. فخطبها ابن ملجم. فقالت له البنت: أنا لا أتزوج إلا على مهر لا أريد سواه فقال: وما هو؛ قالت: ثلاثة آلاف دينار وقتل علي. قال: والله لقد قصدت قتل علي والفتك به. وما أقدمني هذا المصر غير ذلك. ولكني لما رأيتك آثرت تزويجك. فقالت: إلا الذي قلت لك. قال: وما يغنيك أو يغنيني منك قتل علي وأنا أعلم أني إن قتلت عليا لم أفلت فقالت: إن قتلته ونجوت فهو

[1] الرياض النضرة، الباب الثالث في مناقب عثمان بن عفان، الفصل الحادي العشر في مقتله، جز 03، ص 66

[2] هذا البحث ليس في المخطوط و لعله سقط من البين والقرينة عليه عنوان الفصل اى "الفصل التاسع عشر في بيان شهادتهم" فظهر كون بيان شهادة علي في المخطوط ولذا اضفت من "الرياض النضرة" تتميما للباب

الذی أردت. فتبلغ شفاء نفسی، ویهنیك العیش معی، وإن قتلت فما عند الله خیر من الدنیا وما فیها. فقال لها: لك ما اشترطت. فقالت له: سألتمس لك من یشد ظهرك. فبعثت إلی ابن عم لها یدعی وردان بن مجالد، فأجابها ولقی ابن ملجم شبیب بن نجرة الأشجعی، فقال: یا شبیب هل لك فی شرف الدنیا والآخرة؟ قال: وما هو؟ قال: تساعدنی علی قتل علی بن أبی طالب. قال: ثكلتك أمك لقد جئت شیئا إدا كیف تقدر علی ذلك؟ قال: إنه رجل لا حرس له. ویخرج إلی المسجد منفردًا دون من یحرسه. فنكمن له فی المسجد، فإذا خرج إلی الصلاة قتلناه فإذا نجونا نجونا. وإن قتلناه سعدنا بالذكر فی الدنیا والجنة فی الآخرة. فقال: ویلك إن علیا ذو سابقة فی الاسلام مع النبی -صلی الله علیه وسلم- والله ما تنشرح نفسی لقتله. قال: ویلك! إنه حكم الرجال فی دین الله -عز وجل- وقتل إخواننا الصالحین. فنقتله ببعض من قتل، ولا تشكن فی دینك، فأجابه وأقبلا. حتی دخلا علی قطام وهی معتكفة فی المسجد الأعظم فی قبة ضربتها لنفسها فدعت لهم. وأخذوا أسیافهم. وجلسوا قبالة السدة التی یخرج منها علی. فخرج علی إلی صلاة الصبح فبدره شبیب فضربه فأخطأه، وضربه ابن ملجم علی رأسه وقال: الحكم لله یا علی، لا لك ولا لأصحابك فقال علی: لا یفوتكم الكلب فشد الناس علیه من كل جانب لیأخذوه. وهرب شبیب خارجا من باب كندة. فلما أخذ قال: احبسوه فان مت فاقتلوه ولا تمثلوا به. وإن لم أمت فالأمر إلی فی العفو والقصاص. أخرجه أبو عمر[1]))

هل یجوز اطلاق کرم اللہ تعالی وجهه علی الصدیق

الفصل العشرون فی ماجاز اطلاق لفظ "كرّم الله وجهه"علی ابی بکررضی الله عنه عنداستماع اسمه المبارك المدعو كماجاز علی علیّ رضی الله عنه.و ههناکلام هو ان المشهور اختصاص هذا اللفظ لعلی کرم الله وجهه لکن رایت فی بعض الکتب انه جاء رجل الی النبی ﷺ و التمس منه الدعاء فدعاه بالخیرفاقبل علی الصحابةو قال "من لم یسجد الصنم فلیوافقنی فی الدعاء فقام ابوبکر رضی الله عنه فلم یأمره النبی ﷺ بشیئ فقام علیّ کرم الله وجهه فاشار الیه بالدعاء فبقی ابوبکررضی الله عنه قائما فتقرررسول الله ﷺ فنزل جبرائیل علیه السلام وقال ان الله یقراك السلام و قال انی اشهد بان ابابکررضی الله عنه

---

[1] الریاض النضرة فی مناقب العشرة، ص236، ج03

لم يسجد صنما قط فاشار رسول الله ﷺ اليه الدعاء و استعذره" ـ فعلمت من ذلك انه يجوز اطلاق ذلك اللفظ فى حق ابى بكر رضى الله عنه لماذكر ومن ان اطلاق على على كرم الله وجهه فانه لم يسجدصنما فقد كرم الله تعالىٰ بالايمان بعدم السجود الالربّه تعالىٰ لكنه لماكان ذلك موقوفاً على اذن اهل الشرع الا لاطلق على كل من لم يسجده و لم يسمع ـ لم اتبادر عليه حتى رايت فى "بحر المذاهب" ان ذلك اللفظ يطلق على ابى بكر و على رضى الله عنهما لما انهما لم يسجدا صنماً[1] ـ فتبادرت بذلك و كثيرمن الناس يباحثوننى فى ذلك و قلت فى نفسى قال الله تعالىٰ "ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ" (الانعام: 91)[2] ـ



---

[1] بحر المذاهب، المقصد الخامس فى خلافة الخليفة الرابع على المرتضى كرم الله تعالى وجهه الكريم، ص 69

[2] وَسُئِلَ ابن الحجر الهيتميّ عَنْ حِكْمَةِ استِعْمَال "كرم الله وَجهه" فِي حق عَلِيِّ بن أبي طَالب رَضِيَ الله عَنهُ دون غَيره عوضا عَن الترضي، وَهل يستَعمل ذَلِك لغيره من الصَّحَابَة؟ فَأجَاب بقوله: حِكْمَة ذَلِك أن عليا كرم الله وَجهه وَرَضِيَ عَنهُ لم يسْجد لصنم قطّ، فَنَاسَبَ أَن يدعى لَهُ بِمَا هُوَ مطَالب لحاله من تكرمة الْوَجْه، وَالْمرَاد بِهِ حَقِيقَته أَو الْكِنَايَة عَن الذَّات أي حفظه عَن أَن يتَوَجَّه لغير الله تَعَالَى فِي عِبَادَته، ويشاركه فِي ذَلِك أَبُو بكر الصّديق رَضِيَ الله عَنهُ وكرم وَجهه، فَإِنَّهُ لم يسْجد لصنم أَيْضا كَمَا حُكيَ فَنَاسَبَ أَن يدعى لَهُ بذلك أيضا، وَإِنَّمَا كَانَ استِعْمَال ذَلِك فِي حق عَليّ أَكثر لِأَن عدم سُجُوده أَمر مجمع عَلَيْهِ لِأَنَّهُ أسلم وَهُوَ صبي مُمَيّز، وَصَحَّ إِسْلَامه حِينَئِذٍ على خلاف مَذْهَبنَا لِأَن الْأَحْكَام وَقت إِسْلَامه كَانَت منوطة بالتمييز، ثمَّ بعد ذَلِك نسخ ذَلِك الْأَمر وأنيطت بِالْبُلُوغِ كَمَا بَينه الْبَيْهَقِيّ وَغَيره. فَإِن قلت: كثير من الصَّحَابَة رَضِيَ الله عَنْهُم لم يُوجد مِنْهُم سُجُود لصنم كالعبادلة: ابْن عَبَّاس وَابْن عمر وَابْن الزبير وَغَيرهم وَمَعَ ذَلِك لَا يَقُول النَّاس فيهم ذَلِك بل الترضي كغيرهم. قلت: هَؤُلَاءِ نظراؤهم إِنَّمَا ولدوا بعد اضمحلال الشّرك، وخمود نَار الضلال والفتنة، فَلم يشابهوا ذينك الإمامين فِي تَركهمَا أكبر فتن الشّرك من السُّجُود للصنم مَعَ دعاية أَهله النَّاس لذَلِك، ومبالغتهم فِي إِيذَاء من ترك ذَلِك، وَكَانَ فِي التّرْك حِينَئِذٍ مَعَ مُخَالفَة الْآبَاء والأقارب وَتحمل المشاق الَّتِي لَا تطلق من الدّلَالَة على الصدْق مَا لَيْسَ فِيهِ بعد ظُهُور الْإِسْلَام وزهوق الضلال، فَنَاسَبَ خالهما أَن يميزا عَن بَقِيَّة الصَّحَابَة بِهَذِهِ الخصوصية الْعُظْمَى رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُمَا وكرم الله وجههما ـ (الفتاوى الحديثية، ص 42)

الباب الثانی من القسم الاول

ففیه خمسة فصول.

بیان الاختلاف فی الختنین

الفصل الاول اختلف الناس فی الختنین المذهب الصحیح المشهور ان الافضل عثمان ثم علی رضی الله عنهما و هو المرضی عندنا و روی عن علی المرتضیٰ رضی الله عنه ان خیر الامة ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی الله عنهم.

و روی ابوداؤد عن ابن عمر رضی الله عنهما کنا نقول و رسول الله ﷺ حی افضل امة النبی ﷺ بعده ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی الله عنهم.[1] وزاد الطبرانی انه بلغ ذلک رسول الله ﷺ فلم ینکر ذلک.[2]

وعن ابن عمر رضی الله عنهما کنا فی زمن النبی ﷺ لا نعدل بابی بکر رضی الله عنه احدا ثم عمر ثم عثمان رضی الله عنهم ثم نترک باصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم.[3]

و روی عن ابی هریرة رضی الله عنه ماحاصله "جاغفیرا من الاصحاب نقول افضل الامة ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی الله عنهم ثم نسکت".[4] و انما لم یذکر علیا رضی الله عنه لحداثته سناً فی ذلک الوقت و المراد فی الحدیث مشائخ الاصحاب فان علیا رضی الله عنه افضل بعد الخلفاء فی جمیع الصحابة هذا. و ایضاً نظرت فی الاحادیث الواردة فی شأنهم فرایت فی کلها اسم عثمان رضی الله عنه مقدما علی اسم علی رضی الله عنه و هذا و ان لم یقبل الیقین لکن النظر السلیم یجد منه افضلیة عثمان رضی الله عنه.

ومذهب السلف هو تقدیم عثمان علی علیؓ رضی الله عنه و اما ما ذهب الی افضلیة علی رضی

ا۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی التفضیل، جز 04، ص 206

۲۔ للمعجم الکبیر، باب العین، جز 12، ص 285

۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی التفضیل، جز 04، ص 206

۴۔ لم نجد هذه الروایة عن ابی هریرة بل عن ابن عمر بالفاظ متقاربة فی للمعجم الکبیر، باب العین، جز 12، ص 345

الله عنه هو المذهب المتوقف فی ذلك وهو من المتاخرین صرح بذلك بعض العلماء و لهذا طعن بعض شراح القصیدة الامالیة علی مسعود الملّة والدین التفتازانی حیث نقل التوقف من السلف فی ذلك "بانالم نجد فیهم متوقفا سوی ابی العباس القلانسی و اما ابوحنیفة فقد نقل بعضهم عنه ذلك" ثم قال ان التفتازانی لیس من اهل التصحیح لکنه وقع فی کلام بعض المتعصبین ان بعض السلف علی تقدیم علی رضی الله عنه عثمان رضی الله عنه و منهم السفیان الثوری و قیل انه رجع عن ذلك و التوفیق بین ذلك و بین ماذکر بعض العلماء انه یحتمل بلوغ روایة رجوع ذلك التوقف الی[1] البعض الذاهب الی تقدیم علی رضی الله عنه و بالجملة المذهب الصحیح المشهور تقدیم عثمان رضی الله عنه علی علی رضی الله عنه کذا ذکره الامام محی السنة النووی فی شرح صحیح المسلم۔

بیان معنی الافضلیة

الفصل الثانی فی معنی الافضلیة المبحوثة عنها حتی تبین لك حقیقة الکلام و ماهیته بعون الله تعالیٰ و فضله۔

فاعلم ان معنی قولهم فلان افضل من فلان یحتمل ان یکون معناه ان الافضل مخصوص بصفةٍ لیست فی المفضول ککون الافضل عالما و المفضول جاهلا و ان یکون معناه ان الصفة المشترکة بینهما ازید فی الافضل منها فی المفضول ککون الافضل اعلم من المفضول و ان یکون معناه ان الافضل اولیٰ من کل الوجه و المبحوث هی الافضلیة بالمعنی الاول ای الرجحان لصفة خاصةٍ وهو کثرة الثواب عندالله فمعنی قولهم ابوبکر افضل من عمر رضی الله عنهما ان ثواب ابی بکر اکثر من ثواب عمر رضی الله عنهما وهو مسلتزم لعلو درجة ابی بکر عندالله من درجة عمر رضی الله عنهما و هذا لاینافی ان یکون المفضول اولیٰ من الافضل فی بعض الصفات کالکرامة الجوهریة و الملکات النفسانیة کالشجاعة و امثالها و مایعده ذوالفضول فضیلة بل المراد کثرة الثواب عندالله لکثرة اعمالها الحسنة التی یرجع مشقتها الی الاسلام و اهله کسبقیة الایمان و تقویة الاسلام و امداد المسلمین و غیرذلك و هذا اکثر فی ابی بکر رضی الله عنه فانه اول من اسلم و کان فی انتصار النبی ﷺ و نصرة الاسلام و اسلم علی یده اکابر الصحابة کعثمان بن عفان و طلحة و زبیر و سعدبن ابی

[1] وفی الاصل "و البعض" والتصحیح منی۔

وقاص و عثمان بن مظعون رضوان الله عليهم اجمعين.

فی الصحیح البخاری انه کان فی ابتداء الاسلام بنی علی بابه مسجدا یصلی فیه علانیةً و یقرء القرآن و کان یسمع فتیان القریش و نساءهم[1] و لما قرب اعلام الدین ان تنعکس قاتل الکفار و المرتدین واظهر الاسلام حتی جعل لولاه لمابقی الاسلام تك . اذا سمعت ذلك فاحفظه فانه ینفعك فی ردّ دلائل الشیعة علی افضلیة علی رضی الله عنه.

ترتیب الافضلیة قطعیة ام ظنیة ؟

الفصل الثالث فی ان ترتیب الافضلیة قطعیة بأن یوجد علیها دلیل قطعی کترتیب الامامة او ظنی بأن یکون دلائلها امارات و قرائن تفضی الی الاولویة والرجحان؛

ذهب الشیخ الرئیس اهل السنة ابوالحسن الاشعری الی قطعیته و القاضی الباقلانی الی ظنیته و الیها امام الحرمین ابو الحسین قدس سره قال فی الارشاد "مبنی مسئلة التفضیل علی وجوب نصب الافضل علی الامامة وعدمه و الأصح عدم الوجوب و لادلیل سواذلك علی ترتیب الافضلیة وهی امرخفی لایدرکه العقل و الاخبار متعارضة لکن الغالب علی الظن ان ابابکر الصدیق افضل ثم عمر رضی الله عنهما و اختلف فی عثمان و علی رضی الله عنهما" انتهی خلاصة کلامه. و فی المواقف و شرحه "ان مسئلة الافضلیة لایقطع منها القطع و الاخبار متعارضة و غایته دلالتها علی کثرة ثواب الآخرة و هذا لایوجب لان کثرة الثواب لیست منطویة بکثرة اسبابه والامامة لایوجب الافضلیة فلادلیل الا انا وجدنا المشائخ علی هذا الترتیب وحسن ظننا بهم یحکم بأنه لولم یکن لهم دلیل علی ذلك لماحکموا به انتهی خلاصة کلامها[2]

ان قلت ان ظنیة الافضلیة مسلمة عندمن لم یدع الاجماع علی الافضلیة المذکورة اما علی تقدیر الاجماع کماهو المختار و الارجح فلا اذ الاجماع عن القطعیة وان لم یمنع عن الانعقاد و قیل ان الاجماع انما هو علی الافضلیة الظنیة فصفة الظنیة فی تلك المسئلة قید المحکوم به لاعارض الحکم فلادلیل علیها الا الامامة وهی لایوجب الافضلیة لدلیل تقلید السلف هذا خلاصة الصواعق.

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الکفالة، باب جوار ابی بکر فی عهد النبی، جز 03، ص 98

[2] شرح المواقف، المرصد الرابع، المقصد الخامس، الافضل بعد رسول الله، جزء 8، ص 404

ثم قال ان اهل السنة يقولون بظنية الافضلية ويلزم على الشيعة ان يقولوا بقطعها لانه قد تواتر من على رضى الله عنه و اشتهر من اهل بيته الاقرار بافضلية ابى بكر و عمر رضى الله عنهما بحيث لا يبقى مجال انكار كما يجى ان شاء الله تعالىٰ و قد قالها[1] الشيخ عبد الحق و صاحب المفهم شرح صحيح المسلم و الله اعلم[2]

بيان كون جميع الصحابة من اهل الجنة

الفصل الرابع . قيل ان جميع الصحابة من اهل الجنة استدلالا بقوله تعالىٰ "لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ اى فتح مكة وعز الاسلام وَ قٰتَلَ "-الكفار اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ اى بعد فتح مكة وَ قٰتَلُوْا "-لان اسلام[3] من اسلم قبل عز الاسلام اكثر فى الاخلاص و اجدر فى محبة الاسلام من اسلام من اسلم بعده "وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى "-(الحديد:10) اى الجنة.

اما الاحاديث فمنها ما رواه الطبرانى و الحاكم من انه قال عليه السلام "ان الله اختارنى و اختار لى اصحابا فجعل لى منهم وزراء و انصارا و اصهارا فمن سبّهم فعليه لعنة الله تعالىٰ و الملائكة و الناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا و لا عدلا"[4] اى لا فرضا و لا نفلا.

---

[1] وفى الاصل "قد قالها الشيخ" والتصحيح منى۔

[2] في كلام للصنف لا شفاء مطلقًا لقلوب المترفضة كما أن بعض المترفضة في زماننا بدأوا يقولون "إذا كان هناک خلاف بين العلماء في قطعية أو ظنية عن مسألة الأفضلية فكيف أصبحت من ضروريات أهل السنة؟" و كذلک قال بعضهم "إذا كانت هذه المسألة قطعية فلما إذا قالها الإمام الباقلاني بأنها ظنية؟" فنقول فى جوابه إجمالا أن القطعية تنقسم إلى قسمين، الأول القطعية بالمعنى الأخص وهي القطعية التي يشترک فيها جميع أهل القبلة ولا يكون فيها أدنى شبهة ظن وهذه القطعية تكون من ضروريات الدين و الثاني القطعية بالمعنى الأعم وهي القطعية التي يشترک فيها جميع أهل السنة و تكون هذه القطعية من ضروريات أهل السنة وتسمى القطعية بالمعنى الأعم أو الظنية بالمعنى الأخص ،بناءً على هذا التقسيم يتضح أن هذا القول لا يوجد أي تعارض بين من يقول بقطعية عن مسألة الأفضلية و من يقول بظنيتها، لأن من يقول بقطعيتها فإنما يقصد القطعية بالمعنى الأعم وأما من يقول بظنيتها فهو ينفي القطعية بالمعنى الأخص ولذلک فإن هذه المسألة من ضروريات أهل السنة ومن يخالف فيها فإنه يخرج من دائرة أهل السنة ويعتبر ضالاً ـ ان شئت التفصيل فلتراجع "مطلع القمرين فى ابانة سبقة العمرين" للمجدد الامام احمد رضا خان الهندى البريلوى و "انبيا كے بعد افضل كون؟" لفقيه النفس مطيع الرحمن رضوى]

[3] وفى الاصل "الاسلام" والتصحيح منى۔

[4] المعجم الكبير ،باب العين، جز 17، ص 140۔

منہا ماروا ہ الترمذی عن جابر رضی اللہ عنہ "لاتمسّ النار مسلمارانی و رای من رانی"[1] ای استقام علی متابعتی۔

قال اللہ تعالیٰ "وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ"(التوبۃ: 100)ای اتبعوا الصحابۃ.منہاماروا ہ الدیلمی عن انس رضی اللہ عنہ و البزار قال سید المرسلین ﷺ "اذا اراد اللہ برجل خیرا القی حب اصحابی فی قلبہ".[2] منہاماروا ہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما من انہ قال علیہ السلام "من سبّ اصحابی فعلیہ لعنۃاللہ و الملائکۃو الناس اجمعین".[3] منہا ماروا ہ الترمذی "اذا رایتم الذین یسبّون اصحابی فقولوا لعنۃاللہ علی شرّکم".[4] منہا ماروی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ "اصحابی کالنجوم بایّہم اقتدیتم فاھتدیتم".[4] منہا ماروی عن بریرۃ[5] رضی اللہ عنہ عن ابیہ "من مات من اصحابی جعل شفیعا لاہل تلک الارض".[6] منہا ماروی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ "طوبیٰ لمن رانی و من رای من رانی".[7] منہا ماروی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ "ان اللہ عزوجل اختارلی اصحابی و جعلہم انصاری و اصہاری و انہ سیجی آخر الزمان قوم یبغضونہم الا فلاتواکلوہم.الا فلاتشاربوہم.الا فلاتناکحوہم.الافلاتضلوا معہم.علیہم حلّت اللعنۃ".[8] منہا[9]

---

[1] سنن ترمذی(بشار)ابواب المناقب،باب ماجاء فی فضل من رای النبی،جز 06،ص 177

[2] التیسیربشرح الجامع الصغیر،حرف الھمزۃ،جز 01،ص 66

[3] للمعجم الکبیر،باب العین،ج 12،ص 142، الصواعق المحرقۃ،المقدمۃ الاولی،جز 01،ص 14

[4] سنن ترمذی(بشار)ابواب المناقب،اب فیمن سب اصحاب النبی،جز 06،ص 180

[4] شرح مسندابی حنیفۃ للقاری،ذکر اسنادہ عن القاسم بن عبد الرحمن،جز 01،ص 498

[5] وفی الاصل "عن ابی ھریرۃ عن ابیہ" والتصحیح منی بعد مراجعۃ المسند بزار،وھذہ الروایۃ مذکورۃ فی المتن بمعناھا۔

[6] مسند بزار،مسند بریرہ بن الحصیب،جز 10،ص 308

[7] مستدرک علی الصحیحین،کتاب معرفۃ الصحابۃ،ذکر فضائل الامۃ بعد الصحابۃ والتابعین،جز 04،ص 96

[8] الکفایۃ فی علم الروایۃ،ص 48]

[9] ھکذا فی الاصل و قولہ "و منھا" موصول بقولہ "افضل الصحابۃ" و عندی أن بعض کلامہ سقط من البین و قولہ "افضل الصحابۃ" شروع فی بحث آخر و ھو ترتیب الافضلیۃ بین الصحابۃ کما یظھر من کلامہ و لذا فصلتہ عما قبلہ بعنوان مستقل۔

بیان ترتیب الافضلیة بین الصحابة

افضل الصحابة اهل الحديبية الذين بايعوه بيعةالرضوان تحت الشجرة و هم اربعة مائة والف رجل و قال الله تعالىٰ "لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" (الفتح: 18) و روى جابر رضى الله عنه انه قال رسول الله ﷺ "ليس احدمثل من بايع تحت الشجرة عنه". وقال عليه السلام "لن يدخل النار احدشهد البدر او الحديبية".[1]

ثم افضل الصحابة هم اهل احد وهو الغزوة التى اصاب بالمسلمين بلاء و مصيبة و كسر رباعية رسول الله ﷺ و تزعموا انها كسرت بتمامها وخرجت من فمه الشريف بل انكسرت قطعة منها تك واستشهد سبعون صحابيا فيها والعشرة ايضا من اهل احد وكان رئيس المشركين ابوسفيان الاموى والد معاوية رضى الله عنهما واسلما على عام فتح مكة ,تك ,و صارا من كبار الصحابة.

وافضلهم اهل غزوة بدر كان من اعاظم الواقعات وكانت الكفار جماعةً غفيرا والصحابة جماعة صغيرة بموضع خالٍ من الماء فاظهر الله تعالىٰ شوكة الاسلام فقتل اعداء سيد الانام و نزل الملائكة لنصر سيد المرسلين و الشياطين لنصر الكافرين و هم ثلثمائة و ثلث عشر رجلا على عدد المرسلين و اصحاب طالوت. وقال رسول الله ﷺ "اطلع الله تعالىٰ على اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم.[2] تك والملائكة الذين حضروا بدرا لهم شرف على سائر الملائكة الذين لم يحضروه.

نقل الدوانى عن علماء الحديث ان الدعاء عند ذكرهم مستجاب. وقد جربت اللهم ثبتنا على طريقة السنة و اجرنا من خزى الدنيا والآخرة بحرمة سيد المرسلين و اصحابه اجمعين.

وافضلهم عشرة المبشرة وهم الذين بشرهم رسول الله ﷺ بالجنة وقال ابوبكر فى الجنة وعمر فى الجنة و عثمان فى الجنة و على فى الجنة وطلحة فى الجنة و زبير فى الجنة وعبد الرحمن بن عوف فى الجنة وسعد بن ابى وقاص فى الجنة وسعيد بن زيد فى الجنة وابو عبيدة بن الجراح فى الجنة رضوان الله عليهم[3] وقد ورد فى فضلهم احاديث لاتحصى۔

فان قلت كيف وقد قال عبد الرحمن بن عوف "قتل حمزة وهو خير منى و قتل مصعب بن

---

[1] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، مقدمة المؤلف، جز 01، ص 04

[2] صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب لاتتخذوا عدوی الخ، جز 06، ص 149

[3] سنن ترمذی (شاکر) ابواب المناقب، مناقب عبد الرحمن بن عوف، جز 05، ص 647

عميروهو خيرمني؟[1]

اجيب بوجوه الاول للتواضع صو. الثاني ان الخيرية اعم من الافضلية صو. الثالث ما قال الشيخ ابن الحجر المكى ان افضلية العشرة المبشرة على من لم يشهد فى زمان النبى عليه السلام وهما استشهد فى زمانه عليه السلام ولايخفى انه قول باطل مخالف الاجماع من اهل السنة وغيرهم من الشيعة والله اعلم.

وافضل العشرة ابوبكر الصديق كرم الله وجهه ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم على بن ابى طالب كرم الله وجهه و فى فضائل الاربعة آيات و احاديث كثيرة بلغ مجموعه التواتر وهم اعلام الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين واتفق اهل السنة و الجماعة كرمهم الله تعالىٰ على ان الافضل ابوبكر ثم عمر بن الخطاب و لم ينكر احد منهم و من انكر لم يكن من اهل السنة.

ورواية من روى انكار ذلك ممن يعتبر على كلامه ليست بمعتبر هذا لكن اختلف الناس فى عثمان و على رضى الله عنهما كما سنذكره. قال الشيخ عبدالحق هذا الترتيب من افضلية الصحابة مجمع عليه نقله ابو منصور التميمى.

بيان المبشرين بالجنة

الفصل الخامس نشهد بأن اهل بيعة الرضوان و اهل بدر و العشرة المبشرة و فاطمة و ابنيها الشهيدين و خديجة الكبرىٰ و الصديقة العليا و حمزة و العباس و سليمان و صهيب و عمار بن ياسر و غيرهم ممن بشرهم رسول الله ﷺ بالجنة كلهم من اهل الجنة لورود الاخبار الصحيحة فى ذلك.

قال عليه السلام "لايدخل النار احد بايع تحت الشجرة".[2] وايضاً قد ورد فى الكلام المجيد "لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ." وقال عليه الصلوة والسلام "لن يدخل النار رجل شهد بدرا و الحديبية"[3] و فى لفظ آخر "ان الله قد

[1] وفى الأصل "معى" والتصحيح منى.

[2] صحيح ابن حبان، تابع لكتاب السير، باب الخروج و كيفية الجهاد، جز 11، ص 127

[3] سنن ابن ماجة، ابواب الزهد، باب ذكر البعث، جز 05، ص 345

اطلع علی اهل بدر قال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم ".[1] وفی الحدیث "ابوبکر فی الجنة الخ " فیماسبق الا ان ابا عبیدة بن الجراح لیس مذکورا فیه. وقال ایضاً "فاطمة سیدة نساء[2] اهل الجنة "[3] و "حسن و حسین سیدا شباب اهل الجنة "[4] الی غیر ذلک من الاحادیث الکثیرة وهذا ردّ علی من زعم اختصاص البشارة بالعشرة المبشرة و قد شنع علیه الشیخ المحقق عبدالحق الدهلوی و قال هذا الظن غلط محض و جهل صریح.

بیان وجه تخصیص العشرة بالبشارة

ان قلت فما وجه شهرتهم بالبشارة؟ قلت لوقوع بشارتهم فی حدیث واحد و لصدد فی وقت واحد.

ان قلت فما وجه فی ان علماء العقائد یخصون بشارتهم بالذکر؟ قلت ردّ علی المبتدعة الذین یسبّونهم و یطعنونهم و عابهم فللعلماء اهتمام فی ذکر ذلک لکثرة الروافض و شیوع مذهبهم بین الانام و قال بعض الناس ان بشارة العشرة قطعیة و بشارة غیرها ظنیة وهو غیر بالغة قوة بشارة العشرة و شهرتها و تواترها و ذلک من عدم التتبع فی الاحادیث و التدبر بها و الحق ان بشارة الخلفاء الراشدین و فاطمة و ابنیها و امثالهم رضوان الله علیهم مشهور بلغت حد التواتر المعنوی و بشارة باقی العشرة ایضاً مشهورة. هذا حاصل کلامه فی تکمیل الایمان و تقویة الاتقان.

اما غیر المبشرین من الصحابة فقیل ان اجمعهم من اهل الجنة و قیل لایقال کذلک بل یرجیٰ لهم اکثر ممایرجیٰ بغیرهم.

اما عامة المسلمین فلا یشهد لاحد بالجنة و لا بالنار بل ان یقال ان المومنین من اهل الجنة و الکافرین من اهل النار و یجوز ایضاً ان یقال ان فلاناً ان مات علی الایمان فمن اهل الجنة و ان[5] مات علی الکفر فمن اهل النار.

---

[1] صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب لاتتخذوا عدوی الخ، جز 06، ص 149

[2] فی الاصل "النساء" باللام والتصحیح منی۔

[3] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، ذکر مناقب فاطمة، جز 03، ص 164

[4] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، ذکر مناقب حذیفة بن یمان، جز 03، ص 429

[5] وفی الاصل "من" والتصحیح منی۔

بيان الافضلية بين النساء

الفصل السادس تفضيل عائشة على الزهراء رضى الله عنهما ذهب البعض الى رجحان الصديقة رضى الله عنها استدلالا بأنها افقه و اعلم و كان الصحابة يرجعون اليها عند الاستفتاء و بقوله عليه السلام "فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على الطعام "[1]
وفى كشف العقيدة ان عائشة افضل من فاطمة رضى الله عنهما و فاطمة افضل من سائر بنات النبى ﷺ وعليه الفتوىٰ۔

وقال بعضهم انها مع النبى ﷺ فى درجة و فاطمة رضى الله عنها مع على رضى الله عنه و مقام النبى ﷺ اعلىٰ و ارفع من مقام على رضى الله عنه فالصديقة اعلى درجة و اكثر ثوابا وهو المعنى بالافضلية۔

قال بعض العلماء ان من قال فضل الزهراء على الصديقة رضى الله عنهما فهو رافضى و ذكر نور الدين الفاروقى و ابن السراج فى اقاويل الروافض كما ذكرناه فى مقدمة الكتاب۔

و اعظم رتبتها[2] و افرط البعض و فضلها على ابيها رضى الله عنهما لكنه ليس بمعقول و ذهب البعض الى تفضيل الزهراء استدلالا بما جاء فى الحديث "ان افضل نساء العالم و اكملها[3] مريم بنت عمران وفاطمة بنت محمد ﷺ وآسية امراة فرعون رضى الله عنهن"۔ [4] و قال العسقلانى انه يدل على تفضيل فاطمة من عائشة رضى الله عنهما۔ و بقوله عليه السلام "فاطمة رضى الله عنها سيدة نساء اهل الجنة"۔ [5] وهذا يدل على تفضيلها على كل النساء حتى مريم و آسية رضى الله عنهن۔ و كذا ذكر السيوطى لكن مريم رضى الله عنها مستثناة فى بعض الاحاديث الواردة فى افضلية الزهراء و ذلك يحتمل المساواة و العكس و بما جاء فى الحديث من ان فاطمة فى هذه الامة مثل مريم فى قومها[6]

۱۔ صحيح بخارى، كتاب اصحاب النبى، باب فضل عائشة، جز 05، ص 29

۲۔ هكذا فى الاصل ولعل سقط هنا بعض الكلام ولذا لا يرتبط ماقبله و مابعده۔

۳۔ لفظ رواية المستدرك "افضل نساء العالمين خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد ومريم بنت عمران وآسية بنت مزاحم امراة فرعون" ورواية المتن بمعناها۔

۴۔ مستدرك على الصحيحين، كتاب تواريخ المتقدمين الخ، ذكر نبى الله الخ، جز 02، ص 650

۵۔ مستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب فاطمة، جز 03، ص 164

۶۔ لم اجد بعينه بل بمعناه و هو هذا "أول شخص يدخل الجنة فاطمة بنت محمد ومثلها فى هذه الأمة مثل مريم فى بنى إسرائيل" (جامع الأحاديث، حديث 9616، ص 284، جز 10)۔

والمراد بالنساء في قوله عليه السلام "فضل عائشة على النساء" غير النساء المذكورة جمعاً بين الادلّة كذا ذكره العسقلاني.

و فاطمة رضي الله عنها مع النبي ﷺ في درجته لما وقع في الحديث انه قال عليه السلام لها "انا و انتِ و علي وحسن و حسين رضوان الله عليهم اجمعين في درجةٍ واحدةٍ من الجنة"[1]۔

قال السيوطي ان اصحّ المذاهب تفضيل فاطمة على عائشة رضي الله عنهما و سئل مالك عن ذلك فقال فاطمة رضي الله عنها بضعة النبي ﷺ ولا افضل على بضعة النبي ﷺ احد.

قال تاج الدين السبكي الشافعي ان المختار عندنا ان فاطمة افضل ثم امها ثم الصديقة[2]۔

و ذهب البعض الى المساواة لهم قوله عليه السلام "افضل النساء فاطمة و خديجة و عائشة و مريم و آسية"[3]۔

وذهب البعض الى التوقف و هو المرضي عندي و فيه السلامة فانه ان اريد بالافضلية الكرامة الجوهرية

و الفضيلة الذاتية ففاطمة رضي الله عنها افضل لكنها ليس بمبحوث عنها وان اريد الاحبية الى النبي عليه السلام فالاحاديث متعارضة في هذا المعنى.

في بعض الاحاديث "احبّ النساء فاطمة رضي الله عنها واحب الرجال ابوبكر[4] رضي الله عنه".[5]

و في بعضها "ان احب النساء عائشة و احب الرجال ابوها رضي الله عنهما".[6]

و ان اريد كثرة الثواب و هي امر لايعلم الا من الله تعالى و من رسوله ﷺ و قد تعارضت

---

[1] لم اجد بعينه و لكن و جدت في المستدرک بمعناه و نصه "عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَّ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَنَا وَفَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَمُحِبُّونَا؟ قَالَ: «مِنْ وَرَائِكُمْ» (المستدرک على الصحيحين للحاكم، (3/164

[2] ارشاد الساری، باب فضل عائشہ، جز 06، ص 141

[3] مسند امام احمد مخرجاً ح 2668، جزء 04، ص 409

[4] هكذا في الاصل والصواب "احب الرجال علي" كما في "الصواعق المحرقة"

[5] الصواعق المحرقة، الفصل الثاني في فضائله، جز 02، ص 354

[6] سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب من فضل عائشة، جز 06، ص 189

الاحاديث فى ذلك فالتوقيف طريق اسلم كماذهب اليه بعض الشافعية و الحنفية و الجمع بين الاحاديث يمكن باختلاف الحيثيات و اعتبار الاضافات و الله تعالىٰ اعلم.

مباحث الامامة

الباب الثالث من القسم فى مباحث الامامة و هذه المسئلة اليق بالفروع لرجوعها الى ان نصب الامام من فروض الكفاية و لاخفاء انه من الاحكام العملية دون الاعتقادية لكنه لما ظهر من الروافض و الخوارج فى امرها اعتقادات فاسدة الحقوها بالكلام. فيه فصول.

بيان تعريف الامامة

الفصل الاول فى تعريف الامامة اختلفوا فى تعريفها فقيل انها رياسة عامّة من امور الدين و الدنيا لشخص من الاشخاص و قيد العامة لاخراج القاضى و مثله و القيد الاخير لاخراج عن كل الامامة فان الكل ليس شخصا واحدا وهذا التعريف منقوض بالنبوة و قيل هى خلافة رسول الله ﷺ فى اقامة الدين بحيث يجب اتباعه على كافّة الامة و بهذا القيد خرج القاضى و امثاله و المجتهد فان متابعته واجبة على من قلّده و هذا التعريف هو المرضى لصاحب المواقف.

بيان وجوب نصب الامام

الفصل الثانى فى وجوب نصب الامام اختلفوا فى نصب الامام انقضى زمان النبوة واجب اولا و على تقدير وجوبه هل يجب على الله ام علينا، عقلاً و سمعاً.

ذهب الخوارج الى عدم وجوبه مطلقا و الامامية الى انه يجب على الله تعالىٰ عقلاً و ابوبكر الاصم[1] الى انه لايجب مع الامن لعدم الحاجة و الفوطى[2] الى عكسه اى يجب وقت الامن و لايجب وقت الفساد ولان الظلمة لم يطيعوه فيكون ذلك سببا للفتنة. وللمعتزلة انه يجب عندنا عقلاً و اهل السنة و الجماعة انه يجب عندنا سمعاً وهو الحق و لنا ان نبطل المذاهب

١ـ عبدالرحمن بن كيسان، ابوبكر الاصم، فقيه معتزلى مفسر، فصيح اللسان، كانت له مناظرات مع العلاف، له عدة مصنفات، منها تفسير القرآن و توفى نحو سنة 225ھ لسان الميزان حرف العين، جز 03، ص 427، الاعلام للزركلى، حرف العين، جز 03، ص 323

٢ـ فى شرح للمواقف "هشام الغوطى منسوب الغوطة بالضم وهى موضع بالشام كثير الماء و الشجر" للمرصد الرابع، المقصد الرابع، جز 08، ص 377 و فى كشاف اصطلاحات الفنون "هو هشام بن عمر الفواطى، صاحب الفرقة الهاشمية من المعتزلة - كشف الظنون، جز 02، ص 1741

الباطلة اولاً ثم نشرع فی اثبات ماھو الحق عند اھل السنة والجماعة۔

احتجت الخوارج بأن فیہ اثارة الفتنة لاختلاف الاھواء فیدعی کل قوم امامة رجل منھم فیقع التشاجر کمایشاھد فی الحال رُدّ بان فتنة الترک اکثر و ترک الخیر الکثیر للشر القلیل شر کثیر۔

احتجت الامامیة بأنه لطف[1] وبه یتقرب العبد الی الطاعة ویجتنب عن المعاصی۔

رُدّ بوجوہ الاول وھو العمدة انه لایجب علی الله تعالیٰ شیئ کمابرھن علیه سابقاً۔ الثانی ان نصبه یتضمن بعض المفاسد و ان قلت فلایکون لطفا محضاً و إنمایکون لطفا محضاً ان خلا عن المفاسد کلھا شع۔ الثالث انه انمایکون اذاکان الامام ظاھرا زاجرا عن القبائح و ذلک لیس بلازم عند الشیعة حیث قالوا ان المھدی مخفی و مع ذلک امام شع شمو۔

واجاب عنه صاحب التجرید ان وجود الامام لطف علی مانقل عن علی رضی الله عنه "انه لایخلو الارض من امام قائم بحجة اماظاھرا مشھورا" او خائفا مغمورا لئلایبطل حجة الله تعالیٰ علی عبادہ و لایخفی فسادہ فان الغرض من الامام تنفیذ الاحکام ((لایتصور)) التنفیذ سیما عند الاختفاء و لایکون لطفاً و امامانقل عن علی رضی الله عنه فیحتمل عدم صحة الروایة۔

فان قیل ان الامام لطف و ان اختفی فان المکلف اذا اعتقد وجودہ یکون خائفاً من ظھورہ فیمتنع عن القبائح۔

قلنا مجرد الحکم بخلقه و ایجادہ فی وقتٍ مّا کافٍ فی ھذا المعنی فان المکلف یخاف من ظھور حاکم یعلم ان السلطان یرسله کمایخاف من ظھور حاکم مختفی فی القریة بحیث لااثرله کذا فی شرح التجرید۔

واحتج الاصم بأن الغرض من نصبه ھو اسکان الفتنة فعند عدمھا لااحتیاج الیه و رُدّ بأنه مشکل وقت الفتنة نصب امام جدید و اما اذاکان منصوباً قبل ذلک و((منفذا)) فی امر

---

[1] ان الله تعالی خلق الخلق احسانا منه و تفضلا علیھم و ھو سبحانه کمایتولی تربیتھم تکوینا فعلیه ارشادھم الی مافیه سعادتھم من جھة التشریع ایضا و ھذا ھو مایقصد ب "اللطف" ھنا۔ فاللطف : ھو مایتقرب للمکلف الی الطاعة و یبعدہ عن المعصیة من غیر دخالة له فی قدرة المکلف۔

امامته فيسكن الفتنة و احتجاج الفوطى ظاهر البطلان و احتجت المعتزلة[1] و احتجت اهل السنة والجماعة بوجوه.الاول اجماع الصحابة فانهم جعلوه من اهم الواجبات حتى قدموه على دفن رسول الله ﷺ .خطبهم ابوبكر رضى الله عنه لذلك فتبادروا فقالوا صدقت.الثانى ان الشارع((امر)) باقامة الحدود و حفظ ثغور الاسلام و الجهاد مع معاند الاسلام وهى لا يحصل الا بامام و مالا يتم الواجب الا به فهو واجب.الثالث ان فى الامام دفع المضار و استجلاب المنافع وكل ما كان كذلك فهو واجب.اما الصغرى فيكاد ان يكون من الضروريات و كفاك شاهدا مايشاهد من استيلاء الفتن عند عدم رئيس قاهر بل ربما يجرى مثل ذلك فى الحيوانات العجم كالنحل و الجراد و اما الكبرى فبالاجماع.

بيان شرائط الامام عند اهل السنة

الفصل الثالث فى شرائط الامام . الاسلام لان الكافر يجتهد فى هدم الدين وعلو الكفر وايضا "وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا"(النساء: 141). والحرية لان العبد يشتغل بخدمة مولاه و لان الناس يستنكفون من اطاعته والذكورة لان المرأة عديمة الهيبة ناقصة الدين والعقل واجبة الستر. و البلوغ لان الصبى لا ينفذ احكاما و لايكون له شجاعة و تدبير و راى .و الشجاعة لان الجبين لايقوم بالحرب و ضبط الثغور و الثبات فى المعارك .و الاجتهاد حتى يقدر على تنفيذ الاحكام و دفع الشكوك و رفع المخاصمات .و كونه ذو رأى حتى يدبر الحروب و يرتب الجيوش و العدالة اذ الظالم ذئب و الرعية غنم ففيه مضرة و الغرض من نصب الامام فرحة الرعية و الانصاف.القريشية لقوله عليه السلام "الائمة من قريش"[2] و"الولاة من قريش"[3] و" قدموا قريشا "[4] و لان الناس((لايستنكف))فى اطاعته لشرفه خلافا للخوارج و اكثر المعتزلة مستدلين بقوله عليه السلام "اطيعوا ولو امر عليكم عبد حبشى اجدع "[5] الجواب انه فى حق من

۱۔ هكذا فى الاصل ولعله سقط احتجاج المعتزلة من الناسخ

۲۔ المعجم الكبير،باب الالف،حديث 725،ص 252،جزء1

۳۔ السنة لابن ابى عاصم،حديث 1542،ص 640،جزء2

۴۔ مجمع الزوائد،حديث 16450،ص 25،جزء10

۵۔ وفى الاصل "اعرج" والتصحيح منى۔الخراج لابى يوسف،مقدمة للمؤلف،الاحاديث التى رغب فيها الخ،ص 19

نصبه الامام جمعاً بين الادلة او نقول انّ متابعته على سبيل الفرض. يدل عليه انه لايجوز امامة العبد اجماعا منا و منهم شمو.

السلامة من ان يكون اعمىٰ او اصم او ابكم لانعدام الهيبة فيهم و استحقار الناس بهم . و هذه الاشراط ذكرها العلماء من اهل السنة و الجماعة في تصانيفهم و ذكر التفتازانى فى التهذيب انه يكفى عندالاضطرار ذو شوكة[1] نصب و استولىٰ فأن الضرورة تبيح المحظورات[2] و لايخفى انه قلّما اتفق بعد الخلفاء الاربعة الراشدين رضوان الله عليهم اجمعين نصب من يوصف بالصفات المذكورة.

بيان شرائط الامامة عند الشيعة والرد عليهم

و اشترط الشيعة امورا العلوية و ليس لهم فى ذلك حجة و الافضلية احتجاجا بأن تقديم المفضول قبيح عقلا و تقديم المساوى ترجح بلا مرجح.

الجواب منع القبح و ان المفضول ربما يكون اعرف من الافضل بمصالح الامامة و احتج بعض اهل السنة بأن عمر رضى الله عنه جعل الامامة شورىٰ بين ستة مع ان بعضهم افضل من بعض و بأن الافضيلة امر خفى لايعلمها الا الله تعالىٰ.

و قيل ان ذلك لايصلح للاحتجاج على الشيعة لانهم اوجبوا نصب الامام على الله تعالىٰ لا على العبد و اقول كلا بل يصلح فان عدم الوجوب ظنى على العبد ظاهر بين[3] والعلم بجميع المسائل تفصيلاً و رُدّ بأنه محال ضرورةً و ظهور معجزة على يده قد تبين ((بطلان الشرائط الثلاثة)) فى دعوى الامامة بأثبات امامة ابى بكر رضى الله عنه بالاجماع و عدم ظهور المعجزة على يده اجماعاً و العصمة استدلالا بأمور.

الاول ان لم يجب عصمة الامام لزم التسلسل. بيان اللزوم ان المحوج اليه هو جواز صدور الخطا فى العمل و العلم من الناس حتى يزجره الامام فلوجاز الخطامن الامام احتيج الى امام آخر حتى يزجره فهكذا فيلزم التسلسل.

الجواب بوجوه. الاول ان عدم العصمة لايوجب صدورالقبح عن الامام كماسيأتى

[1] وفی الاصل "وشوکتہ" والتصحیح منی۔

[2] تہذیب المنطق والکلام، ص122

[3] لم یتضح لنا نص المخطوط۔

تحقیقه. الثانی مافی شرح التجرید من انه لیس المحوج الیه ماذکر بل المحوج الیه الخوف من ان ینهب المملکة قطاق الطریق و السارقون و امثال ذلك تأمل وتدبر مافیه. الثالث ان الضرورات تبیح المحظورات فلایحتاج الی امام آخریزجره فانه لایخفی ان العصمة امرلایدرکه العقل بل تعلم من النص و لابد من نصب امام فی کل زمان لایوجدفیه امام مع انه لایطلع الناس علی العصمةفعلم ان العصمةلیست بشرط والا لاشکل نصب الامام.

الثانی[1]ان الامام خلیفةالرسول ((وهو))معصوم فکذا نائبه. الجواب ان العلّةفی المقیس علیه اشدّ فالقیاس فاسد. الثالث ان الامام واجب الاطاعةفلوکان غیرمعصوم لزم ارتکاب المعصیة وهو فاسد. الجواب ان اطاعته منحصرةفی مالیس بمعصیةٍ و لاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق.[2] الرابع ان غیرالمعصوم ظالم ولاینال عهدالامامةلقوله تعالیٰ "لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ "(البقرة:124). الجواب بأن عدم العصمةالمعصیة ممنوع ولوسلم ایجابه اماما فلانسلم استلزام کون غیرالمعصوم ظالما فان الظالم من ارتکب معصیةً مسقطةعن العدالة. واشترط الشیعة امورا اخریٰ لاحاجةفی ابطالها الی الدلیل.

قال ابوجعفر منهم للامام علامات یکون اعلم الناس و احلمهم و اتقاهم واسخاهم واشجعهم و اعبدهم ویولد مختونامطهرا ویری خلفه کمایری امامه و اذا وقع علی الارض من بطن امه وقع علی راحته رافعاصوته بالشهادة ولایحتم ولا ینام قلبه ویستوی علیه درع النبی علیه السلام ویکون عنده ذوالفقار و صحف فاطمةرضی الله عنها وهو صحیفةنزلت من السماء فی مدح اثنتی عشرةالائمة ویکون عنده صحیفةفیهااسماء متابعیه و مخالفیه الی یوم القیامةولایری بول ولاغائط الی غیرذلك من الاباطیل.

بیان طرق انعقاد الامامة

الفصل الرابع فیما یحصل به الامامة و ذلك امور والاول التنصیص من رسول اللهﷺ. الثانی التنصیص من الامام السابق و علی حصول الامامةلهذین الشرطین اجماع. الثالث بیعةاهل الحل و العقد عنداهل السنةوالمعتزلةوبعض الشیعةخلافاًلاکثرالشیعة بوجوه.

---

[1] هذا استدلال ثان لشیعة علی اشتراط العصمة

[2] سنن نسائی، کتاب البیعة، جزاء من امر بمعصیة، جز 07، ص 159

الاول ان الامامة نيابة الله والرسول فلا تحصل بقول الغير اذلوثبت لكان الامام خليفة اهل التبعة لاخليفة الله ورسوله. اجيب بأن البيعة مظهر للامامة كاشفا عن كونه اماما نائبا من الله ورسوله دليلا على ذلك طو.

الثانى ان اثبات الامامة بالبيعة يفضى الى اثارة الفتنة لاحتمال ان يبايع كل فرقة شخصا فيقع الحروب بينهم. اجيب بأن فتنة عدم الامام اشد من ذلك شمو.

الثالث ان القضاء امر صغير لايحصل بالبيعة و الامامة امر عظيم خطير فكيف تحصل بها؟ اجيب بأن لانسلم عدم الانعقاد القضاء بها و لو سلم فذلك عند وجود الامام اما عند عدمه فلا بد من تنفيذ الاحكام من قاض طو شمو.

الرابع ان اهل البيعة لاتصرف لهم على الرعية تملك عليهم شخصا آخرا. اجيب بأن بيعة اهل الحل و العقد امارة انها منصوصة من الله ورسوله لان الله تعالىٰ جعل حجةً بيعتهم على المسلمين شمو. وبأن ذلك منتقض بالشاهد فأنه لاتصرف له على المشهود عليه و مع ذلك يجعل الحاكم متصرفا عليه بالحكم عليه طو شمو.

الخامس انه يخفى على اهل البيعة بعض الشروط كالعصمة و الافضلية. اجيب بمنع الاشتراط كما مرّ و بمنع الخفاء بمعنى عدم الظن ته على تقدير تسليم الاشتراط[1]

ثم قالوا ان رسول الله ﷺ كان يستخلف على المدينة وقت غيبوبته عنها مدةً قليلةً فلا بد من ان يستخلف بعد موته و ان الامامة من معظمات امور الدين وقد قال الله تعالىٰ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" (المائدة: 03) فلزم ان الله تعالىٰ قد تبين خلافة الخلفاء فى كتابه او بين رسول الله ﷺ و الا لزم نقصان الدين و يناقضه الامامة المذكورة.

اجيب عن الاول بأن رسول الله ﷺ علم ان الصحابة يتبادرون بذلك سيجئ مفصلا ان شاء الله تعالىٰ و عن الثانى ان بيعة اهل الحل و العقد كنص الله ورسوله فلا يلزم نقصان.

ثم اعلم انه قال اهل السنة والجماعة لايشترط فى البيعة اجماع جميع اهل الحل و العقد بل يكفى عند بعضهم بيعة خمسة من اهل العلم و قيل يكفى بيعة اربعة و قيل يكفى بيعة واحد. قال بعض العلماء و هو الاصح. قال بعضهم يلزم ان يكون البيعة على رؤس الاشهاد.

ا۔ تقریب المرام فی شرح تہذب الکلام، ص 359

الباب الثانی

فی ذکر صحابة رسول الله ﷺ وبیان خلافتهم و اثبات امامتهم و رد الشیعة والروافض. یشتمل علی ثلثة ابواب.الباب الاول فی فضائل الصحابة و فیه فصول[۱] وفی الاصل "فصل عشر" والتصحیح منی اعشر.

بیان فی مرتبة الافضلیة

الفصل الاول فی مرتبة الافضلیة افضل الامم امة نبیّنا ﷺ لقوله تعالیٰ "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ" (آل عمران:110) ولقوله علیه السلام مدة عمرکم وبقائکم بالنسبة بقیة الامم السابقةو اعمارهم کزمان بین العصر والمغرب ومع ذلك یثابون اکثر مما یثابون.[۱] وقصتکم مع الیهود و النصاریٰ کقصة رجل استاجر ثلثة رجال علی عمل فعمل احدهم من الصبح الی نصف النهار وعمل الآخر من نصف النهار الی العصر فاعطی المستاجر لهما قیراطین وعمل الاخر من العصر الی المغرب فاعطاه قیراطین فتنازع الامرءان و قالا قد عملنا اکثر مما عمل فلم ضاعفت اجره؛ فقال المستاجر قد اعطیتکم حقکم و ذلك فضل اعطیته ممن شاء.الاول حال الیهود و الثانی حال النصاریٰ و الثالث اشارة الی تلك الامة المرحومة[۲] تك.

و افضل امته ﷺ صحابة الکرام العظام الباذلة لرسول الله ﷺ اموالهم و اهلهم.قال الفقیر فی بعض قصائده شعر

یامن ترین نجاة من عذاب لظی ۔۔۔ اکرم صحابة خیر الخلق واستقم
انهم الذین علا دین النبی بهم ۔۔۔ وشاع نحو نواحی العرب و العجم
وجاهدوا بلیغ[۳] الجهد طالبة ۔۔۔ رضاء سیدنا راضین بالنقم.

۱۔ للمعجم الکبیر،باب العین،جز 12،ص 412،لفظ روایة الطبرانی "مااعمارکم فی اعمار من مضی الا کما بقی من هذا النهار فیما مضی منه" وروایة المتن بمعناها۔

۲۔ شرح السنة للبغوی،باب فضل الله سبحانه مع هذه الامة،جز 14،ص 219

۳۔ وفی الاصل "سلیع" والتصحیح منی۔

((الفصل الثانی فی تعریف الصحابی))

واختلفوا فی تعریف الصحابی فقیل من رای رسول الله ﷺ مومنا و لو کان اعمیٰ[1] وان نظر دفعة واحدة و مات علی الایمان وان تخلل ردة وعلی هذا لایکون عبدالله بن مکتوم رضی الله عنه صحابیا الاان یقال ان المراد هو الرؤیة بالعین او مایقوم مقامها کالمجالسة و المکالمة وسماع الکلام. والاولیٰ ان یقال من وقع الرؤیة بینه و بین رسول الله ﷺ حتی یشتمل من کان اعمیٰ وقیل من امتد صحبته مع رسول الله ﷺ وحضر معه فی المعارك وقالوا ان اقلّ ذلك ستة اشهر والخیریة و الافضلیة المذکورة مختصة بهذا القسم من الصحابة ولیست بعامّة هذا والمختار عندالجمهور انها عامّة فان النظر الی جمال رسول الله ﷺ والمجالسة معه ساعةً واستماع الکلام منه موجب بفضیلة وبرکة لاتحصل للآخرین[2] بالمجاهدة والخلوة و الاربعینات تك. فلایجوز ان یکون احد من غیرالصحابة کمثلهم فضلا عن ان یکون افضل منهم.

وخالف فی ذلك قدوة علماء الحدیث الشیخ عبدالبر قدس سره العزیز الشریف استدلالا بقوله علیه السلام "مثل امتی کمثل المطر لایدری اوله خیر او آخره"[3] و بما جاء فی الحدیث من انه قیل لرسول الله ﷺ "ان یکون احد من الذین آمنوا معك[4] وجاهدوا خیرا؛ فقال نعم قوم یحبون بعدکم و یومنون معی مع انهم لم یروا"[5] و ماقال ابن مسعود رضی الله عنه انه کان امر رسول الله ﷺ علی من راه واضحا و منورا و لا یکون افضل من الایمان معه فی الغیبة".[6] وجاء فی الحدیث "یکون التمسك فی آخر الزمان بالدین والسنة کبطش النار. من تمسك فی ذلك الزمان بالسنة تکون اجره کاجره خمسین رجلاً

---

[1] "ولو کان اعمیٰ" لعل هذه الجملة مدخول علیه ولیس منه لان مفصول ماقبلها و مابعدها ولیس له معنی هنا۔

[2] وفی الاصل "للاخیرین" والتصحیح منی۔

[3] للمعجم الکبیر جز 14، ص56

[4] وفی الاصل "معکم" والتصحیح منی۔

[5] لم اجد بهذا الالفاظ بل وجدت فی المستدرک بمعناه و نصه "قالوا یارسول الله احد خیر منا اسلمنا معک و جاهدنا معک قال نعم قوم یکونون بعضکم یؤمنون بی ولم یرونی۔ مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، ذکر فضائل الامة الخ، جز 04، ص95

[6] لم نعثر علیه۔

فقالوا یارسول اللہ ﷺ منا اومنکم؛ فقال منکم"[1] وغیرذلک من الاحادیث. اجیب ان المراد بتلک الخیریة من جهةٍ واحدةٍ هی الایمان بالغیب تک.

واما الفضل الکلی فهوثابت للمصاحبة بایات و احادیث تفید الجزم و الیقین القاطع بافضلیتهم وذلک الاختلاف من ابن عبدالبر انما هوفی الذین اکتفوا بالنظر الواحدو لم یطلبوا الجلوس و مع ذلک هذه الحکایة لیست بمقبولةٍ منه لماذ کرنا قبل ذلک.

بیان تحقق الاجماع علی خلافة ابو بکر الصدیق

الفصل الثالث فی تحقق الاجماع خلاف. روی الشیخان حدیثا حاصله "انه لمامات رسول اللہ ﷺ اجتمع الانصار فی سقیفة بنی ساعدةٍ وکان موضع مشاورتهم. قیل انهم ارادوا بیعة سعدبن عبادة الانصاری رضی اللہ عنه فجاءهم الشیخان رضی اللہ عنهم مع المهاجرین فقام خطیب الانصار وقال ایها المهاجرون انا جمٌ غفیر من الاسلام و انکم رهط منا وقدجاء قوم منکم یریدون انفرادهم بالخلافة وانقطاعنا عنهافقال ابوبکر رضی اللہ عنه "ان النبی ﷺ قال الائمة من قریش" فقال رجل من الانصار منا امیر و منکم امیر فکثر اختلاف الاقوال وعلت الاصوات حتی قال عمر رضی اللہ عنه لابی بکر رضی اللہ عنه امدد یدک ابایعک فبایعه المهاجرون ثم الانصار قیل ان ابابکر رضی اللہ عنه بایعه علی فی ذلک الیوم او فی یوم عقیب ذلک. وقال الشیخ عبدالحق الدهلوی والامام البیهقی انه الصحیح و وقع فی حدیث ان علیا و زبیرا رضی اللہ عنهما بایعاه فی ذلک الیوم صو.

والتوفیق بین ذلک و بین ذلک الحدیث الذی رواه البخاری فی صحیحه من انه بایعه بعدموت فاطمة رضی اللہ عنها و موتها بعدستة اشهر من وفاة رسول اللہ ﷺ ان علیا رضی اللہ عنه بایع ابابکر رضی اللہ عنه مرتین البیعة الاولیٰ فی یوم بایعه الناس فلما وقع بین فاطمة وابی بکر رضی اللہ عنهما کلام بسبب میراث رسول اللہ ﷺ وافترق بذلک عن ابی بکر رضی اللہ عنه فبایعه اخریٰ کذا ذکره الشارح الکرمانی فی شرح صحیح البخاری و صاحب الصواعق المحرقة.

---

[1] لم اجد بهذا الالفاظ بل وجدت فی سنن ابی داؤد بمعناه ونصه "فان وراتکم ایام الصبر الصبر فیه مثل قبض علی الجمر للعامل فیهم مثل اجر خمسین رجلا یعملون مثل عمله قال یا رسول اللہ اجر خمسین منهم؟ قال اجر خمسین منکم" سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنهی، جز 04، ص 121

روی انه قال ابوبکر رضی الله عنه علیا رضی الله عنه ((انت)) اصلح للامامة فقام علی رضی الله عنه وسلّ السیف وقال قدّمك رسول الله ﷺ فمن الذی یؤخرك؛ فقال ابوبکر رضی الله عنه مثل ماقال فقال علی رضی الله عنه مثل ماقال و انی کنت عند رسول الله ﷺ فلم یأمرنی فقال "مروا ابابکر ان یصلی بالناس".

اما الجواب عن تأخر بعض الصحابة عن البیعة بوجوه. الاول انهم تحروا و اجتهدوا و تأملوا فلما راوا حقیقة خلافة ابی بکر رضی الله عنه بایعوه و ابقوه. الثانی انهم غضبوا لما کان لهم فی المشورة حق و لم یکن ذلك لانکار خلافته و فضله کماروی البخاری من حدیث فیه انه قال علی کرم الله وجهه کان لنافی المشورة حق لقرابة رسول الله ﷺ فغضبنا لذلك و لم انکر فضلك وحقیقة خلافتك. الثالث انهم لحقهم غم بسبب موت رسول الله ﷺ وعلموا ان الامر تمّ بحصول اهل الحل و العقد وجوابان الاخران یختصان بافتراق علی رضی الله عنه.

الاول انه کان شاغلا فی ترتیب القرآن روی ابوداؤد ان ابابکر رضی الله عنه لقی علیا رضی الله عنه فقال ا کرهت امامتی؛ فقال لا ولکن اقسمت ان لاالقی الرداء علی منکبی الا الی الصلوة حتی اجمع القرآن.[1] الثانی انه کان شاغلا بخدمة فاطمة رضی الله عنها.

بالجملة قد ثبت بالاجماع انه بایع جمیع الصحابة مع ابی بکر رضی الله عنه و بایع علی رضی الله عنه فی ذلك الیوم علی ماهو الصحیح او بعد ذلك والاجماع حجة قویة قطعیة یقینة و ایراد العلماء الدلائل الاخری علی خلافته انماهو تاکید و الزام للخصم. وماقیل انه لم یبایعه سعد بن عبادة ضعیف صو والاجماع حجة قطعیة و الاخبار التی یستدل بها الملحدون علی طعن خلافته ظنیة فلا یعارض الظنی القطعی.

اثبات خلافة عمر رضی الله تعالی عنه

الفصل الرابع فی اثبات خلافة عمر رضی الله تعالی عنه امیر المومنین الناطق بالحق و الصواب عمر بن الخطاب رضی الله عنه و امرها ظاهر فانه لما ثبت خلافة ابی بکر رضی الله عنه بأوضح الدلائل ثبت خلافة عمر بن الخطاب لما انه فوّض الخلافة وقت اقباله من الدنیا الی العقبیٰ الی عمر رضی الله عنه و بایعه جمیع الصحابة وعلی رضی الله عنه فثبت خلافته بالاجماع وکان اماما عادلا ورعا تقیا.

---

[1] الصواعق المحرقة، الفصل الرابع فی نبذ من کلماته الخ، جز 02، ص 375

اثبات خلافة عثمان رضي الله تعالى عنه

الفصل الخامس فی اثبات خلافة امیر المومنین السعید الشهید جامع القرآن کامل الحیاء و الایمان عثمان بن عفان رضی الله عنه و لما فات امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی الله عنه ترك الامامة شوریٰ بین ستة عثمان و علی و زبیر و طلحة و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضوان الله علیهم اجمعین.

قاضت خمستهم عبد الرحمن بن عوف و قاضیٰ هو عثمان رضی الله عنه فثبت خلافتهم باجماع الصحابة رضوان الله علیهم اجمعین وکان اماما عادلا شفیقا علی الاقرباء اتباعاً لشریعة محمد ﷺ

اثبات خلافة علي رضي الله تعالى عنه

الفصل السادس فی اثبات خلافة امیر المومنین امام الاشجعین اسد الله الغالب علی بن ابی طالب رضی الله عنه ولما فات امیر المومنین عثمان بن عفان رضی الله عنه عادت الصحابة الی امیر المومنین علی رضی الله عنه یلتمسون الخلافة فاختارها و بایعوه لما انه کان افضل اهل زمانه و مستحقا للخلافة فثبت خلافته للاجماع و ههنا کلام هو ان دعویٰ الاجماع علی من قال ان نزاع المخالفین معه لم یکن لاجل الخلافة بل بطلب دم عثمان رضی الله عنه ظاهر و اما علی قول من ان نزاعهم لامر الخلافة کما یشیر الیه کلام التمهید فلوجوه.

الاول ما قال التفتازانی فی شرح المقاصد انه اتفق الکل فی وقت شوریٰ علی خلافة عثمان رضی الله عنه فثبت انه لولا عثمان رضی الله عنه فعلی رضی الله عنه و مخالفة المجتهدین بعده لایضر بالاجماع.

الثانی ما قیل انه یکفی فی تحقیق الاجماع اتفاق اکثر اهل الحل و العقد.

اما الجواب بان مخالفه لم یکونوا مجتهدین فلا یضر فی اتفاقهم باطل یشمّ منه رائحة الرفض و بالجملة اجتماع اهل السنة والجماعة ان الاحقاء بالخلیفة صدقا کان امیر المومنین علی رضی الله عنه و مخالفیه کانوا باغین طاغین

و خاطئین فی الاجتهاد.

اثبات خلافة حسن رضي الله تعالى عنه

الفصل السابع فی اثبات خلافة امام السید الشهید امام حسن بن علی رضی الله عنهما

ثبتت ببيعة اهل الحل و العقد و بقوله عليه السلام "الخلافة بعدی ثلثون سنةً".[1] وقد بقی بعد وفاة علی رضی الله عنه ستة اشهر من الثلثين كان هو اماما فيها وكان خليفة مستحقا للخلافة اماما عادلا تقيا حتى ترك نفسه من الخلافة و سلمه الى معاوية رضی الله عنه قصدا و اختيارا مع القدرة تسكينا للفتنة، اللهم اجعلنا من احبابه بفضله و كرمه الجسيم۔

اثبات خلافة معاوية رضی الله تعالٰی عنه

الفصل الثامن فی اثبات خلافة امير المومنين و خال المسلمين معاوية رضی الله عنه و ذكر ماجری بينه و بين علی كرم الله وجهه و دفع مطاعن الملحدين قبحهم الله ومتعنا الله تعالٰی بحبهما۔

اعلم ان ذكر ماجری بينهما ممنوع لانه هجو[2] علی بعض الصحابة والطعن فيهم و كذا رواية قصة شهداء الكربلاء حرام مطلقا لانه ذكر مالايليق بجنابهم العظيم لانه لابد من ذكر مالابد منه يندفع اعتراضات الجهال علی الفريقين علی رضی الله عنه و معاوية رضی الله عنه فانه قد الحق المورخون مالم يقع فی خلافتهما[3] ومالم يقبل سماع القبول ولاوجه له من وجوه الصحة فنقول انه لما قتل عثمان رضی الله عنه و جلس اسد الله الغالب علی رضی الله عنه سرير الخلافة وكانت قتلة عثمان رضی الله عنه فی عسكره فطلب معاوية رضی الله عنه ان يسلمهم اليه و علی رضی الله عنه لما علم ان تسليمهم اليه الآن مع كثرة عشائرهم و علو درجتهم و عدم استقرار[4] امر الخلافة و ضبطته يودی الی الخلع و فساده فاراد انه اذا استقر امر الامامة يسلمهم الی معاوية رضی الله عنه

و يويده ماروی انه نادی علی رضی الله عنه يوم حرب الجمل ان يخرج قتلة عثمان رضی الله عنه من عسكره فارادوا الخروج عليه لكثرة قوتهم و شوكتهم فكلاهما كانا مجتهدين لكنه اصاب علی رضی الله عنه فی اجتهاده و اخطا معاوية رضی الله عنه و المخطی فی الاجتهاد ليس بماخوذ

---

[1] صحيح ابن حبان، كتاب اخباره عليه السلام عن مناقب الصحابة، جر 15، ص 392

[2] لم يتضح لنا نص المخطوط۔

[3] وفی الاصل "مالم يقع الخلافة" والتصحيح منی۔

[4] وفی الاصل "عدم استقرارهم" والتصحيح منی۔

بل ماجور و مغفور فلمعاوية رضی الله عنه اجرواحدو لعلی رضی الله عنه اجران او عشرة. فمن سبّ احدهما فانه ينقب فی سدّ الاسلام و هو عدو خير الانام صلی الله عليه وآله و سلم فی الدنيا و يوم القيامة.

روی عن ابن عباس رضی الله عنه "لولم يطلب الناس قصاص عثمان رضی الله عنه لنزل من السماء حجارة"[1] صو. روی عن ابن مسعود رضی الله عنه "اذا ذكر اصحابی فامسكوا"[2] بس. قيل انه سئل ابراهيم النخعی[3] عن ذلك فقال تلك دماء قدسلمت ايدينامنها فلا نتلطخ منها السنتنا[4] بس.

اعلم ان معاوية رضی الله عنه لم يكن خليفة فی حياة علی كرّم الله وجهه و لاقبل تسليم الحسن الخلافة اليه بل كان باغيا خارجا عن اطاعة الامام تك. ثم ينبغی ان يعلم ان اطلاق لفظ الباغی عليه لماانّ فعله كان فی صورة البغی ولايطلق عليه كمايطلق علی من خرج علی الامام بهواء نفسه الفاسد فانه لم يخرج علی علی رضی الله عنه بهواء نفسه بل بالاجتهاد و معنی[5] قوله ﷺ لعمّار[6] رضی الله عنه "تقتلك الفئة الباغية"[7] ای الطالبة لدم عثمان رضی الله عنه لان البغی بمعنی الطلب او يقال انه فی صورة البغی و علی تقدير التسليم[8] ب

۱۔ الصواعق المحرقة، الفصل الثالث فی نبذ من مآثره الخ، جز 01، ص 328۔

۲۔ المعجم الكبير، باب العين، جز 10، ص 198

۳۔ لم اجد رواية عن ابراهيم النخعی ولكن وجدت عن عمر بن عبد العزيز كما فی "تاريخ دمشق لابن عساكر، حرف الياء، ص 133۔ جزء 65"

۴۔ شرح السنة للبغوی، كتاب فضائل الصحابة، جز 14، ص 132

۵۔ وفی الاصل "بمعنی" والتصحيح منی۔

۶۔ ليس نصا فی ان هذا اللفظ لمعاوية واصحابه بل يمكن انه اريد به تلك العصابة اللتی حملت عليه حتی قتله وهی طائفة من العسكر ومن رضی بقتل عمار كان حكمه حكمها ومن المعلوم انه كان فی العسكر من لم يرض بقتل عمار كعبدالله بن عمرو بن العاص وغيره بک كل الناس كانوا منكرين بقتل عمار حتی معاوية وعمرو

۷۔ صحيح مسلم، كتاب الفتن واشراط الساعة، باب لاتقوم الساعة الخ، جز 04، ص 2236

۸۔ هذا علی سبيل التنزل كما هو داب المناظرين من التنزل بتسليم ما يخالف مذهبهم والمقصود منه اسكات الخصم وقطع استدلاله علی سبيل ارخاء العنان بعد الجواب بما هو الحق

اطلاق البغی علیہ بمعنی المعروف[1] لایکفر و لایفسق فان الباغی لیس بکافر لقولہ تعالیٰ" وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا "(الحجرات 09) سماھما مومنین وقال النبی ﷺ "ان الحسن بن علی رضی اللہ عنھما یصلح بین الفئتین من المسلمین"[2] وقد صالح بین قومہ و قوم معاویۃ رضی اللہ عنہ. روی انہ جیئ برجل یوم الصفین عند علی کرم اللہ وجھہ اسیرا وکان من جانب معاویۃ رضی اللہ عنہ فقال قائل سبحان اللہ (کان) من المسلمین فقال علی رضی اللہ عنہ ما تقول[3] انہ مسلم ولیس بکافر تک.

ولیس الباغی بفاسق لانہ کیف یجوز علی طلحۃ و زبیر المبشرین بالجنۃ الموصوفین باعلی المناقب واسنی المراتب ارتکاب الفسق و الخروج عن العدالۃ صو. روی عنہ علیہ السلام انہ قال "اول من یثلم سنتی رجل من بنی امیۃ اسمہ یزید"[4] فعلم ان المعاویۃ رضی اللہ عنہ لم یثلمھا و لم یخرج من الحق عمدا صو. روی انہ شتم رجل معاویۃ رضی اللہ عنہ عند عمر بن عبد العزیز سلمہ العزیز فعزرہ بالسوط[5] و قیل من شتم معاویۃ و عمرو بن العاص بانھما کانا علی کفر یصیر کافرا ثم فکفوا ایھا الناس عنھم و لا تذکروھم الا بخیر فان ذلک خیر کثیر. روی الامام احمد فی مسندہ انہ قال علیہ السلام "اللھم علم معاویۃ الکتاب و الحساب وقہ العذاب"[6] فانہ یدل علی ان معاویۃ رضی اللہ عنہ لیس ماخوذ فی ما فعل لعلی رضی اللہ عنہ صو.

واما بعد وفات علی رضی اللہ عنہ و صلح الحسن رضی اللہ عنہ معہ فخلافتہ حق و امامتہ صدق

1۔ المعنی المعروف للبغی ھو الخروج بمقابلۃ الامام الحق عنادا او اجتھادا کما فی "الدر المختار" "البغی شرعا ھم الخارجون عن الامام الحق بغیر حق فلو بحق فلیسوا ببغاۃ" (کتاب الجھاد، باب البغاۃ، ص 398، جزء 06) ولکن الان لا یجوز اطلاق ھذا الاسم علی الصحابی لانہ فی عرفنا الباغی بمعنی المفسد و المعاند و المتمرد و ھذا سب فی حق الصحابی کما قال صدر الشریعۃ امجد علی الاعظمی فی کتابہ المسمی بـ "بہار شریعت"۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی للحسن الخ، جز 03، ص 186

3۔ وفی الاصل یقول والتصحیح منی۔

4۔ الصواعق المحرقۃ، جز 2، ص 633

5۔ الصواعق المحرقۃ، جز 2، ص 633

6۔ مسند احمد (الرسالۃ)، مسند شامیین، حدیث العرباض بن ساریۃ، جز 28، ص 383

و الیه ذهب غوث الثقلین الشیخ عبدالقادر الجیلانی و المهتدی بالله الامام الهمام ابوشکور السالمی والشیخ ابن الحجر المکی صاحب صواعق المحرقة والیه یشیر کلام امام احمد بن حنبل رحمهم الله تعالیٰ وهو المرضی عندی و منعه اکثر الناس وقالوا انه ملک و امیر ولیس من الخلفاء و الائمة.

واحتجوا بوجوه الاول قوله علیه السلام "الخلافة بعدی ثلثون سنةً"[1] وقد تم الثلثون بعد علی رضی الله عنه او بستة اشهر من خلافة حسن رضی الله عنه. الثانی ان حسن بن علی رضی الله عنهما لم یسلم الخلافة الیه باختیار بل بالاضطرار فلا یکون خلیفةً.

الجواب عن الاول ان المراد بالخلافة هی الخلافة الکاملة لا الخلافة مطلقا الاتریٰ الی حدیث روی بطرق کثیرة و هو انه قال علیه السلام "یکون بعدی اثنا عشر خلیفةً"[2] وقد اتفق العلماء علی وجوب نصب الامام فی کل زمان فلو انحصر الخلافة فی الثلثین لزم خلو الامة عن الامام و هذا ممنوع. الثانی ان معاویة رضی الله عنه طلب منه[3] الصلح فسلّم الیه الخلافة مع انه کان ذا عسکر عظیم و شوکة جسیمة فلا یتصور منه السکوت عن الحق و الرضا بالباطل مع تمکنه عن المقابلة معه و الرضی بالباطل منزلة عظیمة ولذلک لم یرض علی رضی الله عنه بخلافة معاویة رضی الله عنه و قاتله و ان النبی علیه السلام قال له "اذا ملکت امر هذه الامة فاحسن".[4]

و ان الترمذی قد روی انه قال علیه السلام لمعاویة رضی الله عنه "اللهم اجعله هادیا مهدیا".[5] فان کل ذلک یدل علی اهلیة الخلافة و کونه خلیفةً فان المتغلب فاسق لایستحق لان یبشره النبی ﷺ بالخلافة و یأمر بالاحسان فی امر تغلیب فیه بل کان یستحق الزجر و العقاب ضو. و ان المعاویة رضی الله عنه لو کان بحیث لا یصیر اماما مع تسلیم الحسن رضی الله عنه الخلافة الیه لزم رضاء الحسن بخلو الامام عن الامة مع وجب نصبه

۱۔ صحیح ابن حبان، کتاب اخباره علیه السلام عن مناقب الصحابة، جز 15، ص 392

۲۔ صحیح ابن حبان، باب اخباره علیه السلام عما یکون فی امته الخ، جز 15، ص 43

۳۔ وفی الاصل "من الصلح" والتصحیح منی

۴۔ الصواعق المحرقة، الخاتمة فی عقائد اهل سنة، جز 02، ص 626 صو

۵۔ سنن ترمذی (بشار) ابواب المناقب، باب مناقب معاویة، جز 06، ص 169

علیناً و ان ذلك ظلم علی الرعیةفان مسترعی الذئب ظلم فظهر من ذلك حقیقة خلافة معاویة رضی الله عنه یکفیك هذا المقدار و لایخفی علی من له فهم و ادراك.

واما مانسب الیه و الی عمرو بن العاص رضی الله عنهما مایستهجن فبعضه لیس بصحیح فان تلك الاخبار ظنیة

و صحبةرسول الله ﷺ قطعیةفلایعارض الظنی القطعی و ماصح فله محامل و تأویلات و لایذکر التشاجر فان الله ینزع مافی صدورهم صار اخواناعلی سررمتقابلین و لصعوبةالمقام انکر بعض الناس تلك الحروب مطلقاً و لاشك فی انه مکابرةو انکار التواتر.

ابطال خلافة یزید

الفصل التاسع فی ابطال خلافة یزید بن معاویة علیه ما علیه اعلم انه زعم بعض الناس ان یزید صار اماماباتفاق المسلمین و وجب اطاعته علی امیر المومنین حسین بن علی رضی الله عنهما نعوذبالله من هذا الاعتقاد.این الاتفاق علی خلافته و کان سائر الصحابةو اولادهم خارجین عن اطاعته.نعم ذهب الیه جماعةمن المدینة کرهاوجبراً فلمارأوا قباحةحاله رجعوا الی المدینةو خلعوا بیعته و قالوا انه عدوالله و مستحیل المحارم وشارب الخمرو تارك الصلوة فتظهر منه شنائع لم یظهرمن احدسواه.ارسل العسکر لتخریب المدینةالمطهرةو غیرذلك من جنایته.

بیان شبهات الشیعة و الرد علیهم

الفصل الثالث[1] — فی رد اباطیل الشیعة الشنیعة واکاذیبهم.

الشبهة الاولی:

فمنهم قولهم ان صحابةرسول الله ﷺ اضاعوا حق علی رضی الله عنه و ظلموه و تکفیرهم الصحابة کذلك لعنهم لعناجسیما.

الجواب ظاهر فانه لایتصور من جمیع صحابةرسول الله ﷺ الاتفاق علی الباطل و الکفر فان هذامستلزم لفساد الشریعة منهاج القرآن والاحادیث لوجازت یقصر الافهام عن فهم جمیع الاحکام منه فمناط الشریعة هی الاحادیث و لم یروها من رسول الله ﷺ الااصحابه ولو

---

[1] هذا الفصل من فصول القسم الثالث من الکتاب و القرینة علیه قوله فی الباب الاول "و للرافضی فی الاختلافین شبهات یجیء الکلام علیها فی القسم الثالث من الکتاب ان ساعدنی توفیق الوهاب".

كفروا و اتفقوا على الباطل لبطل الاعتماد فيلزم فسادالشريعةو ايضاًالقرآن شاهد بعدالةالصحابة و استحكامهم فى الاسلام ولو اتفقوا على الباطل لزم رضاءعلى رضى الله عنه بامرباطل و لايليق ذلك بشانه وبطلانه وبطلان التقية سياتيك ان شاء الله تعالى.
وقال الامام العراقى ان نملةسليمان عليه السلام اعقل من الرافضى فانهاقالت للنمل "ادْخُلُوا مَسٰكِنَكُمْ۔
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ"(النمل:18) حال كونهم غيرمشعرين بكم و اماحال كونهم مشعرين فلايوذونكم فانهم اصحاب النبى عليه السلام و الروافض قالوا ان الصحابةاضاعوا حق على رضى الله عنه عمدا مع ان صحابةرسول الله ﷺ افضل من صحابةسليمان عليه السلام دينا وشرافةً و من جهل الشيعة تكفيرهم عليارضى الله عنه لرضائه الباطل و عامةالكفار" فاعتبروا يا اولى الابصار" و انظروا الى جهل هولاء العجماء الحمقاء.وقدسبق الاحاديث الناهيةعن سبهم و القرآن مملوبثناءهم و التوراةوالانجيل مذكور فيهمامدحهم و شانهم.

الشبهة الثانية:

منها زعمهم انهم هم الفرقة الناجيةالمرادة بقوله عليه السلام "الاواحدة" وقدباحثنا بعض الشيعة الشنيعة الامامية . الجواب انه قدسبق الدليل على ان الفرقةالناجيةهى الاشاعرة . وان قولهم انه ينبغى مخالفة الفرقة الناجية لسائر الفرق امر غيرمعقول بل لايخفى على العاقل انه يستدل على حقيقةالامر بموافقةالعقلاء عليه و امالانسلم ان الشيعةيخلفون سائر الفرق فى الاعتقاديات بل هم يوافقون المعتزلةفى سائر المسائل الاعتقادية الا فى بعض مسائل الامامةوهى من الفروع .ح.و انه قدوقع فى كتاب الله تعالى و احاديث رسول الله ﷺ وصف الايمان بالبروز و الظهور و العلو و لايخفى ان الشيعةيوجبون التقية و يخفون مذهبهم كما يخفى المراةحيضها و ان الدال على جهلهم انهم يقولون ان عليا رضى الله عنه كان الهاً او نبيااو شريكافى النبوة ممالاشك فى بطلانه و كذا اكثر اقاويلهم بل كلها مردودةبالبراهين القطعية و الحجج الساطعة كمالايخفى.
بيان تمسكات الشيعة على افضلية على رضى الله عنه و الرد عليهم

الشبهة الثالثه:

منها قولهم يجب ان يكون الامام افضل اهل زمانه زعامنهم ان امامة المفضول قبيحة عقلاو الافضل على كرم الله وجهه بوجوه.آية المباهلة" فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ "جادلك يامحمد ﷺ من النصارىٰ فى حق عيسىٰ عليه السلام ويقول انه هو ابن الله و غير ذلك مماقالوا لعنهم الله تعالى "مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا .هلموا ياايها النصارىٰ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَ كُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ.يدع كل منى و منكم ابناءه و نفسه ثُمَّ نَبْتَهِلْ .فنقول بهلة الله على الكاذب منا و منكم حتى يهلك الكاذب. البهلة بالفتح و الضم اللعنة و بهله الله لعنه و ابعده من رحمته و اصل ابتهال هذا ثم استعمل فى كل دعاء يجتهد فيه و ان لم يكن التعانا كش. فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ "(آل عمران:61). [1] روى انه عليه السلام لمادعالهم الى المباهلةقالوا نرجع و ننظر فقال لهم كبيرهم لقدعلمتم يامعشر النصارىٰ ان محمدا ﷺ نبى مرسل و لقدجاء كم بالحق من ربكم والله مابأهل قوم نبيا الاوقداهلكوا فارجعواالى بلادكم فاتوا رسول الله ﷺ و معه على و فاطمةوحسن وحسين رضوان الله عليهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم(("اذا انادعوت فامّنوا" فقال اسقف نجران))يامعشر النصارىٰ انى لأرىٰ وجوهالوشاء الله ان يزيل جبلا من مكانه لازالته بهافقالوا نقرك على دينك و نثبت على ديننافقال فاسلموا فابوافقال انأجزكم قالوا مالنابحرب العرب طاقةولكن نصالحك على ان لاتغزونا و لا تخافونا ولاتردهنا عن ديننا على ان نودى اليك كل عام الفى حلةً .الف فى رجب و الف فى صفر وثلثين درعا من حديد فصالحهم على ذلك.[2] كش

قالت الروافض ان المرادبانفسنا على رضى الله عنه كماهو راى المفسرين و ليس على رضى الله عنه نفس نبينا ﷺ بل المرادمنه المساوات فى الفضائل سوى النبوة ولاشك ان رسول الله ﷺ افضل من الصحابة فيماسوى النبوة ايضافكذا على رضى الله عنه.

الجواب بوجوه. الاول انه وقع فى جامع البيان ان العرب يقول لابن العم نفساً. الثانى ان المراد هو المحبة والتقرب كمايقال للمحب نفسى لاالمساوات فى الفضل و القول بان النبوة

---

[1] تفسیر کشاف،جز1ص395

[2] تفسیر کشاف،جز1ص396

مستثناة تكلف بعيد. الثالث ان ذلك انما يدل على فضله وشرفه ولا ننكره و ما على المطلوب يدل فان المطلوب كثرة الثواب عند الله تعالى سبحانه شمو. ته. الرابع ان العام اذا خص منه البعض لا يصح حجة في البواقي على الصحيح. الخامس منع ان المراد هو على رضى الله عنه وحده بل جميع اقربائه و خدمه عليه السلام شمو.

الوجه الثانی

من الوجوه التی یستدل بها الشیعة علی افضلیة علی رضی الله عنه الاستدلال بقوله تعالیٰ "فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ" (التحريم: 04) يعنى عليا رضى الله عنه كذا نقله كثير من المفسرين و المولىٰ بمعنى الناصر و نصرته عليه السلام من اعظم العبادات فاختصاص على رضى الله عنه بها يدل على افضليته.

الجواب بوجوه. الاول انه معارض بما عليه الاكثر من عموم الآية له ولغيره شمو. الثانی انه معارض بما عليه بعضهم من ان المراد به ابو بكر و عمر رضى الله عنهما شمو. الثالث ما سبق فى المقدمة ان فضل المفضول فى بعض الامور لا ينافى فى الافضلية. الرابع ما مر آنفا من ان المراد كثرة الثواب و ذلك لا يدل الا على اتصافه بذلك الكمال والفضيلة ولا ينافى المطلوب شمو.

الوجه الثالث

من الوجوه التى يستدل به الشيعة الشليعة على افضيلة على رضى الله عنه الاستدلال بقوله عليه السلام "انا مدينة العلم وعلى بابها"[1] و"اقضاكم على رضى الله عنه"[2] والافضل اعلم فثبتت اعلميته وقد روى "لولا على لهلك عمر رضى الله عنهما"[3] حين افتى برجم الحاملة فقال على رضى الله عنه ان كان سلطانا عليها ولا ما فى بطنها وكان حرص النبى ﷺ على تعلمه اكثر من غيره و ابن عباس رضى الله عنهما رئيس المفسرين تلميذه و هو الذى اسس علم الصرف و النحو وينتهى اكثر سلسلة المشائخ الصوفية وقد عاش صغيرا و كبيرا عند رسول الله ﷺ وكان ابوبكر رضى الله عنه عند النبى ﷺ يحضر مرةً او مرتين وروى عنه انه

---

[1] مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، اما قصة اعتزال محمد بن مسلمة الخ، جز 03، ص 137

[2] تثبیت الامامة و ترتیب الخلافة لابی نعیم، خلافة امیر المؤمنین عمر بن خطاب، ص 276

[3] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، تتمه حرف العین، باب علی بن ابی طالب، جز 03، ص 1103

قال "واللہ ما من آیۃ نزلت فی بحر او بر او سہل او جبل او سماء او ارض او لیل او نہار الا انا اعلم فیمن نزلت و فی ای نزلت"[1] وکان فی الفقہ و البلاغۃ بارعا۔

الجواب عن الحدیث الاول بوجوہ الاول انہ قال محی السنۃ النووی و ابن جوزی ان الحدیث ای انا مدینۃ العلم موضوع و لا یخفی مرفتہما فی الحدیث سیما محی السنۃ حتی قالوا لم یجی بعدہ من یساویہ۔ الثانی انہ لو حکم بصحتہ او حسنہ کما ھو رای بعض المتاخرین۔

فنقول انہ معارض بحدیث الفردوس وھو "انا مدینۃ العلم وابوبکر اساسہا و عمر حیطانہا وعثمان سقفہا و علی بابہا"[2] رضوان اللہ علیہم اجمعین"۔ فان ھذا الحدیث صریح فی اعلمیۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ فان اساس الحیطان و السقف و الباب علی الاساس۔

الثالث ان لفظ علی الواقع فی الحدیث لیس المراد منہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بل محمول علی المعنی اللغوی بمعنی ذی العلو علی طریق قرائۃ من قال وھذا صراط علی مستقیم برفع علی۔ الرابع ان الحدیث لا یقتضی اعلمیتہ بل وصفہ بالعلم۔

فان قیل کیف وقد قیل ممن اراد العلم "فلیات الباب" و لاشک ان من یدخل المدینۃ یدخلہا من الباب قیل ان الناس کثیرا ما یقصد غیر الاعلم لفراغتہ او لوضوح کلامہ صو۔

والجواب ((عن)) اقضاکم علی رضی اللہ عنہ انہ یحتمل ان یکون خطابا لبعض الصحابۃ کما یدل علیہ قصتہ و ھی انہ علیہ السلام کان جالسا فی بعض اصحابہ فجاء رجلان یتخاصمان یقول احدہما ان بقرتہ یقتل حماری فقال بعضہم انہ لیس علی الحیوان ضمان فقال النبی ﷺ لعلی رضی اللہ عنہ اقض بہما فسال عن حالہما فقال احدہما ان بقرتہ کان مطلقا و حماری کان مشدودا فقال علی رضی اللہ عنہ علیہ الضمان۔

والجواب عن قضۃ عمر رضی اللہ عنہ بعد صحتہا بوجوہ۔ الاول انہ یحتمل ان عمر رضی اللہ عنہ لم یتنبہ علی حملہا۔ الثانی ان المجتہد یخطی ویصیب و تخطئۃ مجتہد بمجتہد آخر لا یضر فی اعلمیتہ الاتری الی ان التلمیذ قد یصدر تخطئۃ الاستاذ و لا یفید اعلمیتہ من الاستاذ بل غایتہ مالم یلزم منہ ھی ذکاء التلمیذ وعلمہ والجواب عن البواقی انما یدل علی فضیلتہ

---

[1] لم اجد بعینہ ولکن وجدت بمعناہ فی "الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، ص 58" وفی "حلیۃ الاولیاء، المہاجرون من الصحابۃ، جز 01، ص 67

[2] الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، جز 01، ص 43

لاعلی افضلیته و مع هذا معارض کل ذلك باحادیث تدل علی اعلمیة ابی بکر رضی الله عنه من سائر الاصحاب فلنذکر بعضها۔

بیان الاحادیث علی اعلمیة ابی بکر رضی الله عنه

روی ابن عساکر انه قال علیه السلام "اتانی جبریل علیه السلام فقال لی ان الله یامرك ان تستشیر ابابکر رضی الله عنه".[1] روی الطبرانی حدیثا فیه انه قال علیه السلام لابی بکر رضی الله عنه "ان الله یکره ان یخطأ ابوبکر رضی الله عنه".[2] روی الدیلمی و ابن عساکر انه قال علیه السلام "امرت ان اول الرویا ابابکر رضی الله عنه"[3] لهذا کان یعبر الرویا فی محضر رسول الله ﷺ .وایضا اختلفوا فی میراثه علیه السلام فروی "نحن معاشر الانبیاء لایورث احدو ماترکنا وهو صدقة"[4] و فی مدفنه وقال بعضهم یدفن بمکة الشریفة فانه ینشاه و مولده و قال بعضهم دفن فی المسجد وقال بعضهم یوضع فی البقیع و قال بعضهم یوضع الی بیت المقدس لانه مقبرة الانبیاء علی نبینا و علیهم السلام وروی ابوبکر رضی الله عنه عن رسول الله ﷺ "ما من نبی یقبض الا دفن تحت مضجعه الذی مات فیه"[5] فثبت من کل ذلك اعلمیة ابی بکر رضی الله عنه۔

الوجه الرابع

من الوجوه التی یستدل به الشیعة علی افضلیة علی رضی الله عنه شجاعته کمایشهدبه المغازی منها غزوة خیبر وواقعة بدر وغیر ذلك و وضعوا فی ذلك حدیثا هو "لافتی الا علی رضی الله عنه و لاسیف الاذوالفقار".[6]

الجواب من ذلك ان شجاعة علی رضی الله عنه لایضرنا بل نومن بها و انما یضرنا عدم وجودها فی ابی بکر رضی الله عنه وقد ثبت ان ابابکر رضی الله عنه کان شجاعا ذا استقلال و ثبت فی امور

۱۔ تاریخ دمشق، حرف العین، جز 30، ص 129

۲۔ مسند الشامیین للطبرانی، ماانتهی الینا من مسند الوضین الخ، جز 01، ص 384

۳۔ الصواعق المحرقة، الفصل الخامس، جز 01، ص 87

۴۔ ارشاد الساری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن اشرف، جز 06، ص 283

۵۔ تاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، الخلیفة الاول ابو بکر الصدیق، ص 60

۶۔ مرقاة المفاتیح، کتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم الخ، جز 06، ص 2593

تحیر فیها الناس. منها یوم موت رسول الله ﷺ سل عمر رضی الله عنه سیفه وقال اقتل من قال انه مات رسول الله ﷺ حتی جاء ابوبکر رضی الله عنه و کشف البرقع عن وجهه و بکی و اسکن عمر رضی الله عنه . منها غزوة اهل الردة من الاعراب المنکرین للصلوة و الزکوة مع انه یغزو اولاً فی ذلك و منعه الصحابة فقالوا الف قلوبهم ثم تبعوه فی ذلك وقاتلوهم . منها ماروی عن علی رضی الله عنه انه قال رئینا لقریش اخذوا رسول الله ﷺ و یتخاشنون معه فلم یذهب منا احد الا ابوبکر رضی الله عنه فردهم و قال اتقتلون رجلاً ان یقول ربی الله فقال علی رضی الله عنه للقوم الافضل مومن آل فرعون ام ابوبکر ؛ فسکتوا فقال علی رضی الله عنه الافضل ابوبکر رضی الله عنه لما انه ظهر الاسلام و اخفاه مومن آل فرعون [1] روی احمد و ابویعلی والحاکم عن علی رضی الله عنه انه قال علیه السلام لابی بکر رضی الله عنه وله "مع احد کما جبریل ومع الاخر میکائیل علیهما السلام" [2]

قال بعض العلماء انه مما یدل علی اشجعیة ابی بکر رضی الله عنه من علی کرم الله وجهه انه اخبر رسول الله ﷺ علیا رضی الله عنه بان یقتله [3] ابن ملجم فلم یکن یتفکر و کان یقع فی صف عدو ولا خوف و دهشة لما انه علم لا یقتله الا ابن ملجم و کان فی الحرب کانه نائم علی فراشه آمناً بخلاف ابی بکر رضی الله عنه فانه لم یخبر بشیئ من ذلك فکان هنا مظنة الخوف والهلاك فثبوت ابی بکر رضی الله عنه فی تلك الهلاك صفة لیست فی علی رضی الله عنه صو.

ذکر بعضهم فی تصانیفه ان حدیث "لافتی الا علی و لاسیف الاذوالفقار" "لااصل له و لایعتمد علیه" [4] وروی انه نادی بذلك یوم بدر و مما یدل علی بطلانه انه لو کان کذلك

---

[1] مسند بزار، مسند علی بن ابی طالب، جز 03، ص 14

[2] مسند ابی یعلی الموصلی، مسند علی بن ابی طالب، جز 01، ص 283

[3] وفی الاصل "بان تقتله" والتصحیح منی۔

[4] قال علی القاری "حدیث "لاسیف الاذو الفقار و لافتی الا علی" لا اصل له مما یعتمد علیه بنعم یروی فی اثر واه عن الحسن بن عرفة من حدیث ابی جعفر محمد بن علی الباقر؛ قال نادی ملك من السماء یوم بدر یقال له رضوان لاسیف الاذو الفقار لافتی الا علی وذکره فی الریاض النضرة۔ثم قال "اقول و مما یدل علی بطلانه انه لو نودی بهذا من السماء فی بدر لسمعه الصحابة الکرام و نقل عنهم الائمة الفخام الی ان قال وهو باطل عقلا و نقلا وان کان ذکره ابن مرزوق و تبعه القسطلانی فی مواهبه"۔(الاسرار المرفوعة، حرف النون، ص 384) و قال فی المیزان "من رواته عیسی بن مهران المستعطف ابو موسی و قال ابو حاتم کذاب و قال الدارقطنی رجل سوء و قال الخطیب کان من شیاطین الرافضة و مردتهم، وقع الی کتاب من تصانیفه فی الطعن علی الصحابة و تکفیرهم فقد قف شعری و عظم تعجبی مما فیه من الموضوعات والبلایا" میزان الاعتدال، حرف العین، عیسی بن مهران، جز 03، ص 324۔

لرواه الصحابة و الائمة هذا خلاصة كلامه.

الوجه الخامس

التى يستدل الشيعة على افضلية على رضى الله عنه الاحاديث الموضوعة و الاكاذيب الغير المنضبط.

منها ما ذكرانفا. منها نادِعليا رضى الله عنه مظهر العجائب تجده عونالك فى النوائب كل هم و غم.[1] منها انه قال عليه السلام يا على رضى الله عنه ادع بصفحة و دواة فاملى رسول الله ﷺ و كتب على رضى الله عنه وشهد جبريل عليه السلام ثم طويت الصحيفة[2] و قال الامام ((الصنعانى)) انه موضوع على وقال بعض المحققين ان وصايا على رضى الله عنه المصدر ب"يا" النداء كلها موضوعة غير قوله عليه السلام "ياعلى انت منى بمنزلة هارون عليه السلام بموسى عليه السلام الا انه لانبى بعدى".[3] على

قال احقر العباد انه قال الآمدى هو من اعلام اهل السنة و المتكلمين ان ذلك الحديث غير صحيح شمو.

ومنهاروى التى فى اولها "ياعلى رضى الله عنه لفلان ثلث علامات و فى اخرها النهى عن المجامة فى اوقات مخصوصة".[4] على. و منها من فصل بينى و بين على رضى الله عنه يلعن كذا لا اصل له على. ومنها عند الامام الزاهدى رضى الله عنه "هذا سيد العرب".[5]

وله شواهد كلها ضعيفة و صححها الحاكم و لم يخرج هو الشيخان والله اعلم بحقيقته و هو العلام الغيوب.

الجواب على تقدير صحتها كما ذهب اليه الحاكم المراد بالسيادة هو الارتفاع لا افضلية و مع ذلك هى كالخبر لاعموم فيها او انها ضعيفة بضد ماروى ابن عساكر بلفظ "انا سيدولد آدم عليه السلام و ابوبكر رضى الله عنه سيد كهول العرب و على سيد شباب العرب".[6] صلى

---

[1] الإسرار المرفوعة فى اخبار الموضوعة، حرف النون، ص 385

[2] مرقاة المفاتيح، كتاب القصاص، جز 06، ص 2267

[3] سنن ابن ماجه، باب فضائل اصحاب رسول الله، فضل على بن ابى طالب، جز 01، ص 88

[4] الموضوعات، للصغانى، ص 27

[5] مستدرک على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، قصة اعتزال محمد بن مسلمة، جز 03، ص 133

[6] تاريخ دمشق، حرف العين، جز 30، ص 182

اطلع خادم العلماء على كتاب فى منهب الرافضى فاذا فيه اكاذيب و اباطيل و احاديث يقوم البينة على بطلانها.

الوجه السادس

من الوجوه التى يستدل الشيعة على افضلية على رضى الله عنه خبر طير وهو انه اهدى الى النبى ﷺ طير مشوى فقال اللهم ائتنى بأحب خلقك اليه يأكل من هذا الطير فاتى على رضى الله عنه واكل ذلك الطير مع النبى صلى الله عليه وسلم.[1] الجواب انه ليس المراد احب جميع الخلق الالزم فضله على النبى ﷺ بل المراد احب بعض خلق.

الوجه السابع

من الوجوه التى يستدل به الشيعة على افضلية على رضى الله عنه قوله عليه السلام فى ذى الثدية يقتله خير الخلق و قتله على وقصته انه قتل على الحرورية فظهر منه ذو الثدية.[2] ط الجواب بوجوه .الاول انه عام مخصص البعض[3] فلا يصلح حجة فى البواقى شمو. الثانى ان عليا رضى الله عنه ما باشر قتله بل قتل بعض اصحابه فالمراد بالخيرية ليس الخيرية من جميع الوجوه والالزم فضيلة بعض اصحابه عليه و على سائر الخلق وهذا باطل اجماعاً.
فان قيل انه من قبيل بنى الامير المدينة ،فلا يضرنا اذ قد سبق ان المراد بخيرية من بعض الوجوه. الثالث ان عليا رضى الله عنه كان خير الخلق فى زمان قتله لان ذلك بعد الخلفاء الثلثة. قيل هذا الجواب هو الصواب.

الوجه الثامن

من الوجوه التى يستدل به الشيعة على افضلية على رضى الله عنه قوله عليه السلام "اخى ووزيرى وخير من اتركه بعدى تقضى دينى و ينجز وعدى على بن ابى طالب رضى الله عنه".[4] الجواب بعد التسليم انه لا دلالة للاخوة والوزارة على الافضلية واما ما فى الكلام فنقول ان بعض دينى مفعول ثان لاترك او حال من مفعوله فاتمنى الخيرية فى قضاء الدينى و

---

[1] تقريب المرام فى شرح تهذيب الكلام، الباب السادس فى السمعيات، ص 375

[2] الخصائص الكبرى، ذكر وقعة صفين، باب اخباره بالخوارج، جز 02، ص 250

[3] لان الانبياء مخصوص منه۔

[4] الموضوعات لابن الجوزى، كتاب فضائل والمثالب، جز 01، ص 347

انجاز الوعد.

الوجه التاسع

من الوجوه التي يستدل به الشيعة على افضلية على رضى الله عنه قوله عليه السلام "من اراد ان ينظر الى آدم فى علمه و الى نوح فى تقواه و الى ابراهيم فى حلمه و الى موسىٰ فى هيبته و الى عيسىٰ فى عبادته فلينظر الى على رضى الله عنه"[1] فقد ساوى النبى ﷺ بالانبياء المذكورين ولاشك انهم افضل من سائر الصحابة فكذا على رضى الله عنه افضل منهم رضوان الله عليهم اجمعين.

الجواب من وجوه ،الاول ماقال البعض ان فى صحة الحديث نظر .الثانى ان ذلك متشابه فلايلزم المساوات.الثالث انه لو سلم انه على المساواة فى بعض الصفات لايستلزم المساواة مطلقاً.

الوجه العاشر

من الوجوه التي يستدل به الشيعة على افضلية على رضى الله عنه" آخ النبى[2] ﷺ بين الصحابة واتخذه اخالنفسه".[3]

الجواب ان ذلك لايستلزم الافضلية ولعل ذلك للشفقة او[4] للقرابة والخدامة.

الوجه الحادي عشر

من الوجوه التي يستدل به الشيعة على افضلية على رضى الله عنه"ان عليا رضى الله عنه لم يشرك بالله و لم يسجد الصنم قط[5]".الجواب ان عليا رضى الله عنه قبل اسلامه فى حكم سائر الصحابة تبعا لابويه سا. وهذا مبنى على ان اطفال الكفار ليسوا بمومنين وقد اختلف فى العلماء فى ذلك فالجواب ان الكافر اذا اسلم يصير كفره السابق معدوما فكانه كان قبل ذلك على الاسلام كما ان المسلم اذا ارتدّ عياذا بالله صار اسلامه السابق معدوما الاترى

---

[1] الموضوعات لابن الجوزى، جز 01، ص 370، اللآلى المصنوعة جز 01، ص 184

[2] وفى الاصل "على" والتصحيح منى۔

[3] فضائل الصحابة لاحمد، فضائل على جز 02، ص 663

[4] وفى الاصل "الجواب" والاولى حذفه ولذا حذفت۔

[5] وفى الاصل "فقط" والتصحيح منى۔

الی قوله تعالیٰ فی حق ابلیس "وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ" (البقرة:34) فالعبرة للخاتمة.

الشبهة الرابعة:

منها قولهم ان اهل السنة يقولون ان الله سبحانه وصف ابابكر رضی الله عنه بأنه صاحب رسول الله ﷺ حيث قال سبحانه "اِذْ يَقُوْلُ رسول الله لِصَاحِبِهٖ ابی بكر رضی الله عنه لَا تَحْزَنْ" قاله حين كانا فی الغار والكفار علی راسه فخاف ابوبكر رضی الله عنه من ان يجدهما الكفار "اِنَّ اللهَ مَعَنَا" (التوبة:40) ولانری فی ذلك شرفا لابی بكر رضی الله عنه فان الله سبحانه قد قال فی سورة الكهف فی بيان قصة يهودا و قطروس و كان الاول علی دين الهدیٰ والثانی كافر قَالَ يهودا لَهٗ صَاحِبُهٗ قطروس وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗ ای يجادله" اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ" (الكهف: 37) فقد قال الله سبحانه فی حق الكافر انه صاحب المومن فلا مدح فی ذلك.

الجواب انا لانقول ان مجرد الصحبة كافٍ فی الشرف بل نقول ان الصحبة التی كانت لابی بكر رضی الله عنه مع رسول الله ﷺ دال دلالةً واضحةً علی شرفه فانه ترك امواله و اوطانه و هاجر مع حبيب الله ﷺ و صفيه مع الخوف العظيم و الخطر الجسيم و بذل مهجته فی سبيل الله ورسوله عزوجل و ﷺ مع انه ثبت ايمانه معه . وكل ذلك علامة المحبة والصداقة و المودة وقوله تعالیٰ "وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ" يدل علی المعادات والفاصلة وهو نص فی ذمه لما انه حاور من دعاه الی الدين المستقيم و الآية السابقة تدل علی فضل ابی بكر رضی الله عنه ولانقول ان المحاية بدون الايمان كافية فی الشرف فلا يرد الاعتراض بأبي طالب[1] بل الايمان و المحاية من دلائل الشرف وقد ثبتا بين محمد ﷺ و ابی بكر رضی الله عنه.

الشبهة الخامسة:

ومنها ان فاطمة رضی الله عنها وجدت و غضبت علی ابی بكر رضی الله عنه ولم تكلمه حتی ماتت لما منعها ميراث رسول الله صلی الله عليه وسلم[2] كما وقع فی صحيح البخاری وقد وقع فيه ايضا من مناقب فاطمة رضی الله عنها "انه قال عليه السلام "من اغضبها فقد اغضبنی"[3] وفی خبر آخر "من اذاها فقد اذانی"[4] فيلزم من ذلك ان ابابكر رضی الله عنه

[1] وفی الاصل "يعلی ابن ابی طالب" والتصحيح منی

[2] صحيح بخاری، كتاب الفرائض، باب قول النبی الخ جز 08، ص 149

[3] صحيح بخاری، كتاب اصحاب النبی، باب مناقب قرابة رسول الله، جز 05، ص 21

[4] مستدرک علی الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، باب مناقب فاطمة، جز -3، ص 173

اذی رسول الله ﷺ و اغضبه "اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ"(الاحزاب:57)

الجواب بوجوه .الاول ان مرادرسول الله ﷺ ان من اغضبهاو اذاها[1] اغضبها واذاهاو ابوبكر رضى الله عنه لم يردذلك بل قصداظهارالحق فوجدت عليه بمقتضى البشريةساعةًثم زالت غضبهاولم تكلمه لعدم حصول الملاقاة او عدم وقوع الحاجة التكلم معه . الثانى ان معنى قوله عليه السلام من اغضبها و اذاهابغيرحق.الثالث انه ليس معنى الآيةان كل من اذى رسول الله ﷺ فهو ملعون كيف واتكاب امته المعاصى يغضبه و يوذيه مع ان مرتكب الكبيرةليس بكافر على مايبرهن فى علم الكلام.

مباحث حديث القرطاس

الشبهة السادسة:

منها الاستدلال على تمنع عمررضى الله عنه بمارواه البخارى فى باب كتابةالعلم من انه لمااشتدّ بالنبى ﷺ وجعه فى ايام مات فيها فقال لاصحابه ايتونى بكتاب اى بأدواةالكتابةواسبابها كر قسط(اكتب)مجزوم جواب للامرويجوز الرفع للاستيناف كر اى آمربالكتابة او نقول ان للامى من لم يحسن الكتابةلامن لم يكتب اصلاً وقدثبت ان رسول الله ﷺ كتب بيده كر(لاتضلوا)بفتح التاء و كسر الضاد قسط نفى وقدحذف النون لانه بدل من جواب الامر وقدجوز البعض لقد وجواب الامر بلاعطف كر(بعده قال عمررضى الله عنه)للصحابةرضوان الله عليهم(ان النبى ﷺ غلبه الوجع وعندنا كتاب الله حسبنا فاختلفوا)اى الصحابة(فقال بعضهم بالاتيان و وافق بعضهم عمر رضى الله عنه و كثر اللغط)بفتح اللام وسكون الغين المعجمةوالظاء بمعنى الصوت(وقال رسول الله ﷺ قوموا عنى) ولاينبغى عندى التنازع فاعل ينبغى(فخرج ابن عباس رضى الله عنهما)من المكان الذى يحدث فيه[2] لامن عندرسول الله ﷺ قسط وهو (يقول ان الرزية)بفتح الراء

---

[1] لم يتضح لنانص للخطوط و الجواب هذا "نقول الايذالمنهى عنه انما هو الناشى عن هوى النفس و وسوسة الشيطان و اما الذى يحصل عن اظهار امر الحق على وفق القرآن و السنة فليس بممنوع و لا منهى عنه (رسالة رد الروافض للشيخ احمد السرہندى، ص 11)و قال الدوانى "ليس منعها بالحق اذى لها" (الحجج الباهرة،الفصل الخامس،ص 287)

[2] اى من المكان الذى كان به عند ماتحدث بهذا الحديث۔

المهلمة و كسر الزاء المعجمة وبعدها ياء ساكنة ثم همزة وقد قلبت ياء وادغمت بمعنى المصيبة فسط(كل الرزية)كل منصوب على انه تاكيدللاول اوما حال الذى حجز(بين رسول الله ﷺ وبين كتابه)[1] وروى هو ايضافى باب مرض رسول الله ﷺ ووفاته انه قال عليه السلام دعونى فالذى انافيه خير مماتدعوننى اليه.[2]

للشيعة شبهتان

فللشيعة ههناشبهتان الاول ماقالواان رسول الله ﷺ اراد ان يكتب كتاب الخلافةلعلى كرم الله وجهه و نهى عمررضى الله عنه عن ذلك بسبب عداوتله مع على رضى الله عنه. الثانيةانه ماقالوا كان كتاب وحى واراد رسول الله ﷺ كتابته بسبب نزول الوحى بذلك "وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ"(المآئدة: 44)الجواب عنه ان العلماء اختلفوا فيماارادنبيناﷺ كتابته فقال البعض انه اراد كتابةاسم الخليفةوذهب الاخرون الى انه ارادكتابةاحكام الشريعة. فان قلنا انه اراد ان يكتب اسم الخليفةعلى ماايده القسطلانى كيلا يختلف الناس فيؤديهم الى الضلال فنقول انه كان يكتب الخلافةلابى بكر رضى الله عنه فسط . يدل على ذلك مارواه مسلم واحمد و غيرهماانه قال عليه السلام لعائشةرضى الله عنها"ادعى لى اباك واخاك حتى اكتب فانى اخاف ان يتمنى ويقول القائل انااولى و يأبى الله و المومنون الاابابكر رضى الله عنه"[3] و فى رواية"انه قال ادعى لى عبدالرحمن بن ابى بكر رضى الله عنهما اكتب كتابالايختلف احدعليه بعدى ثم قال دعيه معاذالله ان يختلف المومنون فى ابى بكررضى الله عنه "[4] و انماترك الكتابة اعتمادا على امامته الصغرىٰ و التصريحات المنكرة. ونهى عمررضى الله عنه بوجوه.الاول انه خاف من ان يطول الكلام و يتمنى الناس خلاف مايكتبه مع انه فى اقبال الدنياالى العقبىٰ فلايليق المجادلةفى باب الخلافة فانه يكون حينئذ بمنزلةان يكون المرض عندالموت و الورثةفى تقسيم تركته فانه بفتح المرض ويستهجنه و يوجب السامة.الثانى انه خاف من ان

ا۔ صحیح بخاری، کتاب العلم،باب کتابۃ العلم،جز 01،ص 34

۲۔ ارشاد الساری، کتاب للمغازی،باب مرض النبی،جز 06،ص 463

۳۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ،باب من فضائل ابی بکر،جز 04،ص 1857

۴۔ فضائل الخلفاء الراشدین لابی نعیم،آخر الفضائل ذکر خلافۃ الصدیق،ص 141

یستخلف علیھم رسول اللہ ﷺ من یستھجن خلافتہ بعض الصحابۃ کش فیعصونہ فینزل علیھم العذاب و یؤیدہ ماروی انہ قیل لرسول اللہ ﷺ استخلف علینافقال "انی اخاف ان یعصون خلیفتی فینزل علیکم العذاب".[1]

و ان قلنا انہ اراد کتابۃ الاحکام شفقۃً علی الامۃ علی ما ایدہ الکرمانی فنقول نھی عمر رضی اللہ عنہ بوجوہ

الاول انہ علم اننا نجتھد و نستخرج الاحکام ولو کتب الکتاب لانسدّ باب الاجتھاد و بطل فضیلۃ العلماء علی غیرھم.[2] کر. الثانی انہ خاف من ان یخالفوا احکاما یکتبھا فینزل علیھم العذاب کر. الثالث انہ لایتیسر ضبط کل الاحکام الابکلفۃ فلایحسن تصدیعہ علیہ السلام مع جریان الاجتھاد نو فعلم من ذلک ان عمر رضی اللہ عنہ افقہ من ابن عباس رضی اللہ عنہ لاکتفاء بکتاب اللہ تعالیٰ وقدقال حسبنابقولہ تعالیٰ "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ" (الانعام:38) کر. الرابع ان اکثر العلماء جوّزوا الاجتھاد لنبی ﷺ فیمایتنزل الوحی و ھو یحتمل الخطا کر. واجمعوا علی ان تقریرہ و ثباتہ علی الخطا غیر جائز و ھھنا کذلک فانہ اعرض بعدذلک عن الکتابۃ. الخامس ان رسول اللہ ﷺ ان کان معصوما عن الکذب لکنہ لایعصم من الاسقام و السھو الاتریٰ انہ قدسھیٰ عن الصلوۃ وذلک لایستلزم نقصانی شریعۃٍ کر. فخاف من ان یصدر منہ ممایتکلم بہ المریض و لاعزیمۃ لہ فیہ ویجدوا[3] المنافقون فی الکتاب سبیلا ویطعنون علیہ فیتخلل امر الشریعۃ کذا محی السنۃ النووی قدس سرہ ولایخفی ان ذلک مخالف لماصرح بہ المتکلمون من انہ لایجوز علی النبی السھو فیمایتعلق تبلیغ الاحکام. السادس انہ قال انہ خاف من انہ لو کتب الکتاب اضاف الملحدون بعض مالیس منہ الیہ لما انہ قد کتب فی الاحاد و الخلوۃ کر.

---

[1] مسند بزار، مسند حذیفہ بن یمان، جز 07، ص 299

[2] شرح کرمانی، باب کتابۃ العلم، جز 02، ص 127

[3] ھکذا فی الاصل و الاصح "یجد" لان الحاق علامۃ التثنیۃ و الجمع بالفعل المسند الی الظاھر ضعیف نحو "یضربون غلمانہ". اما "یجدون" بعلامۃ الجمع جائز عند اھل النحو علی الضعف و علی تقدیر ان الواو و الالف یخرجان عن الاسمیۃ الی الحرفیۃ و یکونان حرفین دالین علی تثنیۃ الفاعل و جمعیتہ او یکون الفاعل ضمیرا و الظاھر بدلا منہ۔ ھکذا فی شروح الکافیہ لابن حاجب۔

و اما الجواب عن سوء الادب فبان هذا الامر ليس للوجوب[1] کو تو فان الامر ملحظه امارات من خروجه منه الى الندب کو و الاباحة فيصح انه مفوض الامر الى اختيارهم فاختلف اختيارهم بحسب الاجتهاد کر فهدى الله عمر رضى الله عنه وخفى الامر على عباس رضى الله عنه کش و قول عمر رضى الله عنه "وعندنا كتاب الله الخ" ردّ على من نازعه لا على رسول الله ﷺ کر.

و كثيرا ما كانوا يراجعون فى اوامر الله تعالى كما راجعوه فى يوم الحديبية فيما كتب بينه و بين قريش و الممنوع هو المراجعة فيما امر بالايجاب ومعنى قوله عليه السلام "دعونى الخ" اى اتركونى فان الذى انا فيه من الاقبال الى ماوقع من الدنيا خير مما تدعوننى اليه من كتابة الكتاب فهو خطاب للباغين على الكتابة لا الى المتاعين عنها ودل على ان الامر للندب لا للوجوب انه لو كان كذلك لكتب بعدذلك فانه عاش بعدذلك اياما ولم يكن ينبغى السكوت عن امر الحق لو مع انه لم يكن عمر رضى الله عنه حاضرا عنده و قد ابطلنا التقية من قبل ويحتمل ان يكون الامر امتحانا لاجتهاد الصحابة و ههنا جواب شريف و هو انه قد كثر موافقة عمر رضى الله عنه لربه كش كما سبق وقد عدّ هذا ايضا منها فيحتمل ان اوحى اليه فنسخ الامر کر. وقيل الحق ان مراد رسول الله ﷺ غير معلوم لو وبالجملة ما دعته الشيعة باطل بلا شك.

الشبهة السابعة:

منها قولهم انه لما طال المنازعة بين ابى بكر رضى الله عنه و فاطمة رضى الله عنها فى امر الفدك ردّ ابوبكر رضى الله عنه الفدك عليها و كتب بذلك كتابا فخرجت و الكتاب معها فلقيها عمر رضى الله عنه فسالها عن شانها فقصت عليه القصة فاخذ الكتاب منها وخرقه و عاتب ابابكر رضى الله عنه بذلك عمر رضى الله عنه و اتفقا على منعها عن ذلك.

الجواب منع صحة هذه الرواية ولم يروها احد من الثقات مخ.

الشبهة الثامنة:

منها قولهم ان عمر رضى الله عنه تشكك فى موت النبى ﷺ حين قبض روحه فقال والله ما مات محمد ﷺ حتى تلا ابوبكر رضى الله عنه "إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" (الزمر: 30) فقال

[1] وفى الاصل "ليس الاوجوب" والتصحيح منى۔

عمر رضی الله عنه كأنی لم اسمع بهذه الاية ولكل ذلك يدل على عدم علمه بالقرآن وعدم اهله للخلافة۔

الجواب فان قضيته فی حال وفاة النبی ﷺ لايدل على جهله بالقرآن فان تلك الحالة كانت الحالة تشويش القلب وهجوم الغم و كثرة الحزن حتى نقل ان بعض الصحابة طرا عليه الجنون فی تلك الحالة و بعضهم صار اخرس و بعضهم صار بحيث لايقدر على القيام و قوله "كأنی لم اسمع" يدل على انها سمعها لكنه ذهل عنها بسبب ذهول العقل و التحير والحزن۔

مبحث الفدك

الشبهة التاسعة : ومنها قولهم ان ابابكر رضی الله عنه لطم فاطمة رضی الله عنها حيث منعها عن ميراث رسول الله ﷺ عداوةً واستدلاله بقوله عليه السلام "نحن معاشر الانبياء لانورث وماتركنا فهو صدقة"[1] باطل فانه خبر واحد والمخصص لكتاب الله هو الخبر المتواتر فان الخبر الواحد ظنی والاية قطعی۔[2]

والجواب ان ابابكر رضی الله عنه حكم بحديث سمعه من رسول الله ﷺ فكان مفاده قطعيا فصار ذلك الحديث عنده مخصصا لعموم الاية وايضا لم ينفرد ابوبكر رضی الله عنه برواية ذلك الحديث بل امهات المومنين وعثمان وعلى وعباس وعبدالرحمن بن عوف وزبير وسعد رضوان الله عليهم اجمعين رووا ذلك الحديث كما يظهر من كلام الصواعق المحرقة لكنه تفرد بروايته اولا ثم افتوه بذلك والدليل على صحة مافعل ابوبكر رضی الله عنه ان عليا رضی الله عنه لم يغيره فی ايام خلافته و اثبته على مافعل ابوبكر رضی الله عنه

---

[1] ارشاد الساری، كتاب المغازی، باب قتل كعب بن اشرف، جز 06، ص 283

[2] اقول شبهة مترفضی زماننا كحنيف القريشی مستفادة من هذا الطعن حيث قال فی فيديو "ان خبر ابی بكر الصديق رضی الله عنه خبر الواحد و هو ظنی فيحتمل ان الصديق خطاء فی سماعه و الصواب خلافه"۔ نعوذ بالله من هذه الخرافة !نقول اولا فی الحديث قال النبی ﷺ "ان الله يكره فوق سمائه ان يخطیء ابوبكر رضی الله عنه" (تاريخ دمشق، حرف العين، جز 30، ص 130) و ثانيا حجية خبر الواحد مذهب اهل السنة و منكر حجيته اليوم ضال فهذا المترفض ضال بمقتضاه۔ ثالثا هذا الخبر ليس خبر الواحد بل رواه ثلاثة عشر صحابيا، منهم ابوبكر صديق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، على بن ابی طالب، عبدالرحمن بن عوف، عباس، زبير، سعد، عائشة، ابو هريرة، طلحة، حذيفة و ابن عباس رضوان الله عليهم اجمعين، فكيف يقول المترفض هذا خبر الواحد ؟ فعلم انه غافل عاری عن علم الحديث او معاند مكابر۔ بالجملة هفواة المترفض هذه ليست بشیء۔

فلولم يكن حقالزم رضائه بالباطل مع القدرةعلى الحق والدليل الاخرعلى ذلك ان ابابكررضى الله عنه منع امهات المومنين عن الميراث فلوكان منعه فاطمةرضى الله عنها عداوةلها منعهن لعدم عداوةمعهن.

فان قيل ان ذلك الحديث معارض لقوله تعالىٰ "وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ" (النمل:16)و "فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ "(مريم: 6.5)قاله زكرياعليه السلام فوهب اليه يحيىٰ عليه السلام .قلت ان مرادهم ورثةالعلم و الحكمة ومرادنبيناعليه السلام ميراث المال و الميراث البالغ من النبي ﷺ هو العلم الاترىٰ الى قوله عليه السلام "العلماء ورثة الانبياء"[1] و لو سلم فنقول انه عليه السلام ارادبقوله"نحن معاشر الانبياء"نفسه و جمع اللفظ للتفخيم و التعظيم.

الشبهة العاشرة:

منها قولهم ان بيوت النبي ﷺ من ملكه ولم يمنع ابوبكررضى الله عنه امهات المومنين رضى الله عنهن منهافمنعه فاطمةرضى الله عنهاوعدم منعه امهات المومنين ظلم عظيم .الجواب ان تلك البيوت كانت ملكالامهات المومنين كماقال الله تعالىٰ "وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" (الاحزاب: 33)ويحتمل تقسيم رسول الله ﷺ تلك الحجرات عليهن فى حياته جواب آخر وهو انه لايخرج المعتدةمن بيته وازواج رسول الله ﷺ معتدات لعدم جوازنكاحهن.[2]

الشبهة الحادي عشر

ومنهاقولهم ان علیارضى الله عنه وام ايمن رضى الله عنها شهدا على ان رسول الله ﷺ وهب

---

[1] صحيح بخارى، كتاب العلم،باب العلم قبل القول والعمل، جز01،ص24

[2] ههنا جواب من وجه آخر للعيني و هو أن استقرار ازواجه عليه السلام في بيوته بعد وفاته عليه السلام كان لاجل مؤنتهن التي كان رسول الله صلى الله عليه و سلم استثناها لهن حين قال: ""لَا تَقْسِمْ وَرَثَتِي دِينَارًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ أَهْلِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ (شرح مشكل الآثار، ص 13،ج 03) و الدليل علي ذلك أن مساكنهم لم يرثها عنهن ورثتهن و لو كانت تلك ملكا لهن كان لا شك قد ورثها عنهن ورثتهن و ترك ورثتهن ذلك دليل علي أنها لم تكن ملكا لهن و أنها كان لهن سكنى حياتهن، فلما توفين جعل ذلك زيادة في المسجد الذي يعم للسلمين نفعه كما جعل كذلك، في الذي فضل من نفقتهن في تركة رسول الله صلى الله عليه و سلم، لما مضين لسبيلهن اضيف الي اصل المال ،فصرف في مصالح المسلمين مما يعم جميعهم نفعه (نخب الافكار في تنقيح مباني الاخبار في شرح معاني الآثار، ص 497،ج 07)

فاطمۃ رضی الله عنہا الفدك فلم لایصدقهما ابوبکر رضی الله عنه والجواب ان ذلك لقصور من نصاب البینة و ایضا قدذهب بعض العلماء الی انه لایقبل شهادة احد الزوجین للاخر وروی ان حسناوحسینارضی الله عنهماشهدابذلك و اجیب بأنهماکاناصغیرین والظاهر لایقبل شهادة الولد علی احد ابویه عندا کثر العلماء وایضالم یثبت عندناقصة شهادة علی والحسنین وام ایمن رضوان الله علیهم۔

مباحث العصمة

الشبهة الثانیة عشر

ومنها قولهم ان فاطمة رضی الله عنهامعصومة لقوله تعالیٰ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا"(الاحزاب:33)او لقوله علیه السلام "فاطمة بضعة منی"[1] والنبی ﷺ معصوم فکذابضعته فتکون صادقة فی دعوی المیراث فان ظهور الکذب ینافی العصمة۔

الجواب ان العصمة من خواص الانبیاء واما فی غیرهم فیحتاج فی الاثبات الی دلیل و لم یوجد و اما قوله تعالیٰ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا"(الاحزاب: 33) فلا یصلح دلیلا علی عصمة فاطمة رضی الله عنها فان الازواج المطهرات داخلة فی الآیة و لیس بمعصومات اتفاقا منا و من الشیعة فکذابقیة اهل البیت کذافی شرح المواقف والصواعق المحرقة۔امابیان دخولهن فی الایة فلانه سیاق الایة وسیاقها نازل فی شانهن فاخراجهن من الایة یخرج الکلام عن الصفة ولکثرة ورود الاحادیث فی ان نسائه من اهل البیت وورود صیغة المذکر للتغلیب۔

وامامعنی الایة فیحتمل ان یکون ان الله یرید ان یغفرکم او غیره۔واما الجواب عن قوله علیه السلام "فاطمة بضعة منی"فهو مجاز للشفقة و القرابة و ایضالایلزم مساواة الجزء للکل فی کل الاحکام وههناجواب آخروهوانه لوسلم عصمتهافلاتثبت مدعاکم ایضا فان ادعائها المیراث خطا منها فی الاجتهاد والمجتهد قد یخطی و ان کان معصوما۔الاتری الی قصة داؤد علیه السلام فی قضاء الحرث والغنم کذاذکره الکرمانی قدس سره۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب اصحاب النبی، باب مناقب قرابة رسول الله، جز 05، ص 21

بیان الاختلاف فی تعریف العصمة:

واعلم ان هذا المقام يستدعى بسطا فى الكلام وهو ان العلماء اختلفوا فى تعريف العصمة. قال الاشاعرة بناء على اصلهم ان الامور كلها مستندة الى الله تعالى ابتداء وهو فاعل مختار ولا يجب عليه شيئ، "ان العصمة عدم خلق الله الذنب فى العبد" شمو سا. وقال الحكماء بناء على اصلهم من القول بالايجاب واعتبار استعدادات للقوابل[1]–[4] وفى الاصل "فاعتبار استعدادات القوابل" والتصحيح منى: "ملكة يمنع صاحبها عن الفجور والمعاصى".[1] والقول لعدم عصمة اهل البيت لايلائم التعريف الاول لان غير المعصوم يكون عاصيا حينئذ فان عدم الخلق خلق[2] واما على التعريف الثانى فلايلزم ذلك اذ يحتمل ان يكون عدم صدور الذنب عنا بسبب آخر غير الملكة فان اخذ بالتعريف الاول فيكون ذلك هيجا نالطعن الروافض و الخوارج فى اهل البيت وان اخذ بالتعريف الثانى فهو مبنى على مذهب الحكماء وابطله بعض الفضلاء المحقق[3] فى تصانيفه فلابد ههنا من بيان شاف بعون الله و لطفه الصميم فاقول والاستعانة من الله العزيز ان تعريفها بملكة الاجتناب عن المعاصى ارتضاه اكمل المحققين العلامة سعد الملة والدين التفتازانى فى شرح المقاصد و صاحب الطوالع و اختيار صاحب الخيالى فى حاشيته على شرح العقائد النسفية لسعد الملة و قال "ان حقيقة العصمة هو تعريف بالملكة[4] اما الاول فتعريف بالحاصل"[5] فان اخذ بذلك التعريف فلايلزم نسبة العصيان الى اهل البيت و كون التعريف المذكور مبنيا على القول بالايجاب غير مسلم فانه يضاف مايصدر من الشجاع الى ملكة شجاعته و مايظهر من العالم الى ملكة علمه

[1] شرح المواقف، المقصد السادس فى حقيقة العصمة، ص 306، جزء 8

[2] فان عدم الخلق فى المعصوم خلق فى غيره اى ان كان المعصوم من لا يخلق فيه الذنب فغير المعصوم من خلق فيه الذنب۔

[3] هذا وصف للبعض لا للفضلاء۔

[4] وفى الاصل "تعريف الملكة" والتصحيح منى۔

[5] ونص الخيالى "قلت معنى قوله حقيقة العصمة كذا ان مآلها وغايتها ذلك واما تعريفها فهى ملكة اجتناب المعاصى مع التمكن فيها وقد يعبر عن تلك الملكة باللطف خصولها بمحض لطف الله تعالى وفضل منه ولا يخفى ان من ليس له تلك الملكة لا يلزم ان يكون عاصيا بالفعل (حاشية خيالى على شرح العقائد، ص 146)

ولایلزم من ذلک الایجاب کمالا یخفی علی الفطن و انما یلزم ان لم یکن اللہ تعالیٰ اختیار فی اعطاء ذلک الملکۃ ویکون ذلک الملکۃ امر الازما لماھیۃ فانصف حق الانصاف۔

اما التعریف الاول فان ارید بعدم العصمۃ فی قولھم ان غیر النبی غیر معصوم عدم وجوب العصمۃ فلایلزم نسبۃ الذنب الی اھل البیت ویکونون حینئذ جائز العصمۃ ولایلزم حجۃ الشیعۃ فی امر ادعاء فاطمۃ رضی اللہ عنہ المیراث فانھا انما یدل علی تقدیر وجوب عصمتھا عن الذنب علی انہ یمکن الجواب بما اجاب بہ الکرمانی قدس سرہ کما تقدم۔

وقد اطلع العبد الحقیر علی رسائل بعض العلماء فوجدت ما فیھا قالوا لمادۃ الاشکال و حاصلہ ان العصمۃ عدم ((خلق)) اللہ الذنب فی العبد بالضرورۃ فالمعصوم لایصدر عنہ الذنب ای استحالتہ عادیۃ و شرعیۃ[1] لاعقلیۃ فان الحکم العقلی المخلی بالطبع مع القطع عن الموانع و العادات الخارجیۃ یحکم بامکان صدور الذنب عن النبی و اما غیر النبی فلا استحالۃ فی صدور الذنب عنہ فی الخارج و العقل ایضا لعدم الدلیل فغیر المعصوم اعم من العاصی و المحفوظ فان غیر المعصوم من امکن صدور الذنب عنہ و کان وقوعھا سواء صدر منہ اولا فلایتوھم نفی العصمۃ صدور القبح کما صرح بہ فی الصواعق المحرقۃ و التھذیب وغیرھما۔

الشبھۃ الثالثۃ عشر

منھا قولھم ان ابابکر رضی اللہ عنہ خالف رسول اللہ ﷺ فی الاستخلاف فان رسول اللہ ﷺ لم یستخلف احدا وقد استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ۔

الجواب بوجوہ. الاول ان رسول اللہ ﷺ لمارای ثبات صحابتہ علی دین الاسلام و الصراط المستقیم فتیقن انھم لایتبعون اھواءھم و یومرون بالاجتھاد من یشاء و اما ابوبکر رضی اللہ عنہ فلمارای انحراف الامۃ کتخلف البعض عن اداء الزکوۃ خاف من وقوع الفتنۃ فی الامۃ فاستخلف عمر رضی اللہ عنہ۔

الثانی ان رسول اللہ ﷺ استخلف ابا بکر رضی اللہ عنہ کماروی عنہ فی بعض الاحادیث و اختارہ بعض العلماء لکن التحقیق انہ لم یستخلف احدا کما تقدم۔

الثالث ان المخالفۃ ھو فعل ما نھی عنہ رسول اللہ ﷺ لامجرد فعل مالم یفعلہ علیہ السلام۔

[1] وفی الاصل "استحالۃ وقوعہ" والتصحیح منی۔

الشبهة الرابعة عشر :

ومنها قولهم ان ابابكر رضى الله عنه لما صعد بمنبر بعد البيعة لخطبة جاءه حسن وحسين ابنا[1] على رضى الله عنهم وقالا هذا مقام جدنا ولست له اهلا وهذا طعن على امامته.

الجواب ان هذه الرواية غير صحيحة كذا فى شرح التجريد.

الشبهة الخامسة عشر :

ومنها قولهم ان ابابكر رضى الله عنه و عمر وعثمان رضى الله عنهما خالفوا فى تجهيز جيش اسامة وقد قال رسول الله ﷺ فى مرضه الذى وصل فيه بدار النعيم نفذوا جيش اسامة لعن الله من تخلف عنه فكان مرسلة الى قوم من الكفار وكانت الثلثة فى جيشه و لم يفعلوا ذلك مع انهم عرفوا قصد النبى ﷺ وكان غرضه عليه السلام من التنفيذ من المدينة بعد الثلاثة عنها بحيث لايتواثبوا على الامامة بعد فوت النبى ﷺ ولهذا جعل الثلثة من الجيش ولم يجعل عليا رضى الله عنه.

الجواب بوجوه. الاول ماوقع فى شرح التجريد ان ذلك ليس بصحيح و اورد عليه بمنع عدم صحته والله تعالىٰ اعلم. الثانى ان النبى ﷺ كان فى سكرات موته مغشيا عليه تارةً و مفاقا اخرىٰ وكان كلامه مضطرا او مختلطا من غير روية كماهو شان المغمىٰ عليه وكان خروج الجيش من المدينة منافيا للمصلحة لان المسيلمة الكذاب و طليحة الاسدى الحجاج و الاسود العنسى مع الالف الجيوش و العساكر جعل المدينة مترصدين خروجهم اليها و كان النبى ﷺ مامورا بمشاورة الاصحاب لقوله تعالىٰ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران: 159) و مدح الله تعالىٰ الصحابة بقوله "وَ أَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"- (الشورى: 38) قيل ان التخلف المتعلق به اللعن ماكان فرارا عن معركة القتال.

الشبهة السادسة عشر :

ومنها[2] قولهم ان الله تعالىٰ قال " لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ " (الاحزاب: 53) ودفن ابوبكر وعمر رضى الله عنهما فى بيت النبى ﷺ الجواب ان حجرة عائشة رضى الله عنها كانت ملكالها و استاذنها ابوبكر و عمر رضى الله عنهما والدليل على الجواز ان

---

1. وفى الاصل "ابنى" والتصحيح منى

2. فى الاصل "منهم" والتصحيح منى۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اوصیٰ بان یدفن فی مکانہ لکنہ منع مروان.[1] صو ولان الرای فی الحجرات کما کان لرسول اللہ ﷺ یکون لخلیفۃ بعدہ او لانہ علیہ السلام اذن لھم بذلک.

الشبہۃ السابعۃ عشر:

ومنھا قولھم انہ قطع یسار سارق وھو یدل علی عدم اھلیتہ للخلافۃ. الجواب انہ من غلط الجلاد و نسب القطع الیہ لان الاصل القطع کان بأمرہ ویحتمل انہ کان فی السرقۃ الثالثۃ کماھو رای بعض العلماء.[2] صو، شح

الشبہۃ الثامنۃ عشر:

ومنھا قولھم ان ابابکر رضی اللہ عنہ احرق فجالۃ السلمی[3] کان بالنار وکان یقول انی مسلم وقد قال رسول اللہ ﷺ "لایعذب بالنار الارب النار".[4] الجواب انہ یحتمل ان یکون غلطامن اجتہادہ والمجتھد قدیصیب وقدیخطی شح. وان کان نبیا کداؤد علیہ السلام. وایضایحتمل عدم بلوغ روایۃ النبی ﷺ عن الاحراق الیہ صو. وایضایحتمل ان یکون النبی ﷺ عن الاحراق مختصا بماسوی الزندیق و فجاۃ کان زندیقا صو. ویقتل الزندیق بعد التوبۃ وقدمرّان ورثۃ علی احرقوا ابن ملجم بعدقطع اطرافہ فعلم ان الحدیث لیس بعام والالما احرقوہ.

الشبہۃ التاسعۃ عشر:

ومنھا قولھم ان الامام بالحق بعدرسول اللہ ﷺ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وخالفھم فی ذلک جمیع اھل السنۃ والجماعۃ و اکثر المعتزلۃ واستدل الشیعۃ علی ذلک بأحتجاجات واھیۃ نردھا واحدۃ بعد واحدۃ ان شاء اللہ عزوجل.

بیان تمسکاتنا علی امامۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ

واما نحن فاستدلالنا علی مطلبنا وھو حقیقۃ خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ بوجوہ. الاول مامرّمن الآیات الدالۃ علی حقیقۃ خلافتہ. الثانی ماتقدم من الاحادیث. الثالث الاجماع

---

[1] الصواعق المحرقۃ، الفصل الخامس، جز 01، ص 100

[2] الصواعق للحرقۃ، الفصل الخامس، جز 01، ص 88

[3] ھو ایاس بن عبداللہ بن عبدیالیل بن عمیرہ بن خفاف من بنی سلیم۔ تاریخ طبری، جز 03، ص 265

[4] سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب فی کراھیۃ حرق العدو بالنار، جز 03، ص 54

على حقيقة خلافته واتباع الصحابة له طرّاً سيما ثبوت ورود الثناء عليه من على كرم الله وجهه و اهل بيته كما تقدم. الرابع امر رسول الله ﷺ بامامة الصلوة له. الخامس ان الامة[1] اجتمعت على خلافة ابى بكر الصديق رضى الله عنه وعلى وعباس رضى الله عنهما لم ينازعا ابابكر رضى الله عنه فثبت حقيقة خلافته ولو كان على غير الحق لنازعاه كما نازع على معاوية رضى الله عنهما.

بيان تمسكات الشيعة على امامة على رضى الله عنه

ومنها استدلالهم على خلافة على رضى الله عنه "اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ" (المائدة:55) تقرير الاستدلال وهو ان الاية نزلت باجماع المفسرين فى حق على كرم الله وجهه حين اعطى السائل خاتمه وهو راكع فى صلوته و كلمة انما للحصر والولى اما بمعنى المحب و الناصر او بمعنى اولىٰ بالتصرف و لا معنى ثالث له ثمو. ولا يمكن ههنا ان يراد بالولى المعنى الاول فان النصرة والمحبة عامتان بين المومنين فكيف ينحصر ان فى المومنين الموصوفين بما ذكر فتعين ان يكون المعنى الاولى بالتصرف وهو الامام فتعين كون على رضى الله عنه اماما بعد رسول الله ﷺ.

الجواب بوجوه. الاول ان دعوىٰ الاجماع المذكور باطل فانه قال الحسن رضى الله عنه الاية شاملة لجميع المومنين وروى ذلك عن الامام محمد بن باقر رضى الله عنه و قيل ان المراد عبدالله بن سلام و اصحابه و قيل ان المراد عبادة بن صامت وقال عكرمة انها فى شان ابى بكر رضى الله عنه. الثانى ان المراد هو النصرة والمحبة يختصان بالمومنين الموصوفين بما ذكر. الثالث ان حمل الولى على ماذكروا يخرج الكلام عن الفصاحة و السلامة. فان قيل[2] ذلك الاية وبعدها صريحان فى ان الولى بمعنى المحبة والنصرة حيث ورد ذلك "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ .ومابعدها. وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ "(المائدة: 51) وغير ذلك من الايات السابقة واللاحقة كلها دالة على ان الولى بمعنى المحب والناصر. الرابع ان نزول الاية فى شان على رضى الله عنه لاينافى شمولها لغيره فان صيغة الجمع يدل على ان غيره داخل فى الاية. الخامس انه يلزم مما ذكروه كون على رضى الله عنه اولى

---

[1] وفى الاصل "الامامة" والتصحيح منى۔

[2] هكذا فى الاصل ولعل سقط الاعتراض من الناسخ، قوله "ذلك الآية وبعدها الخ" شروع فى الجواب۔

بالتصرف فی حیاۃ رسول اللہ ﷺ وھو باطل فان ظاھر الایۃ یدل علی ثبوت الولایۃ فی الحال مطلقا صح صو۔ ولا یخفی ضعفہ۔ السادس انہ یلزم علی ماذکروہ انحصار الامامۃ فی علی رضی اللہ عنہ ویلزم من ذلک خلو الامۃ[1] بعدہ عن الامام مع ان امامۃ الائمۃ الاثنتا عشرۃ متفقۃ علیہا عندھم۔ السابع ان ماذکروہ انمایتم اذاکان قولہ تعالیٰ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ (المآئدۃ: 55) جملۃ حالیۃ ای یأتون الصلوۃ ولیس بلازم بل یحتمل العطف بمعنی انہم یرکعون فی صلوتہم ولا یصلون کالیہود فانہم لا یرکعون فی صلوتہم و ایضا قدجاء الرکوع بمعنی الخضوع فعلی ھذا لایضر حالیۃ الجملۃ ایضا۔

ومنہا[2] استدلال علی خلافۃ علی رضی اللہ عنہ بقولہ تعالیٰ "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" ۔(النساء: 59) تقریر الاستدلال ان اللہ تعالیٰ امر باطاعۃ المعصومین لان تفویض الامر الی غیر المعصوم قبیح و غیرھم غیر المعصوم بالاتفاق فالامر باطاعتہ لاغیر۔ الجواب ان امامۃ غیر المعصوم جائزۃ کما تقدم۔ والایۃ نازلۃ فی امر السرایا حین بعث رسول اللہ ﷺ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فی سریۃ فیہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فجاء احدمن المشرکین الی عمار واستامنہ بشرط الاسلام فامنہ فجری لاجل ذلک کلام بین خالد و عمار رضی اللہ عنہما فرفع الامر الی رسول اللہ ﷺ فحکم بحکم عمار رضی اللہ عنہ وینہٰہ[3] عن مثل ما فعلہ فان الاستیمان ماکول الی الامراء دون الاتباع ولما کان الاعتبار لعموم اللفظ لالخصوص المعنی عموا الایۃ فی جمیع الامراء۔

ومنہا[4] استدلالہم علی خلافۃ علی رضی اللہ عنہ بحدیث غدیر الخم[5] الموصوف عندھم بالتواتر وھو ان رسول اللہ ﷺ نزل بغدیر خم وھو راجع عن حجۃ الوداع فجمع الصحابۃ وصعد المنبر الموضوع من رحال الابل و کرر علیہم الست اولیٰ بکم من انفسکم؟؟ فقالوا بلیٰ فرفع ید علی رضی اللہ عنہ فقال "من کنت مولاہ فعلی رضی اللہ عنہ

1۔ وفی الاصل "الامامۃ" والتصحیح منی۔

2۔ وفی الاصل "منہم" والتصحیح منی۔

3۔ وفی الاصل "ینہہما" والقیاس "ینہہ"۔

4۔ وفی الاصل "منہم" والتصحیح منی۔

5۔ اسم موضع بین المکۃ والمدینۃ بالجحفۃ۔

مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عادہ وحب من حبہ و ابغض من ابغضہ فانصر من نصرہ و اخذل من خذلہ و ادر الحق معہ حیث دار"۔[1] قالوا فمعنی المولیٰ ھو الاولی بالتصرف لاالناصر والالم یحتج الی جمع الصحابۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین ولا بمعنی المعتق والمعتق والحلیف والجار وابن العم لظھور بطلانھا۔

الجواب بوجوہ. الاول ماقیل ان الحدیث مطعون فیہ عند کثیرمن ائمۃ الحدیث کابی داؤدالسجستانی وابی حاتم الرازی ولم یخرجہ المحققون کالبخاری والمسلم والواقدی رحمھم اللہ تعالیٰ ولم یکن علی رضی اللہ عنہ یوم غدیر مع النبی ﷺ بل کان بالیمن فالحدیث لیس بصحیح شمو. وایضالم یروا اکثر راویہ المقدمۃ التی جعلت دلیلا ای قولہ "الست اولیٰ بکم من انفسکم؟؟" فانہ یستدل بذلک علی کون المولیٰ بمعنی الاولی بالتصرف شمو سخ.لکن الشیخ المحقق ابن الحجر المکی اطال الکلام فی ان ذلک الحدیث صحیح بلاشک وقدرووہ کثیرمن ائمۃ الحدیث وطرقہ کثیرۃ ورواہ ستۃعشر صحابیا و قول من قال بان علیا رضی اللہ عنہ کان بالیمن غیرملتفیۃ الیہ.ھذا حاصل کلامہ واللہ اعلم بالصواب۔

الثانی انا سلمنا صحۃ الحدیث لکنہ خبرالاحادولیس بمتواتر صو سخ تہ .والشیعۃ اتفقوا علی اشتراط تواتراحادیث الامامۃفھل الاستدلال علی الامامۃ لھذاالحدیث لاتناقض؟۔

الثالث انا لا نسلم ان المولیٰ فی الحدیث ھوالاولی بالتصرف فانہ لفظ مشترک بین المعانی المذکورۃ وحقیقۃ فی کلھا ولایجوز تعمیم المشترک فی معانیہ خصوصافی الموضع المذکور لامتناع ارادۃ کل من المعتق و المعتق و لا تخصیصہ فی بعض معانیہ بدون الدلیل ونحن وجدنا الدلیل علی ارادۃ معنی الناصر المحب فان رسول اللہ ﷺ ارسل علیا رضی اللہ عنہ الی الیمن و معہ بریدۃ فلما رجع علی رضی اللہ عنہ من الیمن قص بریدۃ رضی اللہ عنہ علی النبی ﷺ بعض الامورالشنیعۃ و نسبہ الی امیرالمومنین الحیدر الکرار رضی اللہ عنہ وکان بریدۃ رضی اللہ عنہ یبغض علیا رضی اللہ عنہ.[2] صو .فاراد رسول اللہ ﷺ ان ینھیٰ عن بغضہ ویختم علی حبہ کذاذکرہ الحافظ شمس الدین الجزری قدس سرہ و ایضاقولہ علیہ السلام "اللھم وال من والاہ الخ"قرینۃ دالۃ علی ان المراد ھوالناصر المحب شمو.الرابع انہ

---

[1] الصواعق المحرقۃ،الفصل الخامس فی ذکر شبہ الشیعۃ الخ،جز 01،ص 106

[2] الصواعق المحرقۃ،الفصل الخامس فی ذکر شبہ الشیعۃ الخ،جز 01،ص 109

لم یعهد المولیٰ بمعنی الاولی اذیقال اولی من کذا ولایقال مولی من کذا شمو،صو۔
و ردّہ فی شرح التجرید بانالانسلم ان المولیٰ اسم تفضیل حتی یتوجه علیه ماذکربل المرادانه اسم بمعنی الاولیٰ وذلك شائع فی عبارات القوم کمایشهدبه حاصله۔الخامس ان[1] سلم انه قدجاءاستعماله بمعنی الاولی لکنه لادلیل علی ان یکون المرادهو الاولی بالتصرف بل یجوز معناہ هو الاول فی امرآخرکقوله تعالیٰ "إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ "(آل عمران:68)الایة و کمایقول التلامذة نحن اولی باستاذنا ای اولی بالقرب لا الاولی بالتصرف شمو،صو،مح۔السادس انه لو کان نصاعلی خلافته لاحتج به هو و العباس رضی الله عنهماعندالحاجةفعدم احتجاجهمایکفی فی احتجاجهم والالزم الرضاء بالباطل وهو لایجوز علی اعلام صحابةرسول الله ﷺ ۔السابع ماقیل انا سلمنا کونه نصاعلی خلافته لکنالانسلم کونه خلیفةعقیب موت رسول الله ﷺ لان لیس المرادفی الحدیث خلافته فی الحال والالزم کونه اولی بالتصرف فی حیاةرسول الله ﷺ وهو ظاهر البطلان ولاتعرّض فی الحدیث لوقت الحال والحدیث دل علی خلافته وقت حصول البیعةله صو مح۔الثامن انه دال علی خلافته عقیب موته ﷺ لکنهانسخت باجماع الصحابةوهذاالجواب ضعیف یوجب الهیجان عن الملحدین۔

ومنها[2] استدلالهم علی خلافةعلی رضی الله عنه بقوله علیه السلام"انت منی بمنزلةهارون من موسیٰ الاانه لانبی بعدی"۔[3] تقریرالاستدلال ان لفظ المنزلةاسم جنس شامل لجمیع المنازل فکل منزلة کانت لهارون من موسیٰ علی نبیناوعلیهماالسلام فهی ثابتةلعلی رضی الله عنه من محمدﷺ ومن جملتهاالخلافةفهارون علیه السلام لوعاش بعدموسیٰ علیه السلام لکان بعدہ خلیفته اذالانعزال من الخلافةنقص فلایجوزللانبیاءو هذاالحدیث متواترفثبت کون علی رضی الله عنه خلیفةبعدرسول اللهﷺ۔

الجواب بوجوہ۔الاول انه قال الآمدی وهو من مشائخ اهل السنةوالجماعةان ذلك الحدیث موضوع شمو صو۔الثانی بأنّ[4] الشیعةالشنیعةاشترطوا تواتراحادیث الامامة وهذا

---

[1] وفی الاصل "انه لم سلم" والقیاس "ان سلم"۔

[2] وفی الاصل "منهم" والتصحیح منی۔

[3] فضائل الخلفاء الراشدین، فضیلة للاخی الرضی علی بن ابی طالب، ص38

[4] وفی الاصل "بامر ان" ولفظ الامر زائد۔

الحدیث حدیث احاد صو سح ته.ومع ذلك وقع فی مقابلةالاجماع القطعی شح.الثالث ان المرادهو التشبیه فی التقرب و فی الاخوة طو و لیس المراد ثبوت كل منزلة كانت لهارون من موسیٰ علیهما السلام لعلی رضی الله عنه من سیدالمرسلین ﷺ فان من جملة تلك المنازل كونهما من[1] اخیین نسبیین نبیین.الرابع لوسلمناان كلا من المنازل غیرالنبوةثابت بینهمافلایتم مدعاهم ایضافان هارون علیه السلام لم یكن خلیفةً بموسیٰ علیه السلام بل شریكاله فی النبوة وقوله لهارون اخلفنی فی قومی مجاز مبالغة وتاكید[2] فی القیام بأمر القوم سح.الخامس سلمنا ان هارون كان خلیفةًفلانسلم دوام خلافته بل خلافته مدةغیبته فكذاخلافة علی رضی الله عنه انماهی مدةغیبةالنبی ﷺ وقت كونه فی غزوةتبوك كمایدل علیه بعض الاحادیث.السادس ان كون هارون علیه السلام نبیاعلی الاستقلال اكمل فی شرفه من كونه نائبامن موسیٰ علیه السلام فبطل ماذكروه من ان لوعاش بعدموسیٰ علیه السلام لكان خلیفةًوالا لزم نقصه.السابع انه عام مخصوص البعض وهو لایصح حجةًفی البواقی.الثامن انه لا یلزم[3] نفی خلافةغیره بل یلزم اهلیته للخلافة الاتری انه استخلف فی بعض اسفاره ابن ام مكتوم رضی الله عنه ولایلزم كونه اولی بالخلافةبعده اجماعا صو.التاسع انه ان كان نصاعلی خلافته لاحتج به علی رضی الله عنه والثانی سفسطةفكذاالاول ته.

ومنهااستدلالهم علی خلافةعلی رضی الله عنه بقوله علیه السلام "انت اخی وخلیفتی و وصیّ من بعدی وقاضی دینی"[4] بكسرالدال وقوله علیه السلام "انت سید المسلمین[5] وامام المتقین وقائد الغر المحجلین "سلّموا علیٰ علیٍّ رضی الله عنه بأمرة الناس"[6] وغیرذلك من الاحادیث.الجواب انه تلك الاحادیث اكاذیب بأطلةوافتراءات

[1] وفی الاصل "مكن" ولتصحیح منی۔

[2] وف الاصل "فی القوم" والقیاس هذا زائد۔

[3] وفی الاصل فعل للثبت والصحیح فعل للنفی۔

[4] تجرید العقائد للطوسی، ص 231

[5] وفی الاصل "سید المرسلین" والتصحیح منی۔

[6] تسدید القواعد فی شرح تجرید العقائد، ص 1073

كاذبة صو شمو. وقد اتفق ائمة الحديث على وضعها صو. والعجب انهم يدعون صحتها لم يجالسوا محدثا ولم يوصفوا بشرط من شرائط المحدثين قائلهم انى توفكون.

و منها استدلال على خلافة على رضى الله عنه بأن الامة اجتمعت على خلافة احد الاشخاص الثلثة ابوبكر و على وعباس رضى الله عنهم والقول بامامة ابى بكر وعباس رضى الله عنهما باطل لان الامام يجب ان يكون واجب العصمة و ان يكون منصوصا عليه وهما لم يكونا واجب العصمة ولا منصوصا عليهما بالاتفاق فثبت القول بامامة الحيدر الكرار رضى الله عنه

الجواب[1] انا لا نسلم واجب العصمة والتنصيص وقد سبق الكلام فى ذلك واجيب بأن لا نسلم عدم تنصيص فى حق ابى بكر رضى الله عنه.

بيان مطاعن الشيعة على عثمان

الشبهة العشرون:

ومنها قولهم ان عثمان رضى الله عنه ولى من ظهر فسقه فخان[2] المسلمين فانه ولى الوليد بن عتبة وظهر منه شرب الخمر وصلى بالناس سكرانا و ولى عبدالله بن ابى سراح بمصر فظهر ما قتله بسبب ذلك اهل مصر و ولى معاوية رضى الله عنه على الشام فظهر منه ماظهر وكل ذلك يدل على عدم اهليته للخلافة.

الجواب انه وليهم ظنا انهم من اهل الولاية ولا اطلع على السرائر الا الله تعالى الا ترى انه لما راى تعدى عبدالله بن ابى سرح عزله و معاوية رضى الله عنه كان اميرا على الشام من زمن عمر رضى الله عنه و لم يظهر منه منكر حتى خلافة عثمان رضى الله عنه و انما ظهر منه الخطائى الاجتهاد فى خلافة على رضى الله عنه.

الشبهة الحادي و عشرون:

ومنها قولهم ان عثمان رضى الله عنه اثر اهله و اقاربه بالاموال العظيمة حتى روى انه دفع الى اربعة نفر منهم اربع مائة والف دينار وكان من بيت المال. الجواب انها لم تكن من بيت المال بل خاصّة من نفسه شح. وغنائه و تموله مشهور والايثار على الاقارب من مال نفسه

1۔ وفى الاصل "الواجب" والتصحيح منى۔

2۔ وفى الاصل "فخانو االمسلمين" والتصحيح منى۔

مستحسن شرعاً و عرفاً.

الشبهة الثانية و عشرون:

منها قولهم ان العثمان رضی الله عنه صدر منه فی حق الصحابة اشیاء منکرة[1] كثيرة فانه ضرب عبدالله بن مسعود رضی الله عنه حتی مات و اخرق مصحفه و ضرب عمارا رضی الله عنه حتی اصابه فتق و ضرب اباذر رضی الله عنه ونفاه الی الربذة وقدورد فی حق صحابة رسول الله ﷺ مناقب کثیر فسوء الادب بهم یدل علی عدم اهلیته للخلافة.

الجواب بعد تسلیم صحة القصة بوجوه .الاول ان عثمان رضی الله عنه لما اراد ان یجمع الاصحاب علی مصحف واحد طلب مصحف ابن مسعود رضی الله عنه فابی من ذاك مع انه کان فیه زیادة و نقصان فادبه عثمان رضی الله عنه شح.

ولانسلم انه مات من ذلك شح و کان ذلك التادیب ضروریا ولایخفی ان التادیب دون القتل و علی رضی الله عنه قد قتل کثیرا من الاصحاب تادیبا. شح .الثانی ان عمارا رضی الله عنه دخل علی عثمان رضی الله عنه فاساء الادب و اغلظ فی القول بما لایجوز الاجتراء بمثله علی الائمة وللامام التادیب لمن اساء الادب علیه حتی یقع علی الناس هیبته و انحطاط هیبته یوجب هیجان الفتنة وجراة الاعداء و کثرة الفساد. شح

الثالث ان اباذر رضی الله عنه کان یقول احدث الناس بعد الشیخین رضی الله عنهما ناعمةً واطعمةً لذیذةً و کان ذلك موجبا لفساد قلوب الناس وکان ابوذر اذا رای عثمان قال " يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ " (التوبة:35)فادبه عثمان رضی الله عنه جاز التادیب لذلك الوجه و ان افضی ذلك الی الهلاك ثم قال له اما ان تکف واما ان تخرج حیث ماشئت فخرج الی الربذة من غیر منفی. شح والله اعلم

الشبهة الثالثة و عشرون:

ومنها انه اسقط القصاص عن ابن عمر رضی الله عنه[2] حیث قتل هرمزان ملك اهواز وقداسلم بعد ما اسر فی فتح اهواز واسقاط القصاص ترك الفرض. الجواب انه اجتهد ورای

---

[1] وفی الاصل "منکرة اشیاء" والتصحیح منی۔

[2] هو عبیدالله بن عمر بن خطاب العدوی القرشی، صحابی من ابطال قریش و فرسانهم، غزا افریقیة مع عبدالله بن سعد و شهد صفین مع معاویة و قتل فیها سنة 37ھ۔الاعلام للزرکلی، جز 04، ص 195

انه لايلزمه حكم القتل[1]۔

الشبهة الرابعة و عشرون:

ومنها قولهم ان عثمان رضی الله عنه اسقط الحد عن الوليد لشربه الخمر۔ الجواب اخر الحد عنه بتيقن على شربه فقال ان ثبت له شرب الخمر لاجريت عليه الحد۔[2] ثم

الشبهة الخامسة و عشرون:

ومنها قولهم ان الصحابة رضی الله عنه خذلوا عثمان رضی الله عنه وقت شهادته وقال امير المومنين على رضی الله عنه "الله قتله" مع تمكنهم من الدفع عنه و لم يدفن الى ثلثة ايام وذلك علامة شدة غيظهم عليه فلولم يكن مستحقا لذلك لما تهاونوا فى انتصاره۔

الجواب ان حديث خذلان الصحابة وتركهم دفنه بلا عذر غير صحيح فان ذلك طعن فيهم لافيه ونحن لانظن بالمهاجرين والانصار رضوان الله عليهم سيما الحيدر الكرار رضی الله عنه ان يرضوا بقتل مظلوم خصوصا من هو قانت اناء الليل ساجدا وقائما وذا كرا شرفه رسول الله ﷺ بابنتيه وبشره بالجنة ثم لكن وجه عدم تهيؤ فى انتصاره انه نهيهم عن مقاتلة المحاربين شفقةً على حقن دماء المسلمين ورضاء بالقضاء ۔ ثم ويتيقن بما اخبره به رسول الله ﷺ بالشهادة كما سبق على انه روى ان الصحابة تهيئوا لمقاتلتهم فقتلوه قبل بلوغهم مع انه نهاهم عن المقاتلة وارسلوا ابنائهم لمحافظة عثمان رضی الله عنه كما ذكر فى القصة۔

الشبهة السادسة و عشرون:

ومنها قولهم ان عثمان رضی الله عنه لم يشهد بدرا واحدا وبيعة الرضوان وذلك نقص بيّن فى حقه ۔ الجواب انه قد شهد احدا لكنه انهزم فى الغزو وقد عفى الله عنه كما قال الله تعالىٰ "إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ "(آل عمران:155) وانما يغيب عن بدر لان زوجته رقية بنت رسول الله ﷺ كانت مريضةً فقال له رسول الله ﷺ ان لك اجر رجل شهد بدرا وسهمه فاذهب فاعطاه رسول الله ﷺ سهمه فهو بدرى بلاشك ولذلك عدّه رئيس المحدثين

---

[1] لانه وقع قبل عقد الامامة له و قد قال هذا القتل جرى من غير سلطان فلايلزمنى حكمه، تسديد القواعد شرح تجريد العقائد، ص 1133

[2] وقيل ان يتيقن قضى نحبه وآل الامر الى على رضی الله عنه فحده هو۔

محمد[1] البخاري من البدريين و انما لم يشهد بيعة الرضوان لانه قد بعثه رسول الله ﷺ الى مكة فلما بايعه الصحابة رضوان الله عليهم بيعة الرضوان فاخذ يده وضرب على يده اخرىٰ فقال هذا يد عثمان رضى الله عنه فكانت يد رسول الله ﷺ لعثمان رضى الله عنه خيرا من ايديهم لانفسهم۔

وتلك الاسولة الثلثة باسرها مع الاجوبة مذكورة فى حديث عثمان بن عبدالله بن موهب اخرجه البخارى[2] وحاصل الحديث انه سئل عن عبدالله بن عمر رضى الله عنهما رجل من اهل مصر عن تلك الاسولة الثلثة فاجابه بما ذكرنا فاندفع الاسولة المذكورة باسرها۔

الشبهة السابعة و عشرون:

ومنها ان رسول الله ﷺ اخرج مروان بن الحكم من المدينة المقدسة المطهرة و ارجعه عثمان رضى الله عنه اليها وظهر منه الفتن العظيمة. الجواب انه يحتمل كون النهى عن دخوله فيها موجلا الى وقت معين اطلع عليه العثمان رضى الله عنه من رسول الله ﷺ او مقيدا بعدم ظهور الصلاح فيه فلما راى عثمان رضى الله عنه ظاهره مزين بالصلاح ادخل المدينة ولم يطلع منه على ماسيظهر والله اعلم بالصواب واليه المرجع و الماب.

مباحث رد التقيّة

الشبهة الثامنة و عشرون: منها ايجابهم التقية على نبينا عليه السلام و الائمة رضوان الله عليهم اجمعين وهى من كبائر اصولهم ويتفرعون عليها امورا كثيرة. الاول عدم امر نبينا محمد ﷺ عليا رضى الله عنه بامامة الصلوة و امر ابي بكر رضى الله عنه. الثانى عدم طلب على حقه وحق الزهراء من ابي بكر و عمر و عثمان رضوان الله عليهم اجمعين. الثالث ماورد من على رضى الله عنه واهل بيته الثناء على الخلفاء الثلثة وذكر فضائلهم. الرابع عدم اظهار اهل بيت النبى ﷺ مايظهر الروافض. الخامس تجويزهم لعلى رضى الله عنه و النبى ﷺ الكفر خوفا من القتل وغيره وافتروا على الامام جعفر الصادق رضى الله عنه انه قال "التقية دينى و دين آبائى" وفسروا قوله تعالىٰ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: 13) اى اكثركم تقيا واشد كم خوفا من الناس و روى من بعض فقهائهم ان

[1] وفى الاصل "محمد بن البخارى" والتصحيح منى۔

[2] صحيح بخارى، كتاب المغازى، باب قول الله عز وجل "ان الذين تولوا" الخ، جز 05، ص 98

جعفر الصادق رضي الله عنه نام ليلة عندنافي خلوة خاصة وكان عنده من لا يشك في شيعته فقام للتهجد فتوضاء ماسحا اذنيه غاسلا رجليه فصلى عاقدا يديه فسمعنا صيحة فرأينا رجلا القى نفسه على قدميه يبكى ويعتذر فسألنا عن حاله فقال "كان الخليفة وار كان دولته يشكون فيك وانا كنت من جملتهم فدخلت الدار واختفيت ولم يطلع على احد فالحمد لله الذى اذهب عنى سوء ظنى وحسن اعتقادى فيك يا ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم "وقال الراوى "انه فعل ذلك تقية منه وعلمنا من ذلك ان المعصوم لا يخفى عليه شيئ" انتهى. ١ــ خوفا لما بقى الحق فى الناس تك. ٢ــ

((و الجواب من وجوه. الاول إن كانت التقية جائزة لزم مفاسد كثيرة. منها أنه عليه السلام لم يبلغ ما أمره الله تعالى تبليغه من الاحكام خوفا من الناس و أيضا مخالفة أمر الله تعالى فى اقواله و افعاله خوفا منهم و اللازم باطل بالبداهة و منها لا يبقى الفرق بين الصادق و الكاذب و بين المؤمن و المنافق و منها ان كانت عندهم من الدين فما حكم أهل العزيمة مثل أبراهيم و موسى و زكريا و يحيى عليهم السلام الذين قاموا على الحق و خالفوا أعداء الدين و لا يخافون لومة لائم فى سبيل الله و منها لزوم الجبن و عدم الشجاعة فى أئمة اهل البيت خصوصا على المرتضى أسد الله و بالجملة مفاسد هذا الأصل أكثر من أن يحصى و أظهر من الشمس و قال الشيخ عبد الحق الدهلوى قدس سره فى كتابه المسمى ب" تكميل الايمان و تقوية الايقان ". "أدخل الروافض الأنبياء عليهم السلام تحت مظلة التقية حتى يقولون أن الأنبياء عليهم السلام يجوز لهم إظهار الكفر فى حالة الخوف ثم وصلت منطقتهم إلى أن النبى صلى الله عليه وسلم كان فى قلبه يعتقد أن عليًا رضى الله عنه هو الإمام ولكنه لم يظهر ذلك بسبب الخوف و التقية. عند ما لا يتردد هؤلاء فى نسب مثل هذه الاحتمالات إلى النبى صلى الله عليه وسلم فماذا سيقولون فى شوؤن الأخيرين إذا بدأ

١ــ الركضة على ظهر الرفضة، ص158

٢ــ و فى الاصل العبارة في هذا الموضع ساقطة وقد قدّم المصنف الرد على شبهة الشيعة بستة أجوبة، خمسة منها موجودة بشكل كامل ـ أما الجواب الأول ليس كاملا لكن هذه العبارة "لما بقي الحق في الناس تک الا ترى الخ" وهو الجزء الأخير من الجواب أما الجزء الأول فقد أضفناه من عندنا مع اقتباس من تكميل الإيمان لأن النص يحتوي على رمز "تک" مما يدل على أن الجواب الأول كان يتضمن جزءا منه لكنه سقط لاحقا ولم يبق إلا جملة "لما بقي الحق في الناس".

الأنبياء عليهم السلام إخفاء الحق فمن أين سيظهر الحق؟[1]) الاترى الى عتو قوم نمرود واستكبار قوم فرعون و تمرّد قوم نوح و كثيرة القريش ايذاء النبي ﷺ وهم الكفار خذلهم الله يقتلهم حتى قتل بعض الاقوام لنبيهم عليه السلام ومع ذلك لم يظهر احدمنهم الكفر بل كلما كثرايذاءهم كثر اظهارهم الاسلام والدعوة اليهم الاترى الى نبينا محمد ﷺ قداوذى بحيث لم يوذنى مثله حتى هموابقتله فهجر الى المدينة المقدسة ولم يسقط[2] مع انهم الجوا اليه وقالوا ارجع من الاسلام والا نقتلنك وقال بعض الاقوام نبيهم ان لم تنته لنرجمنك فلم تنته الى غيرذلك كمايظهر من مطالعة السير والتاريخ.

الثانى انه يلزم منه رفع التقية والاعتماد عن الانبياء و الائمة فانهم كلماقالوا شيئاً احتمل ان يكون خوفاوتقيةً ولايكون حقاوصدقا.

الثالث انه قداشتهر وتواتر ان علياً رضى الله عنه انه كان لايقصر فى اظهار امر الحق ولايدهن فى اعلانه لما انه اسدالله الغالب وكان مع شجاعته وهيبته وشو كةٍ عظيمةٍ وروى انه قال على المرتضىٰ كرم الله وجهه "والذى هو منبت الحبوب ومبدع النفوس لولا امر رسول الله ﷺ ابابكر رضى الله عنه بأمامة الصلوة لم اخره لابى بكر على ادنىٰ مرتبة من مراتب منبر محمد ﷺ لكن النبى ﷺ لما اختاره لامر ديننا وامره بالصلوة مع انى كنت حاضراً عنده فيكون اولىٰ لامر دنيانا ولايكون لى مجال المنازعة معه فى امر تك.

وروى انه قال عباس رضى الله عنهم لعلى رضى الله عنه فى مدة التاخير "امدديك ابايعك حتى يقول الناس بايع عم رسول الله ﷺ مع ابن عمه"[3] وقال السفيان رضى الله عنه الاموى مع انه لم يكن قبيلة فى الجاهلية والاسلام مثل بنى امية فى الشجاعة[4] "ارضيتم ياابناعبدالمناف بأن يملك عليكم تميمى؟" اشارةً الى ابى بكر رضى الله عنه لما انه كان من تميم هو اضعف القبائل لو ادعيتم لامليت الوادى من الركبان والراجلين فمنعه على رضى الله عنه وقال ياعدو اهل الاسلام اتبتغى

---

[1] تکمیل الایمان، ص139، 140

[2] هكذافى الاصل ولم يتضح لنامعناه۔

[3] رسالة فى رد الروافض لاحمد السرهندى، ص11

[4] لم يتضح لنانص للخطوط۔

الفتنة؛[1] وكانوا بنوهاشم مع شوكتهم اخوانه وحسن وحسين رضي الله عنهما احب الخلق عند رسول الله ﷺ هما اولاده.

روى ان ابابكر رضي الله عنه دعا علياوعماراوطلحةوزبيراومقدادا رضي الله عنهم بمحضر من الاصحاب فصعد المنبروخطب ثم قال ان هذا علي بن ابي طالب رضي الله عنه انالا اكره به بأن يبايعني فاذا (اخترتم) او اختاروانصب امام آخرفانااول من بايعه فقالوا "لانرى اولىٰ منك بالخلافةفبايعوه" فالعجب من الشيعةيقولون انه اسدالله وينسبون عليارضي الله عنه بالجبن مع انه كان امرء قويافي اعلاء الحق غيرمداهن.

الرابع انه روى عن اهل بيت النبي ﷺ تبرئهم من التقية كماروى انه قيل لامام محمدالباقررضي الله عنه ماتقول في الشيخين؛فقال احبهماحباشديدا فقيل ان الناس يزعمون انك تقول ذلك تقيةًفقال ان الخوف من الاحياء لامن الاموات فشرع في مذمةهشام بن عبدالملك بن مروان وسبّه وكان سلطان العهدواشارالى ان كنامن اهل النفاق بأن نضع في قلوبناسيادة وتظهر خلافه وانالانخاف من احدالاالله ولانخفي الحق من خوف الناس تك. الخامس ان عليارضي الله عنه لولم يدعي الخلافةفي زمن ابي بكررضي الله عنه تقيةًوخوفا لزم عليه ان لايقاتل معاويةرضي الله عنه فهذا دليل على ان ابابكررضي الله عنه كان على الحق فلم ينازعه ومعاويةرضي الله عنه ادعى امرلم يكن له فنازعه مع ان بني امية كانوا من بين (قبائل[2]) القريش في الجاهلية والاسلام في غاية الكثرةوالشدة.

السادس ان اظهارالحق واجب والرضاء بالباطل ذنب فكيف يجوز اخفاء الحق تقيةًمع القدرة على اظهاره والخوف من الناس وعصيان امر الله تعالىٰ قدقال الله تعالى فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المآئدة:44)[3]

---

[1] لم اجدبهذااللفظ لكن اجد بمعناه في "تاريخ دمشق لابن عساكر" حرف الصاد, صخر بن حرب بن اميه, جز 23, ص 421, وليس فيه "يا عدو اهل الاسلام" والله اعلم.

[2] لم يتضح لنانص المخطوط ولفظ "قبائل" مني.

[3] وجدت في حاشية الصفحة 77 من المخطوط عبارة تالية ولا اعلم أهي للمصنف اولغيره لكن اظن انها للمصنف لسببين احدهما العبارة تتعلق بموضوع الكتاب ثانيهما كما ان المخطوط يوجد فيه الاضطراب من البياض والسقط وعدم الترتيب في الابواب والفصول فمن الممكن ان تكون هذه العبارة ايضامن كلام المصنف وسقطت من الناسخ ولذااضفت لاحقافي الحاشية والله اعلم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیان الائمة الاثنتی عشر

الشبهة التاسعة وعشرون:

ومنها[1] حصرهم الامامة فی اولاد علی رضی الله عنه ومنهم فی اولاد الحسین علیه السلام ومنهم فی النفوس الائمة الاثنی العشریة الکریمة. اما حصرهم الامامة فی اولاد علی رضی الله عنه فدعویٰ بلا دلیل واما حصرها فی اولاد الحسین رضی الله عنه فلما قالوا ان الحسن بن علی رضی الله عنهما لم یعقب وانقرض عقبه واجمعوا علی ذلک وقالوا لا ((یحتاج))[2] اثباته الی دلیل ومنهم من ادعی ان الحجاج قتلهم وقال اهل السنة والجماعة انه انکار التواتر فظاهر البطلان واما حصرها فی اثنی عشر فلما ادعوا انه لابد فی الامامة من النص وقال علیه السلام "لایزال الدین قائماً حتی یکون اثنا عشر خلیفةً".

الجواب ان حصرهم الامامة فی العلویة والحسینیة دعویٰ بلا دلیل کما سبق وروی ابوداؤد وغیره "ان المهدی من اولاد الحسن رضی الله عنه" واما حصرها فی اثنی عشرة استدلالا بالحدیث فباطل فانه لیس المراد من الاثنی عشرة من الحدیث تلک الاشخاص الکریمة فانه قد روی الحدیث بطریق متعددة فلنذکر بعضها روی ابوداؤد "لا یزال هذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشرة خلیفة کلهم یجتمع علیهم الامة".[3] وروی الترمذی "یکون من بعدی اثنا عشر امیرا"[4] واخرج البغوی "یکون بعدی اثنا عشر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)((ومن ذلک قال بعض الفقهاء "انه یقبل توبة ساب النبی ولا تقبل توبة ساب الشیخین لان سب النبی لیس بمذهب بخلاف سب الشیخین فانه مذهب حتی ان الشیعة اوجبوا سبهما لعنهم الله تعالی و خذلهم و جزاهم جزا الکلاب العاویات علی ان سب النبی انما یظهر من احد فی حالة الغضب ولا یخفی ان حالة الغضب یظهر فیها ما لا یتمکن الانسان علی نفسه ثم یندم علی ما فعل فی تلک الحالة کما راینا بعض الناس یبکون علی ما فعلوا فی حالة الغضب فتوبة ساب النبی مقبول لما ان فعله هذا کفعل من لا اختیار له فتوبته تکون توبة نصوحا و خالصة من النفاق بخلاف سابهما فان من جوز اظهار الکفر من النبی بل اوجبه علیه تقیة کیف لا یظهر التوبة خوفا من القتل فانه یحسبها علی نفسه واجبة و یجوز باطنه مملوا بالنفاق۔))

[1] فی الاصل "منهم" والتصحیح منی۔

[2] لم یتضح لنا نص المخطوط۔

[3] سنن ابی داؤد، کتاب المهدی، جز 04، ص 106

[4] سنن ترمذی (بشار) ابواب الفتن، باب ماجاء فی الخلفاء، جز 04، ص 71

خليفةً"[1] وقال الائمة هذا الحديث مجمع على الصحة صو.

فنقول لايصح حمل حديث على ماذكروا من وجوه الاول انه قدورد فى بعض طريق الحديث لفظ الامير والمتبادر منه عند الاطلاق هو الامارة الظاهرة التى يكون صاحبها صاحب سيف و تنفيذ احكام ويؤيده ماورد فى بعض الروايات "لايزال هذا الامر ماضيا حتى يقوم اثنا عشر اميرا"[2] وقد اتفقت الشيعة والسنية انه لم يكن موصوفا بهذا الوصف غير على رضى الله عنه وحصل للحسن بعض ذلك.

الثانى انه قد ورد فى بعض الروايات "يملك هذه الامة"[3] ولاشك ان غير على رضى الله عنه لم يملكها لان هذا اللفظ انما يستعمل فى ملك ظاهر يكون صاحبه ذا سلطنة واجراء الاوامر والنواهى وغير ذلك.

الثالث انه قد ورد فى بعض الروايات "كلهم يجتمع عليهم الامة"[4] ولم يجتمع الامة على احد منهم غير على رضى الله عنه.

الرابع ان ابابكر رضى الله عنه داخل فيهم بدليل رواية البغوى فبطل ما ادعوه وقال بعض الناس ان اباجعفر القمى اخرج الاحاديث التى ايد بها على ان المراد فى الحديث هى النفوس الكريمة المشهورة وكان من شيوخ الشيعة استشهده البخارى و رد بأن القمى الذى ذكره بأن الذى استشهده البخارى هو ابو الحسن يعقوب بن عبدالله و هو من اهل السنة و الجماعة و اما ابو جعفر القمى فهو من اضل الشيعة روى باكاذيب و اباطيل تقدم بعضها فى شرائط الامامة فارجع اليه.

فان قلت فما المراد باثنتى عشرة فى الحديث؟ قلت اختلف علمائنا فى ذلك فقال بعضهم انه ابوبكر و عمر و عثمان و على رضى الله عنهم و من اجتمع الناس عليه و صار له ((عزة و استقامة)) وهم معاوية و يزيد و عبدالملك و ابناءه الاربعة الوليد و سليمان و يزيد و هشام و عمر بن عبدالعزيز و بعد ذلك حصل فى دولة الاسلام العض حتى انه باق الآن و لم يتفق

---

[1] شرح السنة للبغوى، كتاب الفتن، باب اشراط الساعة، جز 15، ص 30

[2] مسند احمد مخرجا، اول مسند البصريين، حديث جابر بن سمرة، جز 23، ص 398

[3] للمعجم الكبير، باب العين، جز 10، ص 157

[4] اكمال المعلم بفوائد للمسلم، كتاب الامارة، باب الناس تبع لقريش الخ، جز 06، ص 217

الناس بعد ذلك على خليفة لوقوع الفتن و اما وقت دولة هولاء الاثنتى عشرة فكان الاسلام فى قوة و قد استولوا على جميع المملكة الاسلامية[1] و كانت جيوشهم جيشا بالاندلس يفتحه و جيشا ببلاد الترك يقتل[2] و جيشا ببلاد السند و جيشا بارض الروم و هذا هو المرضى للقاضى العياض و حسنه شيخ الاسلام فى فتح البارى فى شرح صحيح البخارى قدس سره و قال ان كلام القاضى كلام حسن مويد بقوله كلهم تجتمع عليه الناس اى ينقادونه و ينبغى ان يعلم ان اطلاق لفظ الخليفة لا ينافى دخول من لم يكن اهلا لها لان المراد بالخليفة ههنا من يملك الناس و ينفذ احكامهم سواء كان صالحا او ظالما كذا ذكره بعض الفضلاء و قال بعضهم المراد وجود اثنى عشر خليفة فى جميع المدة الى يوم القيامة يعملون بالحق و ان لم يتوالوا[3] و يويده رواية البعض كلهم يعمل بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله و يكون المراد بالهرج فى بعض طرق الحديث روى هكذا "يكون بعدى اثنى عشرة خليفة كلهم يكون من قريش ثم يكون الهرج " المراد بالهرج الفتن الكبار كخروج الدجال و غيره و بالاثنى عشر الخلفاء الاربعة و الحسن و معاوية و ابن زبير و عمر بن عبدالعزيز و المهدى العباسى و الظاهر العباسى و يبقى الاثنان منتظران و لم يذكر بعضهم العباسين الاخرين و قال يبقى اربعة منتظرة و قال بعضهم ان المراد بهم الخلفاء يظهرون بعد وفات المهدى ستة من ولد الحسن رضى الله عنه و خمسة من ولد الحسين رضى الله عنه و آخر من غيرهم . قال فى فتح البارى و الصواعق المحرقة ان تلك الرواية ضعيفة واهية جدا فلا يعول عليها و قال بعضهم ان المراد بهم خلفاء يظهرون من زمان واحد و لا شك فى بطلانه لانه يوجب هيجان الفتن و فى فتح البارى ان الحديث الصحيح "كلهم يجمع عليه الناس " يرد ذلك القائل و قيل تعيين مراد رسول الله ﷺ من غير دليل نوع من الكذب و الله اعلم و بالجملة ما ادعاه الشيعة باطل عقلا و نقلا .

الشبهة الثلاثون:

و منها نسبتهم ام المومنين عائشة الصديقة رضى الله عنها ((عما يقولون فيها الى الفاحشة)) التى ما نزل كتاب الله المجيد بطهارتها عنها و ذلك كفر و انكار للتنزيل و قد

١ـ وفى الاصل هنا "فهو الاعداء" و الاولى حذفه.

٢ـ وفى الاصل هنا "اتفاق الكمين" لم افهم هذا.

٣ـ وفى الاصل هنا "امر الحق" اولى حذفه.

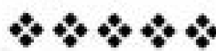
ورد كثير من الآيات في برأتها في ابتداء سورة النور و قد روى عبدالرزاق و احمد و عبد بن حميد و البخاري و ابن الجرير و ابن المنذر و ابن ابي حاتم و ابن مردويه و البيهقي و سعيد بن منصور و البزار و الطبراني "ان عائشة رضي الله عنها هي المبراة المرادة بهذه الآيات" و روى ذلك عن عروة بن زبير و سعيد بن مسيب و علقمه بن وقاص و عمرة بنت عبدالرحمن و عبدالله بن ابي بكر بن حزم و ابو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف والقاسم بن محمد بن ابي بكر و الاسود بن يزيد و عباد بن عبدالله بن زبير رضوان الله عليهم اجمعين و روى ابن عساكر عن النبي ﷺ انه قال "ما فجرت امراة نبي قط[1]" انتهى.

فان هذا يستلزم اهانة الناس بالنبي عليه السلام و نفرتهم منه و قد نفى من النبي ﷺ ما يوجب النفرة سيما من الازواج المطهرات فانه يوجب شبهة ان يكون ابنائه اولاد الزنا و ذلك يوجب الخسة والدناءة والنبي ﷺ انما يبعث من اشرف القبائل.

فان قيل ان ذلك مخالف لقوله تعالى "ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا "(التحريم:10). قلت روى عبدالرزاق والفريابي وسعيدبن منصور وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذروابن ابي حاتم والحاكم "انهماما زنتا و كون خيانةامرأة نوح انهاكانت تقول للناس انه مجنون و خيانة امرأةلوط انهاكانت تدل على الضيف"[2] وقيل ان قذف عائشةرضي الله عنها كفر و ردة ولايكفي فيها الحد لانه يكذب سبعةعشر آيةً وانما اكتفى النبي ﷺ بجلدقاذفهالان القرآن مانزلت ببراتهافلم يكذب القرآن وبعدنزول الكتاب المجيدبطهارتها فقذفها ردة.[3]

تمت نسخة مرام الكلام من تصنيف مولانا مولوى عبدالعزيز الفرهاروى قدس سره العزيز. وكاتبه قادربخش بن احمد كما صرح في آخر المخطوط هكذا "من يد فقير حقير ضعيف العباد قادربخش بن احمد غفرالله لهماولاخوانهما في الدارين خيرالجزء اليه". تم انجاز التنضيد الجديد لمخطوط هذا الكتاب وفقاً لثاني من الشوال المكرم عام ۱۴۴۴ ھ الموافق 22 أبريل 2023م. اللهم تقبل مني و صلى الله تعالى على رسوله الكريم وعلى آله وصحبه اجمعين آمين!

دراسه وتحقيق: ابو محمد عبدالواحد كبيرى مدنى



[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف النون، ص265، جزء62

[2] تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ التحریم آیت:10، جز10، ص3362

ماخذ و مراجع

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام	مطبوعہ
1.	القرآن الکریم		
2.	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	دار طوق النجاۃ
3.	مسند احمد	امام احمد بن حنبل	مؤسسۃ الرسالۃ
4.	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد طبرانی	مؤسسۃ الرسالۃ
5.	مستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ حاکم	دار الکتب العلمیۃ
6.	سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث سجستانی	المکتبۃ العصریۃ
7.	السنۃ لابن ابی العاصم	ابوبکر بن ابی عاصم	المکتب الاسلامی بیروت
8.	الھدایہ	علی بن ابی بکر فرغانی	مکتبۃ رحمانیۃ
9.	تذکرۃ المذاھب		
10.	غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانی	دار الکتب العلمیۃ
11.	الابانۃ الکبری	عبیداللہ بن محمد	دار الرایۃ ریاض
12.	مختصر صحیح مسلم	عبدالعظیم المنذری	المکتب الاسلامی بیروت
13.	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید قزوینی	دار احیاء الکتب العربیۃ
14.	بستان العارفین	نصر بن محمد السمرقندی	
15.	تفسیر کشاف	محمود بن عمرو زمخشری	دار الکتاب العربی بیروت
16.	لمعات التنقیح	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	دار النوادر شام
17.	روح البیان	اسماعیل حقی	دار الفکر بیروت
18.	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمن بن محمد	مکتبۃ نزار مصطفی
19.	عمدۃ القاری	محمود بن احمد العینی	دار احیاء التراث العربی
20.	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ	دار الکتاب العربی بیروت

21.	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد طبرانی	دار الحرمین قاهره
22.	الفردوس بماثور الخطاب	شیرویہ بن شہردار دیلمی	دار الکتب العلمیۃ
23.	سنن ترمذی	محمد بن عیسی ترمذی	دار الغرب الاسلامی
24.	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد طبرانی	مکتبۃ ابن تیمیۃ قاهرہ
25.	فضائل الخلفاء الراشدین	ابونعیم احمد بن عبداللہ	دار البخاری المدینۃ المنورۃ
26.	تاریخ دمشق	علی بن حسن ابن عساکر	دار الفکر بیروت
27.	فتح الباری	احمد بن علی بن حجر	دار المعرفۃ بیروت
28.	ارشاد الساری	احمد بن محمد القسطلانی	المطبعۃ الکبری مصر
29.	مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر بن ابی شیبۃ	مکتبۃ الرشد ریاض
30.	تاریخ المدینہ	عمرو بن شبۃ النمیری	
31.	التیسیر بشرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	مکتبۃ الرشد ریاض
32.	اسد الغابہ	علی بن محمد ابن الاثیر	دار الکتب العلمیۃ
33.	فضائل الصحابہ	امام احمد بن حنبل	موسسۃ الرسالۃ بیروت
34.	الصواعق المحرقۃ	احمد بن محمد الهیتمی	موسسۃ الرسالۃ بیروت
35.	الریاض النضرۃ	احمد بن عبداللہ الطبری	دار الکتب العلمیۃ
36.	عجائب القصص	شاہ عالم ثانی	مجلس ترقی ادب لاہور
37.	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل بخاری	مکتبۃ المعارف ریاض
38.	معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم	ابونعیم احمد بن عبداللہ	دار الوطن ریاض
39.	بحر المذاهب	علامہ عبدالوهاب قنوجی	مخطوط
40.	شرح مسند ابی حنیفۃ للقاری	علی بن سلطان القاری	دار الکتب العلمیۃ
41.	مسند بزار	احمد بن عمرو البزار	مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ
42.	الکفایۃ فی علم الروایۃ	احمد بن علی البغدادی	المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنورۃ
43.	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر	دار الجیل بیروت
44.	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	موسسۃ الرسالۃ بیروت
45.	شرح المواقف	قاضی عبدالرحمن عضد الدین	دار الکتب العلمیۃ

.46	کشف الظنون	مصطفی بن عبداللہ کاتب چلپی	مکتبۃ المثنی بغداد
.47	تھذیب المنطق والکلام	مسعود بن عمر تفتازانی	
.48	شرح السنۃ للبغوی	الحسین بن مسعود الفراء بغوی	المکتب الاسلامی دمشق
.49	تثبیت الامامۃ وترتیب الخلافۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ	مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ
.50	لسان المیزان	احمد بن علی العسقلانی	المؤسسۃ الاعلمی بیروت
.51	میزان الاعتدال	محمد بن احمد ذھبی	دار المعرفۃ بیروت
.52	مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان قاری	دار الفکر بیروت
.53	مسند ابویعلی الموصلی	احمد بن علی الموصلی	دار المامون دمشق
.54	الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ	علی بن سلطان قاری	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
.55	الموضوعات للصغانی	حسن بن محمد الصغانی	دار المامون دمشق
.56	تقریب المرام شرح تھذیب	شیخ عبدالقادر کردستانی	دار الکتب العلمیۃ
.57	الخصائص الکبری	عبدالرحمن بن ابوبکر السیوطی	دار الکتب العلمیۃ
.58	الموضوعات لابن الجوزی	عبدالرحمن بن علی الجوزی	المکتبۃ السلفیۃ
.59	الکوکب الدراری شرح بخاری	محمد بن یوسف الکرمانی	دار احیاء التراث العربی
.60	تسدید القواعد شرح التجرید	امام شمس الدین الاصفھانی	دار الضیاء کویت
.61	الرکضۃ علی ظھر الرفضۃ	محمد حیات بن ابراھیم السندی	
.62	رسالۃ فی رد روافض	شیخ احمد سرھندی	
.63	اکمال المعلم بفوائد المسلم	عیاض بن موسیٰ القاضی	دار الوفاء مصر
.64	دیوان نظام	حامد دین بزدار چشتی	غیر مطبوعہ
.65	نعم الوجیز	عبدالعزیز پرہاروی	مکتبہ مجیدیہ ملتان
.66	النبراس	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مکتبہ حقانیہ ملتان
.67	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	احمد بن علی العسقلانی	دار الکتب العلمیۃ بیروت
.68	مرام الکلام	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مخطوط
.69	نزھۃ الخواطر	عبدالحی ندوی	دار ابن حزم بیروت
.70	احوال وآثار	متین کاشمیری	بہار اسلام پبلیشر

.71	النبراس	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مکتبۃ البشریٰ
.72	نعم الوجیز	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	ورلڈ ویو پبلیشر
.73	سر السماء	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مخطوط
.74	النبطاسیہ	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مخطوط
.75	السر المکتوم	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مخطوط
.76	السلسبیل	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مخطوط
.77	الصمصام	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	ورلڈ ویو پبلیشر
.78	التمییز	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	فرید بک سٹال
.79	کوثر النبی	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مخطوط
.80	النبراس	علامہ عبدالعزیز پرہاروی	مکتبۃ البشریٰ
.81	تکمیل الایمان	عبدالحق محدث دہلوی	مکتبہ امام احمد رضا
.82	مطلع القمرین	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	مکتبہ امام اہل سنت
.83	شرح العقائد النسفیہ	مسعود بن عمر تفتازانی	مکتبۃ المدینہ کراچی
.84	فضائل الصحابۃ	علی بن عمر دارقطنی	مکتبہ الغربا الاثریہ
.85	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل بخاری	مکتبۃ المعارف
.86	جامع الاحادیث	عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	
.87	تفسیر الدر المنثور	عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	دار الفکر بیروت
.88	تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری	دار التراث بیروت
.89	تاریخ الخلفاء	عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	مکتبہ نزار مصطفی
.90	الاعلام للزرکلی	خیر الدین بن محمود زرکلی	دار العلم
.91	نفحات الانس مترجم	عبدالرحمن جامی	فرید بک سٹال
.92	بہار شریعت	مفتی امجد علی اعظمی	مکتبۃ المدینہ کراچی
.93	اشارات فریدی	مولوی رکن الدین	مطبع رفیق عام لاہور



محترم قارئین!

ادارہ ہذا مسلک حق اہل سنت اور امام اہل سنت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی تعلیمات و تصریحات کا کاربند ہے۔ہم نے نہایت خلوصِ نیت ، دینی حمیت اور ایمانی جذبے کے تحت اور اپنی بساط کے مطابق انسانی کاوش کرتے ہوئے اس کتاب کے متن اور اس میں موجود قرآنی آیات واحادیث واقوالِ اسلاف کی تصحیح کی بھرپور سعی کی ہے۔تاہم اس کے باوجود اگر اس میں بتقاضائے بشریت کوئی لفظی یا اعتقادی غلطی رہ گئی ہو تو آپ سے التماس ہے کہ آپ ادارہ ہذا کو اس سے ضرور آگاہ فرمائیں تا کہ اس کی فوری تصحیح کردی جائے۔

جزاك الله تعالى في الدارين!

❖❖❖❖❖